

3)
25920

FEB 2006

SRI PRATAP COLLEGE
LIBRARY

Subject P. G. (i)

No. 47

سری پراتاپ کالج
Sri Pratap College

SRINAGAR
LIBRARY

Class No. 891.481.

Book No. M 97 D.

Accession No. 25920.

SRI PRATAP COLLEGE
LIBRARY

Subjects P. G. (i)

No. 47

دیوان مصحفی

۱

Diwan

05825 Library
Pratap College
SRINAGAR

دُنیا سے ہم چلے گئے ناچار مصحفی
اک یادگار اپنا یہ دیوان رہ گیا

Mushafi

مجلس

Dellin, Maglis-i-

اشاعت

Ishāat-i- Adab,
1966.

ادب

مجلس اشاعت
ادب
مجلس اشاعت
ادب

دیوانِ مصحفی
(اول)

Accession Number... **25820**

Class No.....

891.481

M 97 D

Library
Pratap College
PRINAGAR

ناشر:- مجلس اشاعتِ ادب دہلی

تاریخ اشاعت:- جنوری ۱۹۶۶ء

قیمت ————— آٹھ روپے

قسم اعلیٰ ————— بارہ روپے

مبلیع:- دہلی پرنٹنگ ورکس- دہلی

حقوق بحق ناشر محفوظ

خطِ سرِ نوشتِ ما

قدیم تذکرہ نویسوں سے جدید تنقید نگاروں تک، سبھی نے مصحفی کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ میر و مرزا کے سوا شعرائے متقدمین میں ان کا ہم پلہ نہیں۔ انھیں لکھنؤ اسکول کی صحت مند اقدار کا بانی کہا جائے تو بجا ہے۔ جرأت و انشا کا رنگ مقبول خاص و عام ہونے کے باوجود مصحفی نے اپنے عہد کو سب سے زیادہ متاثر کیا، اور سچ تو یہ ہے کہ شعرا کی آنے والی نسل نے انھیں کے دامن تربیت میں پرورش پائی لیکن کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایسے اہم شاعر کا کلیات آج تک قلمی دوا دین کی شکل میں ہندو پاک کی دُور و دراز مقامات پر واقع مختلف لائبریریوں میں مقفل تھا۔ اس کا سبب ایک تو ان اصحاب کا تغافل ہے جو "کلیاتِ مصحفی پر تذکرہ ہندی کو ترجیح دیتے ہیں" لیکن اس کی دو وجوہ اور بھی ہیں جن میں سے ایک تو مصحفی کی پرگوئی ہے۔ مصحفی کا اردو کلام آٹھ دوا دین اور ایک مجموعہ قصائد (کل تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات) پر مشتمل ہے۔ ظاہر ہے، اتنا ضخیم کلیات شایع کرنے کی ہمت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ دوم یہ کہ دوا دین مصحفی کے نسخے ہندو پاک کے طول و عرض میں بکھرے پڑے ہیں۔ اس لیے پورے کلام کا فراہم کرنا اور تمام نسخوں سے مقابلہ کرنا بڑا صبر آزما کام تھا۔ بالآخر مجلس اشاعتِ ادب نے کلیاتِ مصحفی کی اشاعت کی عظیم ذمہ داری قبول کی۔ دوا دین کی نقلیں اور عکس حاصل کیے گئے۔ ہندوستان اور پاکستان میں جتنے نسخے دریافت اور دستیاب ہوئے، ان سے استفادہ کیا گیا اور اب دیوانِ اول پیش خدمت ہے۔ اسے کلیاتِ مصحفی کی اشاعت کے سلسلے میں پہلا قدم سمجھنا چاہیے۔ دیوانِ اول کی اشاعت اب سے ایک سال پہلے بھی ممکن تھی، لیکن ہماری

خواہش یہ تھی کہ کلیات کی ترتیب دندوین کا کام مکمل ہونے کے بعد ہی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ پورے سیدٹ کے لیے انتظار نہ کرنا پڑے دیوانِ اول کے جتنے نسخے ہم دریافت کر سکے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

رام پور رضا لائبریری، رامپور

(۱) دیوانِ اول کا اقدم مخطوطہ رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔ ترقیے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت ۲۹ رجب ۱۲۱۸ھ، ۲۸ جنوری ۱۷۹۷ء کو ختم ہوئی۔ اس کی ایک اور اہمیت یہ ہے کہ اس پر گزرا نیدہ مصحفی درج ہے۔ تعجب ہے، اس میں کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ اگر مندرجہ بالا بیان کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بالکل ظاہر ہے کہ کتابت کے بعد مصحفی اس پر سرسری نظر بھی نہ ڈال سکے۔ تاہم اس کی اولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہی اس کی اہمیت ہے۔ متن کی اساس اسی نسخے کو قرار دیا گیا ہے۔ اختلاف نسخہ میں "اصل" سے یہی نسخہ مراد ہے۔

رضا لائبریری کے نسخوں میں اوراق کی ترتیب کسی وجہ سے غلط ہو گئی ہے۔ جن جلدوں پر دیوانِ اول، دیوانِ دوم، دیوانِ سوم اور دیوانِ چہارم درج ہے، دراصل وہ صرف پہلا اور تیسرا دیوان ہیں۔ چونکہ اس سے نقل کے وقت دوسرے نسخے سامنے نہ تھے، اس لیے ترتیب میں بڑی الجھنیں درپیش آئیں لیکن بہت سا کاما نائب مہتمم جناب اکبر علی خان صاحب کے تعاون کے سبب آسان ہو گیا۔ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، بانکی پور، پٹنہ

(۲) بانکی پور کے نسخے بہتر حالت میں ہیں اور ان میں کتابت کی غلطیاں بھی بہت کم ہیں۔ دیوانِ اول پر کوئی ترقیمہ موجود نہیں۔ دیوانِ ششم کے ایک نسخے کے علاوہ بانکی پور کا پورا سیدٹ ایک ہی کاتب کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ دیوانِ چہارم کے ترقیے سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ احمد علی خاں (کاتب) ساکن احمد گنج ملازم توپ خانہ کا بیان ہے کہ نسخوں کی کتابت ۲۵ صفر ۱۲۳۳ھ، اکتوبر ۱۸۱۷ء بعد غازی الدین حیدر ختم ہوئی۔ کاتب نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ حضور والامیاں مصحفی سے بہ دل عقیدت رکھتے تھے اور خود کو ان کے تلامذہ میں شمار کرتے تھے، نیز یہ کہ مصحفی کی وفات کے تین سال بعد

آٹھوں دوا دیں فراہم کر کے رکھے گئے۔

کتب خانہ دارالعلوم اسلامیہ دیوبند

(۳) نسخہ دیوبند مصحفی کی وفات کے ۸ سال بعد ۲ ربیع الاول ۱۲۴۹ھ ۲۰ جولائی ۱۸۳۳ء کا مکتوبہ ہے نسخہ اغلاط سے پاک اور بہت مکمل ہے۔ رامپور اور دیوبند کے نسخوں میں بڑی حد تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس نسخے تک ہماری رسائی محترم مفتی عتیق الرحمن صاحب کی بدولت ہوئی جس کے لیے ہم موصوف کے شکر گزار ہیں۔

لکھنؤ یونیورسٹی ٹیگور لائبریری، لکھنؤ

(۴) دیوان اول کا ایک نسخہ ٹیگور لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی کتابت ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ ۱۰ اگست ۱۸۶۲ء کو ختم ہوئی یہ نسخہ بھی مکمل، صاف اور خوش خط ہے۔ البتہ بعض جگہ سیاہی اتنی ہلکی ہو گئی ہے کہ الفاظ کا پڑھنا مشکل ہے، اس نسخے سے استفادے کے دوران محترم ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی پروفیسر و صدر شعبہ اردو لکھنؤ یونیورسٹی کے مفید مشوروں نے بہت سی مشکلات آسان کر دیں۔ ادارہ موصوف کا ممنون ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

(۵) پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے اورینٹل سیکشن میں ۱۲۶۴ھ ۸-۱۸۴۷ء کا مکتوبہ ایک نادر مخطوطہ محفوظ ہے جس پر ”کلیات مصحفی“ درج ہے۔ یہ بڑی تقطیع کے ۵۳ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم نسخہ ہے۔ ہر صفحے پر اوسطاً پچھتر اشعار ہیں۔ دیوان مصحفی کا کوئی نسخہ اتنا غلط اور باخبط ہماری نظر سے نہیں گزرا لیکن اسی کے ساتھ یہ ایک نمایاں خصوصیت کا بھی حامل ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاتب کے سامنے رامپور اور پٹنہ کے نسخے یا ان کی نقلیں موجود تھیں۔ نقل رامپوری نسخے کے مطابق ہے لیکن کاتب نے جا بجا الفاظ فلمز دکر کے وہ الفاظ لکھ دیے ہیں جو پٹنہ کے نسخے میں موجود ہیں۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو اختلاف نسخ متعلق شعر نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۴ اختلاف نسخ میں اس نسخے کے لیے ۱ لا، بطور علامت استعمال کیا گیا ہے۔ ادارہ، عبدالرحیم صاحب (لائبریرین) اور لائبریری کمیٹی کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس مخطوطے کا عکس لینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

(۶) اسی لائبریری میں دیوان اول کا ایک مخطوطہ چھوٹی تقطیع پر موجود ہے۔ کتابت صاف اور روشن مگر غلط ہے۔ ہوا الفاظ کاتب کی سمجھ میں نہیں آئے وہ یا تو بحسنہ نقل کرنے کی کوشش کی ہے یا اس کی جگہ جو لفظ کاتب کو مناسب معلوم ہوا وہ لکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً مسرد کی جگہ منفرد، ڈاکٹر ابوالیث صدیقی نے ”مصحفی

اور ان کا کلام کے لیے اسی نسخے سے اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ اختلاف نسخ میں اس کے لیے 'لب' بطور علامت استعمال کیا گیا ہے۔

(۷) اسی شعبے میں دیوان مصحفی اول کی ایک ٹائپ شدہ کاپی موجود ہے۔ اس کی مرتب محترمہ فرحت جہا ہیں، جنہوں نے ام۔ لے۔ اردو (۶۱۹۶۳) کے لیے یہ دیوان ردیف الف سے ردیف لون تک مرتب کیا ہے۔ افسوس ہے کہ اس میں 'لب' کی تقریباً تمام غلطیاں بحسنہ منتقل ہو گئی ہیں بلکہ بعض جگہ تو اضافہ ہو گیا ہے۔ دیوان اول کے مزید نسخے ان کی دسترس سے باہر تھے اور لا، کا پڑھنا دشوار تھا مجبوراً موصوفہ نے لب، کو اپنے نسخے کے متن کی بنیاد بنایا۔ اختلاف نسخ میں اس نسخے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

انڈیا آفس لائبریری، لندن

(۸) محترمی ڈاکٹر افضل امام لکچر ریٹنہ یونیورسٹی کی عنایت سے، انڈیا آفس لائبریری کی ایک نادر بیاض تک ہماری رسائی ہوئی۔ اس کا نمبر $\frac{U117D79}{B224}$ ہے۔ اس بیاض پر نہ سن کتابت درج ہے نہ کاتب کا نام۔ اسی میں مصحفی کے چھ دوا دین کا مبسوط انتخاب موجود ہے۔ اس سے دوا دین کی ترتیب میں خاص مدد ملی ہے۔

(۹) حکومت مغربی بنگال کے ذخیرے سے ہیں کلام مصحفی کی دو ضخیم جلدیں ملیں۔ پہلی جلد ۹۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مصحفی کے قصائد ہیں۔ دوسری ضخیم جلد پر نمبر نہیں لیکن صفحات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اس میں صرف غزلیات درج ہیں۔ دونوں جلدوں میں سے کسی پر سن کتابت درج نہیں۔ انتخابات اور مستند مطبوعہ تذکروں کے علاوہ مندرجہ ذیل قلمی تذکروں سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے۔

(سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد)

(کتاب خانہ، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ)

(خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ)

(سنٹرل اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد)

(عکس مملوکہ مخدومی مالک رام صاحب)

۱۔ شاہ کمال : مجمع الابیات

۲۔ خوب چند دکا : عیار الشعراء

۳۔ سعادت خاں ناصر : خوش معرکہ زیبا

۴۔ قدرت اللہ شوق : طبقات الشعراء

۵۔ خیراتی لال بے جگر : تذکرہ بے جگر

اس دیوان کی ترتیب مخدومی ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر پروفسر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی کی توجہ اور رہنمائی سے عمل میں آئی ہے۔ موصوف کے علاوہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، محترم مالک رام صاحب، غلام احمد صاحب علمی اور پروفسر مسعود حسین خاں صاحب، محترم رشید حسن خاں صاحب، قاضی عبدالودود صاحب، جناب نشتر خاں نقاہی، مشیر جھنجھالوی کے مفید مشورے بھی ہمیں حاصل ہوتے رہے ہیں۔ جناب جینظ عباسی نے اس کی ترتیب میں مدد کی اور جناب موود صدیقی نے طباعت کا اہتمام کیا۔

اختلاف نسخ

اختلاف نسخ دیوان کے اخیر میں درج ہے۔ مختلف نسخوں کے لئے علامات مقرر کی گئی ہیں اور اشاریے میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔ جہاں یہ یقین تھا کہ یہ محض کتابت کی غلطی ہے اور اس کا درج کرنا غیر ضروری ہے، اس اختلاف کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اختلاف نسخ کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مصحفی کو ایک کے بعد دوسرا دیوان مکمل کرنے کا اتنا شوق تھا کہ اپنے کلام پر نظر ثانی کرنے کی مہلت ہی نہ ملتی ہوگی۔ اس کے ثبوت میں نسخہ رامپور اور نسخہ دیوبند پیش کئے جاسکتے ہیں۔ نسخہ رامپور اقدم اور "گزرانیدہ مصحفی" ہے۔ دیوبند کا نسخہ مصحفی کی وفات کے بعد لکھا گیا لیکن دونوں میں مکمل مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جن نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، وہ کاتبوں کا پیدا کردہ ہے۔

املا

زیر نظر دیوان میں املا موجودہ روش کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ایدھر کی جگہ ادھر، اودھر کی جگہ ادھر لیکن جہاں ایسا کرنے سے مصرع ساقط الوزن ہو جاتا ہے وہاں اُسی طرح رہنے دیا گیا ہے۔ جیسے:-

اپنا بھی یہ چہرہ گلِ خورشید کے مانند

رُخ یار کا جیدھر گیا۔ اودھر ہی گیا پھر

بعض جگہ ہو جو کو ہو جو، ہو جیے کو ہو جیے، نہیں کو نہیں (بر وزنِ فاع) کوئی کو گئی،

آپ ہی کو آ پھی پڑھنا ہوگا۔ درنہ مصرع دزن سے گر جائے گا۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:-

موت ہو جو اس بلا میں گرفتار دیکھنا (مُجوو)

میں سمجھا تھا کئی قطرہ ہووے گا ان میں کوئی :-

جو دیکھا تو آنکھوں سے طوفان نکلا

آ پھی دم شمشیر ہے، یاں ہم پہ دم اپنا (آپ ہی)

کس واسطے کرتا ہے تو تنغا علم اپنا

ہزار حیف ہے اس عندلیبِ غافل پر اُپر (اوپر)

کہ آیا جس کے اد پر وقت بے خبر صیاد

اے میری جان سچ کہہ کیدھر تو چھپ رہا ہے کیدھر :-

سر پیٹے پھر میں یاں شیخ و شاب اپنا

کیا خون میں رنگے تھے کہیں رات کو تو نے رنگا :-

بازی ترے ہاتھوں سے جو گل ہار اٹھا ہے

فرہنگ

فرہنگ کی تیاری میں مندرجہ ذیل لغات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

فرہنگ آصفیہ، فیروز اللغات، پلیٹس، اسٹین گار، لغت آندر راج، بہارِ عجم،

اصطلاحاتِ پیشہ وراں، فرہنگِ عامرہ، رسالہ تذکیر و تانیث، غیاث اللغات، وغیرہ۔

اے مصحفی زگوشتہ خلوت بروں خرام!



Library
Pratap College
BRINAGAR

غلام ہمدانی مصحفی

تو ہووے باعث شیرازہ ان اجزائے ابتر کا
ستارہ تہجے جوں خورشید گردش میں ہے ساغر کا
ہوا جاتا ہے دم برگشتہ وقتِ ذبحِ خنجر کا
ہر اک نالہ ہمارا بال ہے جیسے کبوتر کا
نہ مجھ کو فکر بالا پوش کا ہے اور نہ بستر کا
کہ اب جو دم نکلتا ہے تو جیسے رودِ مجمر کا

نہ ہوگی جاں کنی کے وقت ہرگز تشنگی غالب
کہ تو اے مصحفی مداح ہے ساقیِ کوثر کا

بروزِ حشر ہو سر پر مرے سایہ پیمبر کا
خدا جانے کہ میں مذبح ہوں کس دست و خنجر کا
یہ سر مشتاق ہے کیا جانے کن پالوں کی ٹھوکر کا
کوئی پر اڑتے اڑتے شاید آ پہنچے کبوتر کا

خداوند! نہیں مشتاق میں سرودِ صنوبر کا
گیا ہوں جان سے تو بھی تڑپا ک مجھ میں باقی ہو
پڑا رہتا ہے اکثر راہ میں دامنِ درازوں کی
جوابِ نامہ تو معلوم اس کے پاس سے آنا

غرض ہر وقت روتے ہی رہے ہم دل کے تھمیں نہ سوکھا ایک دم رومال اپنے دیدہ تر کا
 مری آنکھوں سے گر پڑتے ہیں آنسو بیچ مجلس کو چھلکنا جب کہ ساتی مجھ کو یاد آتا ہے ساغر کا
 کئی دن مصحفی ہم سائے ملک سکھ نیند سوئے تھے
 کیا نالوں نے تیرے پھر بپا ہنگامہ محشر کا

۳

روز رومال نیا دیدہ تر پر رکھا ایک بچا ہانہ میں ناسور جگر پر رکھا
 میں اسی رشک سے مڑا ہوں کہ کل غیر نے ہائے ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پر رکھا
 جھڑپڑا داغ چمن میں جو کوئی لالے کا ہم نے وہ داغ اٹھا اپنے جگر پر رکھا
 کیوں نہ دل دیکھ لے ہاتھ سے جاوے کیا ایسے ہی ناز سے جب ان نے کمر پر رکھا
 کیا برا ہے جو رہے مصحفی نت یاں بیٹھا
 تم یہی جانیو دربان ہے در پر رکھا

۴

جب سر انگشت کو میں دیدہ تر پر رکھا نام آنسو نے مری سلک گہر پر رکھا
 مارے بتیابی کے آیا مرے منہ تک، ہر چند دست تسکیں میں بہت اپنے جگر پر رکھا
 اس کی آنکھوں کو نہ دیکھا کبھی دیں داروں نے جرم نظارہ عبت میری نظر پر رکھا
 حد دغا باز ہے بے تو بھی، کہ کل وعدہ کر غیر سے شام ملا، ہم کو سحر پر رکھا
 کیا بچوں گا میں، کہ دل کے مرے خمیا زوں نے ایک ٹانگہ نہ مرے زخم جگر پر رکھا
 کیا کروں شکر ادا آپ کے آنے کا، کہ رات جو قدم تم نے نہ رکھا مرے سر پر رکھا
 مصحفی چاہیے کیا پھر اسے اٹھ چلنے کو
 جس مسافر نے کہ دل اپنا سفر پر رکھا

شب جو اُس نے قدم اپنا مرے سر پر رکھا
 تیرے بیٹھے جو ہیں یاد بھی آیا کوئی کام
 چونک اٹھا وہ کہ تمہیں خیر ہے صاحبے واہ
 شوقِ نظارۂ دیدار نے تیرے شبِ دوش
 چار ٹکڑے ہو مرے داغ کا اُترا جو کھنڈ
 میں نے سر پر سے اٹھا دیدہ تر پر رکھا
 ہم نے موقوف اُسے وقتِ دگر پر رکھا
 شب جو میں دستِ خیال اُس کی کمر پر رکھا
 تا سحر دیدہ مڑ روزِ در پر رکھا
 لے کے لالے نے اُسے اپنے جگر پر رکھا
 لے کے لالے نے اُسے اپنے جگر پر رکھا
 کچھ ادا دیکھی کہ کل کیسے کچھ کے اُس کا کرنے
 نیمچہ مصحفی خستہ کے سر پر رکھا

سو سو طرح کا حادثہ تجھ پر گزر چکا
 اتنا بھی خال و خط کا بنانا ہے کیا میاں
 قیمہ کرے گا کیا کہیں، اب مجھ سے ہاتھ اٹھا
 اس ہاتھ سے یہ دل نہ تسلی ہوا، دریغ
 اے یار وقتِ چہرہ خراشی و موکشی
 اک سر پہ خاک ڈالنی باقی رہی ہے سو
 پراے دل ایک روز کہیں تو نہ مر سکا
 بس رکھو آئینہ کہ یہ مکھڑا سنو چکا
 تا قبضہ نہیچہ تو تراخوں سے بھر چکا
 سو مرتبہ میں دل کے اوپر ہاتھ دھر چکا
 کیا کیا نہ میرے ہاتھوں سے مجھ پر گزر چکا
 دیکھو گے شام و صبح کہ میں وہ بھی کر چکا
 کتنا ہی میں بسا روں اسے لیک مصحفی
 نقشا اگر یہی ہے توجہ سے بسر چکا

آج کچھ سینے میں دل ہے خود بخود بے تاب سا
 جوں گلِ تر کیا ہی اس سے جھلکے ہے اس کا بدن
 یاد میں کس فندقِ پاکی میں روتا ہوں کہ آج
 کر رہا ہے بے قراری پارۂ سیماں سا
 وہ جو پیرا ہن گلے میں اس کے ہے اک آب سا
 جو سرِ شک آنکھوں سے گرتا ہے سو ہے عذاب سا

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیشِ نظر معشوق ہے
 کوزہٴ دولابِ دُشِ زیر و زبر ہیں آدمی
 کل شبِ تاریک میں جوں ہی ہوا وہ بے نقاب
 کیا کہوں حسن و لطافتِ جامہٴ شبِ بنم سے ہائے
 ہے تو بیداری و لے کچھ دیکھتا ہوں خواب سا
 جب تلک یہ آسماں گردش میں ہے دولاب سا
 جلوہ گر روئے زمین پر ہو گیا مہتاب سا
 نکلا ہی پڑتا ہے وہ گورا بدن مہتاب سا
 مصحفی کیوں بختِ دل رونے کی کھاتا ہے قسم
 ہے نمایاں کچھ تو آنکھوں میں تری خونِ ناب سا

۸

جی جائے گا راہِ یگان کسی کا
 مکھڑے سے نقابِ مت اٹھاؤ
 جز آہِ دہاں کوئی کرے کیا
 ہو دیکھے فرشتہ اس پہ عاشق
 یوں کرتے ہیں امتحاں کسی کا ؟
 کیا فائدہ، ہو زیاں کسی کا
 کچھ بس نہ چلے جہاں کسی کا
 ہوتا ہے وہ بدگماں کسی کا ؟
 دل مفت میں اومیاں بسی کا ؟
 میراث ہے گلستاں کسی کا ؟
 اس باغ میں آشیاں کسی کا

دیتے نہیں مصحفی پھر اس کو

دل لیویں جو یہ بتاں کسی کا

۹

شب کہ دل دردِ عالم سے سربہ سر بریز تھا
 ان اداؤں کا کوئی مارا جیسے کس طرح ہائے
 شورِ محشر کی طرح ہر نالہ شور انگیز تھا
 یا ہے اب یہ گرم جوشی یا کہ وہ پرہیز تھا
 کیا کرے فرہاد بے چارہ کہ تیشہ تیز تھا
 نو بہاراں میں جو کرتے ہم بھی دعوائے جنوں
 مثلِ گلِ چاکِ گریباں ہم کو دستِ آویز تھا

۴

کی ٹنک اک آبِ دمِ شمشیرِ قاتل نے کمی
 اولیادوں کو بھی کھینچا اُس نے آنکھ زریخ
 در نہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا
 تو کہے وہ قاتلوں میں عصر کا چنگیز تھا
 بے تہوں کو مصحفی مطلق نہ سوچھا در نہ یاں
 رنگِ خونِ دل مرا ہر اشک میں آمیز تھا

۱۰

عاشقِ بیدل تو مشتاقِ نگاہِ تیز تھا
 اک نگہ کے پیچ جیسے نیم بسمل کر گیا
 ہم نے بھی کچھ اپنی دانائی سے کی یہ راہ طے
 ایک دم میں کر دیا یوں اس کو شیریں سے جدا
 وہ جو خط بھیجا تھا تو نے چاک کر میرے تئیں
 گھر میں ہمسایے نہ سوئے ایک شب آرام سے
 ہاتھ میں گواہ کے یار و نیمچہ رنگِ یز تھا
 قہر تھا، آفت تھا، لڑکا تھا کوئی غوریز تھا!
 در نہ جو کاٹا تھا اس وادی کا، سو تیز تھا
 خنجرِ شیر و یہ کب کا دشمنِ پرویز تھا
 میں جو دکھلاتا تو مجھ کو وہ ہی دستاویز تھا
 حسن اُس رشکِ پری کا بسکہ عشقِ انگیز تھا
 کہتے ہیں دیکھ اس کی صورتِ مصحفی کل مر گیا
 کیا عجب اس کا، کہ تھا بیمار و بد پرہیز تھا

۱۱

کچھ اعتقاد ان کے نہیں ارتباط کا
 کاسے کو بیٹھوں جا کے میں واں کام کیا مرا
 ہر جایوں سے فائدہ کیا اختلاط کا
 جس بزم میں کہ ذکرِ ہوش و نشاط کا
 روزِ ازل سے بند ہے در اس رباط کا
 کب ہے خیال اس کو مری احتیاط کا
 کچھ امید ہی نہیں
 مستی سے گو کہ میں دمِ شمشیر پر گروں
 گردوں پہ یہ شفق نہیں دیکھا تو مصحفی
 خونِ شہاں سے سُرخ ہے رنگ اس بساط کا

جب سر زلفِ صنم خم کھا گیا
 کان میں بھونکی جو میں اس کے وہ بات
 میں ہوں کس گنتی میں ازیک تا ہزار
 تیغ سے اس کی گئے گھایل بہت
 کام اک عالم کا برہم کھا گیا
 آج تو سنتے ہی کچھ دم کھا گیا
 گالیاں اس کی تو عالم کھا گیا
 زخم ایسے پر کوئی کم کھا گیا
 مصحفی ایسا تھا کب زار و نزار
 اس کے تئیں پیارے تراغم کھا گیا

کام دل اپنا تو ہرگز نہ بتاں سے نکلا
 تم تو کہتے تھے میاں، دل تراہم پاس نہیں
 کبھی نکلا بھی تو ہاں آہ و فغاں سے نکلا
 یوں ہے برقعے سے نمایاں جھلک اس عارض کی
 پتھر کو کیوں جی، بھلا اب یہ کہاں سے نکلا
 دل میں کہتے تھے ملے یا تو کچھ اس سے کہیں
 نورِ مہ پھوٹ کے جیسے کہ کتاں سے نکلا
 دستانِ مصحفی خستہ کی ٹمک لیجو خبر
 مل گیا وہ تو نہ اک حرف زباں سے نکلا
 یہ دم سرد سا کیا اس کے دہاں سے نکلا؟

جو دل اس کے کوچے سے اتار ہے گا
 پس از مرگ کیجو مری خاک تو وہ
 تو البتہ وہ تلمسلا تا رہے گا
 لگاتا رہاں پر جو ناخن اجل کا
 کوئی تیرا اس پر لگاتا رہے گا
 نہ جاگیں گے خوابیدہ خوابِ عدم سے
 نہ رشتہ رہے گا، نہ ناتار ہے گا
 اگر ایک عالم جگاتا رہے گا
 تو ہر سال دھومیں مچاتا رہے گا
 یہ شرطِ مردوت ہے اے بے مردت! ق
 کہاں تک تو مجھ کو کڑھاتا رہے گا؟

جو ملنا ہے تجھ کو تو آجلہ مل لے کہ پھر ہاتھ سے وقت جاتا رہے گا
 نہ ہو مصحفی خضمی دل سے ایمن
 رہے گا یہ جب تک ستانا رہے گا

۱۵

ناگہ چین میں جب وہ گل اندام آگیا
 اٹھا جو صبح خواب سے وہ مست پر خمار
 سوچے تھا، اہل جرم سے کس کو کروں میں قتل
 افسوس ہے کہ ہم تو رہے مست خوابِ صبح
 ہے جائے رحم حال پہ یاں اس اسیر کے
 گو میں تڑپ تڑپ کے دی حسرت میں اپنی جا
 سمجھو خدا کے واسطے پیارے برا نہیں
 گل کو شکستِ رنگ کا پیغام آگیا
 خورشید کف کے بیچ لیے جام آگیا
 اتنے میں اس کو یاد مرانام آگیا
 اور آفتابِ عمر لبِ بام آگیا
 جو گرتے ہی ہوا سے تہ دام آگیا
 بارے ٹک ایک دم کو تو آرام آگیا
 دو دن اگر کسی کے کوئی کام آگیا
 کر قطع کب گیا ترے کوچے سے مصحفی
 گر صبح کو گیا وہیں پھر شام آگیا

۱۶

دل تجھ کو دیا، لے مرا غم خوار یہی تھا
 دے داد مری در نہ میں اٹھ بولوں کا قاتل
 بے رونقی سینہ میں اب کس کو دکھاؤں
 اب جس دلِ خوابیدہ کی کھلتی نہیں آنکھیں
 دامن کو کیا رشکِ چمن خوب ہی، شاباش!
 لے چکی میں دل کھینچ لیا سینے سے اس نے
 بوسے کے عوض تم تو گئے گالیاں دینے
 پاس اپنے تو اے شوخ ستم گار یہی تھا
 کل حشر کے دن بھی مرا غول دار یہی تھا
 داغوں سے بتاں کے کبھی گلزار یہی تھا
 راتوں کو سر ہانے مرے بیدار یہی تھا
 رونے کا حق لے دیدہ خونبار یہی تھا
 انصاف کرو تیر کا سودنا رہی تھا
 کل تم سے ہمارا میاں اقرار یہی تھا

ابرو نے تری دل ہی پہ تلوار چلائی
 یوسف کو ترے حسن پہ دوں کیونکہ بڑائی
 اس کو میں جو دیکھا مجھے شب اس نے تو بولا
 بیزاری کے عالم میں کبھی آگے سے میرے
 میرا دل پر داغ پسند اس کی نہ آیا
 دیکھی ہو مری نقش تو کر اس کو اشارہ
 یعنی صفِ مرداں میں نمودار یہی تھا
 اس کے بھی تو خال و خط و رخسار یہی تھا
 لاؤ اسے، کل بھی پسِ دیوار یہی تھا
 جاتا ہے تو کہتا ہوں "مرا یار یہی تھا"
 ہر چند متاعِ سرِ بازار یہی تھا
 بولا کہ "مری چشم کا بیمار یہی تھا"
 کیوں مصحفی خستہ کے تیئں تو نے کیا قتل
 کیا سیکڑوں عاشق میں گنہگار یہی تھا؟

۱۷

گر اس منہ سے برق کبھی کھل گیا
 رہے اس کے وابستہ، عمر دراز
 گیا جان سے ایک عالم میاں
 رہا ہے کہاں ہم میں آرام و صبر؟
 ہمیں دے گیا داغ جاتے ہوئے
 وہی رنگِ گل ہے، وہی چہچہے
 لگی چوٹ دل پر مرے، باغ سے
 تو دیکھو گے مہ خاک میں رُل گیا
 نہ ہم سے یہ سوداے کا کل گیا
 ولیکن نہ تیرا تغافل گیا
 وہ طاقت گئی، وہ تحمل گیا
 غرض اس گلستاں سے جو گل گیا
 چمن سے کہاں شورِ بلبِل گیا
 سحرِ نالہ کرتا جو بلبِل گیا

میں کہتا تھا عاشق نہ ہو مصحفی
 تو ایسی ہی باتوں میں تو گھل گیا

۱۸

اب تو پھر کوچے میں اس کے شور و شر رہنے لگا
 یا تو آگے دیکھتے آئینہ شرماتے تھے تم
 روزِ اک بے چارہ یاں آکر کے مر رہنے لگا
 یادہ اب تصویرِ سا پیشِ نظر رہنے لگا

یہ صباحت، یہ لطافت، یہ نزاکت تس پہ ہاے
 اس قدر پرچا، کہ گھر خوش ہی نہیں آنا اسے
 چاکِ در سے جھانکنے کی یا اسے رخصت نہ تھی
 ہائے کیا سر ماروں اے یارو! کہ اس سر کے تئیں
 خشک ہونے کے قریب آیا تو تھا تک داغِ دل
 چل بے یاں سے دور ہو ہم تم بھی نہیں اب آشنا
 آگئی کیا جانے کس بات سے اس پر شکست
 یا تو ہم نامِ سفر سے بھاگتے تھے لاکھ کوس

آگے ہر اک کے کھڑا تو پیشِ در رہنے لگا
 دل اُسی کوچے میں اب آٹھوں پہر رہنے لگا
 یا سر اس کا اب سرِ دیوار پر رہنے لگا
 ساری ساری رات اب تو درِ دیر رہنے لگا
 پھر نئے سر سے یہ کچھ ان روزوں تر رہنے لگا
 راتوں کو جا جا کے تو غیروں کے گھر رہنے لگا
 اب جو یہ دل اس قدر آزر دہ تر رہنے لگا
 یا ہمیں اب ہر گھڑی عزمِ سفر رہنے لگا

مصطفیٰ کو آگے یارو یوں کب آتی تھی غشی
 اب تو کچھ دو دو پہر یہ بے خبر رہنے لگا

۱۹

کیا جانے کیا کرے گا یہ دیدار، دیکھنا
 کیسی ہے اس کی ابرو سے خمِ دار دیکھنا
 تنہا ہی جا بھڑا صفِ مژگانِ یا سے
 یاں حسن کو ہے عشق سے آفت لگی ہوئی
 کھینچیں ہیں اپنی طرف زلفِ خالِ خط
 عالم کو اک نگہ سے کیا تو نے قتل عام
 شاکی ہیں اس کے، جان و دل و دیدہ سب ہم
 کچھ پھر تو نگ چلی ہے صبا اس کی زلف سے
 گر زلف و خط ہی ہیں تو اک دن تو میری جا
 خواہی میں آبِ خواہ ہوں آئینہ ہر طرح
 پھینٹا رکھیں ہیں سر پہ تو وہ بھی ہے یک لپک

اک دن میں آئینہ اسے سو بار دیکھنا
 یعنی ہے مول اس کو یہ تلوار دیکھنا
 کیا زور ہے یہ دل بھی جگر دار دیکھنا
 ظالم کوئی نہ ہو جو طرِ حذر دیکھنا
 کتنے ہیں ایک دل کے خریدار دیکھنا
 ظالم تک اس طرف بھی تو اک بار دیکھنا
 کس کس کے ہے وہ در پہ آزار دیکھنا
 مت ہو جو اس بلا میں گرفتار دیکھنا
 عالم کو اس بلا میں گرفتار دیکھنا
 منظور ہے مجھے ترا دیدار دیکھنا
 خواب کی کجکلا ہی دستار دیکھنا

جب دیکھا ہم نے اس کو تو مر مر کے ہم بچے
جاتے ہی ان کے ساتھ چلی جانِ عاشقاں
بہرِ خاتمِ اُس بتِ آشفۃ زلف کے
اے مصحفی میں تجھ سے کہوں طرفہ ماجرا
لیکن بشرطِ آں کہ تجھے میری ہے قسم
کچھ ان دنوں میں آگ کی نسبت ترارِ فنیق
باور نہیں ہے تجھ کو اگر یہ میرا سخن
دیوارِ دور پہ اس کے ٹک اک رکھ کے گوشِ چشم
چھڑے ہے اس کو غیر تو کہتا ہے اس سے یوں
پس اس طرح ہی یک دگر اس شمعِ زد کے نہیں
اپنی طرف سے ہم تو میاں تجھ کو کہہ چکے
یہ بات ہے مناسبِ غیرت کہ روز و شب

یعنی ہمیں نہیں ہے سزا دار دیکھنا
ان خوش قدروں کی خوبی رقتار دیکھنا
ٹک ڈھیلے پیچ دلت پٹی دستار دیکھنا
سنتا ہے، اس طرف کو ٹک لے یا لار دیکھنا
کیجو کسی سے اس کو نہ اظہار دیکھنا
بے طرح ہو چلا ہے بد اطوار دیکھنا
تو آپ جا کے تو بہ شبِ تار دیکھنا
سننا یہ حرف اور یہی اسرار دیکھنا
"کوئی کھڑا نہ ہو پس دیوار دیکھنا"
ہے ہر کسی سے گرمی بازار دیکھنا
ٹک تو بھی اپنے دل میں تو اک بار دیکھنا
اس کو نشستِ دربرِ اغیار دیکھنا

یا تو تو اپنے دام میں لا اس کو صبحِ شام
یا جا کے کوئی اور طرہ دار دیکھنا

۲۰

ٹک دیکھتا تو جا ترا بسمل کدھر چلا
شرطِ وفا یہی تھی بھلا، کوئے عشق میں؟
مانندِ گردِ باد ہے کچھ رُو بہ آسماں
ہم نکسوں سے بحرِ اشک کو ہونے دے موزن

کر ذبح اس کو ہاے تو قاتل کدھر چلا
تنہا تو مجھ کو چھوڑ کے اے دل کدھر چلا
آوارگانِ شوق کا محمل کدھر چلا
ہم تجھ سے تب کہیں گے کہ ساحل کدھر چلا

دل تک پہنچ کے تو نے کیا سوئے کعبہ رد
اے مصحفی تو چھوڑ کے منزل کدھر چلا

بیٹھے بھی گا ہے جا کے تو ہشیار بیٹھنا
 آتے ہی پاس چٹ سے وہیں مار بیٹھنا
 لازم ہے تم کو ہم سے ہو بیزار بیٹھنا؟
 جا کر کہیں نہ تو سر بازار بیٹھنا
 کیا فائدہ دلا! پس دیوار بیٹھنا
 جس جاگہ تو بٹھاوے گانا چار بیٹھنا
 خاطر سے لے گئی ہے وہ رفتار بیٹھنا
 سر کو جھکائے مثل گنہگار بیٹھنا
 آئینہ لے کے ہاتھ میں ہر بار بیٹھنا

اے مصحفی وہ دوست ہی دشمن ہے جان کا

تو اس کے پاس جا کے نہ زہار بیٹھنا

صحبت میں غیر کی نہ مرے یار بیٹھنا
 یہ طرفہ اختلاط نکالا ہے تم نے واہ
 اٹھ جاویں گے تم ایسے ہی ہوتے ہو بد دماغ
 ہو جاویں گے اک آن میں رستے کے رستے بند
 وقتیکہ در کے آگے سے ان نے اٹھا دیا
 خواہی بر آب خواہ بر آتش ہمیں میاں
 بیٹھوں میں کیونکہ چین سے یارو کہ ان دنوں
 ہوں گرچہ بے گنہ یہ مجھے تیرے روبرو
 کیا یہ بھی چڑ نکالی ہے یوں میرے سامنے

اس حق میں اشک مریم کا فور ہو گیا
 سارا گھر اس کے آتے ہی پر نور ہو گیا
 سب کو چہ داد خواہوں سے معمور ہو گیا
 پیمانہ کیوں نہ عمر کا معمور ہو گیا؟
 روزِ دصال بھی شبِ دیجور ہو گیا
 جو گل کھلا سو کھلتے ہی کا فور ہو گیا
 یاں سببِ دارغِ عشق سے ناسور ہو گیا
 دیکھ نہ نکھیں اس کی اور بھی مخمور ہو گیا
 بھڑوا اگرچہ سوکھ کے امچور ہو گیا

رونے سے سوزِ داغ جگر دُور ہو گیا
 کیا جانے ماہ تھا کہ کوئی آفتاب تھا
 اب در تک اس کے اپنی رسائی ہو کس طرح؟
 دینے لگا وہ جامِ تہی جبکہ غیر کو
 آتے ہی اس نے نکھڑے پیر لہیں جو کھول دیں
 شبِ نم کو کیا میں روؤں کہ اس گلستانِ کج
 وال اس کی چشم سے نہ بہا ایک قطرہ آب
 تھا شب کی مے کشی کا مجھے تا سحر صداع
 تو بھی فرو ہوئی نہ ترش روئی شیخ کی

اے مصحفی چھپائے ہے کیا تو بھی عشق کو
یہ قصہ اک جہان میں مشہور ہو گیا

۲۳

پاسِ وفا بتاں سے زبس دور ہو گیا
جب آنے سے اس نے منہ اپنا پھرا لیا
پیرانِ مؤسپید سے گرمی نہ ڈھونڈیے
خوش قسمتی تو دیکھ کہ سینے کے داغ پر
اول تو تھا ہی اس کے تیئں اک غرورِ حُسن
ساقی خبر لے جلد کہ کل آنے میں شوخ
فریاد کرتے کرتے میں رنجور ہو گیا
آئینہ جیسے دیدہ بے نور ہو گیا
یعنی ہوا جو پیر سو کا نور ہو گیا
رکھا جو میں نے مشک تو کا نور ہو گیا
دیکھ آنے کو اور بھی مخمور ہو گیا
آنکھوں کو اپنی دیکھ کے مخمور ہو گیا

تجھ کو بھی کتنا دعویٰ طاقت تھا مصحفی
بس تو تو ایک ہی زخم میں سب چور ہو گیا!

۲۴

دل و دماغ تھا کب ہم کو ایسی ذلت کا
نہ بوسہ لینے کی کر مجھ پہ اومیاں تہمت
شبِ وصال گزری گئی اک آن کے بیچ
جفاے یارے گزری سو دل ہی پر گزری
نہ آفتاب چھپے ہے نہ شام ہوتی ہے
مرے جنوں پہ نہپٹ تنگ ہے فضاے جہاں
نہ دلبری، نہ ترحم، نہ لطف دے اشفاق
نہیں ہے اور کوئی، اب تو آگے لگ جا
نہ جان اس کو تو اور عاشقوں سا ہر جائی
خدا کرے کہ برا ہو دے اس محبت کا
وہ ہو گا اور کوئی شخص میری صورت کا
پھر آ یاد کھ مجھے دینے کو روزِ فرقت کا
زباں پہ حرف نہ آیا کبھو شکایت کا
یہ روزِ ہجر ہے یارب کہ دن قیامت کا
مکان چاہیے اس کو بڑی فراغت کا
ہو آشنا کوئی کیا ایسے بے مروت کا
ملے گا پھر نہ کبھی ایسا وقت فرصت کا
ہے مصحفی تو گرو ایک تیری الفت کا

مر از خمِ جگر کاری ہے اس مرہم سے کیا ہوگا
 اس اشکِ دآہ سے گردِ دل نہیں کھلتا تو گلشن میں
 رہا ہے کون عالم میں سدا، عالم یہ فانی ہے
 یہی ناروتے روتے جی ہمارا ڈوب جاوے گا
 ہمیں آگوستی اپنا حوصلہ معلوم ہے، پسح ہے
 ڈوبیا خانماں مردم کا ان راتوں کے رونے نے
 ترا بیمار بچنے کا نہیں اتنا سمجھ لینا
 موا اب میں تو مت رو کوئی ماتم سے کیا ہوگا
 نسیم بوی گل اور قطرہ شبنم سے کیا ہوگا
 گراٹھ جادیں گے ہم بھی ایک دن عالم سے کیا ہوگا
 اگر منہس کرنے بولو گے میاں تم ہم سے کیا ہوگا
 بغیر از نالہ و فریاد و زاری ہم سے کیا ہوگا
 خدا جانے اب آگے دیدہ پر خم سے کیا ہوگا
 کوئی دم اس میں گر آتا ہے تو اس دم سے کیا ہوگا

دلِ مرحوم پر اب صبر کرنا ہی مناسب ہے
 نہ داڑھیں مار روئے مصحفی، اس غم سے کیا ہوگا

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا؟
 میرے پہلو میں رات جا کر وہ
 چمکی بجلی سی پر نہ سمجھے ہم
 شب جو دل دو دو ہاتھ اچھلتا تھا
 جس کو ہم روزِ ہجر سمجھے تھے
 ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا؟
 ماہ تھا یا ہلال تھا کیا تھا؟
 حسن تھا یا جمال تھا کیا تھا؟
 وجد تھا یا ادہ حال تھا کیا تھا؟
 ماہ تھا یا وہ سال تھا کیا تھا؟

مصحفی شب جو چپ تو بیٹھا تھا
 کیا تجھے کچھ ملال تھا کیا تھا؟

میں نے کس چشم کے افسانے کو آغاز کیا
 شبِ وصل ایسے سے ڈھونڈے کوئی کیونکر واثق
 جس کو سنتے ہی مری خواب نے پرواز کیا
 جن نے سونا ز سے اک بندِ قبا باز کیا

میں اس انداز کے صدقے کہ جو کی مجھ پہ نظر
 دیکھتے ہی مجھے ان نے نظر انداز کیا
 گر کرے ناز تو اس حسن پہ اپنے ہے بجا
 کہ خدا نے بھی بنا تجھ کو بہت ناز کیا
 مصحفی آفریں اس تیرے لب و لہجے پر
 کہ فصاحت نے تری ہند کو شیراز کیا

۲۸

ملنے کا اس کے جب کبھی کچھ ہم نے ڈھب کیا
 کب وقت بوسہ آگے وہ دیتا تھا گالیاں
 ہوں بسکہ صرف یاد میں اس کی ان دلوں
 ضبطِ عطش پہ کچھ نظر اس مریض کے
 پہاں شکن تم اتنے تو آگے نہ تھے میاں
 دن عہد کر گئے تو نہ پھر رات کو ملے
 سو نا تو انیوں نے ہمیں جاں بلب کیا
 ہم نے ہی مٹہ لگا کے اسے بے ادب کیا
 جو کچھ پڑھا تھا میں نے فراموش سب کیا
 مرتے بھی وقت جس نے نہ پانی طلب کیا
 جھوٹوں میں لیک نام کو مشہور اب کیا
 آئے نہ دن کو چل کے جو اقرار شب کیا
 اے مصحفی وہ دم میں نہیں اپنا آشنا
 تو نے جو اس کو راہ میں ٹوٹا غضب کیا

۲۹

گوز خمی ہیں ہم، پر اے کیا غم ہے ہمارا
 جوں شمع سراپا ہیں ز بس مائلِ گریہ
 ٹک دیدہ انصاف سے دیکھو تو عزیزاں
 دل جس کے تئیں دیجے سو ایسا نہیں کوئی
 روتے ہیں کھڑے لاش پہ سب دیکھنے والے
 اٹھ جائیں گے رہنے کے نہیں کوئے بتاں میں
 اے مصحفی اب کوچے میں اس صبح جبیں کی
 اب تک بھی نہ پٹی ہے نہ مرہم ہے ہمارا
 جو بال ہے مڑگاں کی طرح نم ہے ہمارا
 معشوق بھلا اوروں سے کیا کم ہے ہمارا
 یوں یار اگر پوچھو تو عسا لم ہے ہمارا
 یعنی کہ ترے کوچے میں ماتم ہے ہمارا
 عزم سفر اب یاں سے مہم ہے ہمارا
 نہیں اور تو کوئی مگر اک دم ہے ہمارا

ہر بات کے کہنے میں جو جاں کن ہے ہمارا
پوشیدہ نہیں شمع صفت سوزِ دل زار
کیا جامہ صد چاک کا ناصح تو یسے گا؟
زلف و خط و کا کل نے چرایا نہیں دل کو
اندازِ محبت کے کوئی سیکھ لے ہم سے
تکلیف نہ دے ہم کو تو گلگشتِ چمن کی

پھرتا ہوا آجائے جو ایدھر سے تو ملنا
اے مصحفی اس کوچے میں ممکن ہے ہمارا

تجھ سے گروہ دلا نہیں ملتا
جس کو وہ زلف مار ڈالے ہے
اور سب کچھ ملے ہے دنیا میں
دل دیوانہ رات سے گم ہے
شیخِ کلبے سے اکٹھ نکل باہر
درد و غم کو بھی ہے نصیبِ شرط
اک نے پوچھا یہ ”مصحفی سے بھلا ق

زہر بھی تجھ کو کیا نہیں ملتا؟
سرِ موخوں بہا نہیں ملتا
لیکن اک آشنا نہیں ملتا
کہیں اس کا پتا نہیں ملتا
گھر میں بیٹھے خدا نہیں ملتا
یہ بھی قسمت سوا نہیں ملتا
کیوں تو اے بیوفا نہیں ملتا؟

سہنس کہ بولا کہ ”اور میاں اس سے
کیا کروں دل مرا نہیں ملتا“

یوں تو دنیا میں کیا نہیں ملتا
پر دلِ با صفا نہیں ملتا

کشتہ خنجرِ تنافل کو
بت پرستی سے باز آ، لے دل
دیکھے بت خانے سیکڑوں، کوئی
جان میری مجھے غنیمت جان
جب زمیں پر قدم رکھے ہے وہ شوخ
میں جو اس سے کہا تو مجھ سے میاں ق
ہو کے روکھا وہ یوں لگا کہنے
حشر تک خوں بہا نہیں ملتا
بت کے پوجے خدا نہیں ملتا
بت کا فرادہ نہیں ملتا
عاشقِ بادشاہ نہیں ملتا
خاک میں دل مرا نہیں ملتا
عید کے دن بھی کیا نہیں ملتا
”کیا کرے گا بے جا نہیں ملتا“

بن نمک چھڑ کے زخمِ سینہ کے
مصحفی کچھ مسرا نہیں ملتا

۳۳

جامے کے بند جب وہ گلشن میں وا کرے گا
تو آ کے پاس میرے اے شوخ! کیا کرے گا
لے باغباں خوشی سے رہنے دے مرغِ دل کو
خورشیدِ رؤہارا جس سے ملے گا ہر صبح
دیکھے ہے کیا، ہمیں بھی دے ڈال ایک بوسہ
غم خواریاں تمہاری یارو یہ سب مسلم
گل چاک چاک اپنی جیب دتبا کرے گا
سیج ہے کہ غیر ہی سے مہر و وفا کرے گا
یہ بھی چمن میں گا ہے نالہ کیا کرے گا
دالستہ وہ نمازیں اپنی قصہ کرے گا
حق، اے سخی خدا کے تیرا بھلا کرے گا
ہونا وہی ہے لیکن جو کچھ خدا کرے گا

رؤ مصحفی کو بھی دے اے دلبرِ نمازی
ہے شخص مستحق وہ تجھ کو دعا کرے گا

۳۴

اس کو منظور یاں نہ آنا تھا
چشمِ بیمارِ یار سن تو کھلا
تپ کا آنا بھی اک بہانا تھا
کیا مجھی کو یہ دکھ دکھانا تھا

یادِ ایام بے قراری دل
اب کہاں ہم، کدھر وہ کنجِ قفس؟
ایسے بھولے قفس میں سیرِ چین
دلِ صد چاک پر نہ کر تہمت
وہ بھی یارب عجب زانا تھا
کوئی دن واں بھی آب و دانا تھا
کہ گویا یاں ہی آشیانا تھا
رات زلفوں میں تیری شانا تھا
مفت میں اس کی گالیاں کھائیں
مصحفی تجھ کو غم ہی کھانا تھا

۳۵

ان آنکھوں سے آبِ کچھ نہ نکلا
بوسے کا کیا سوال، لیکن
ہوئی آنکھ سے آنکھ دید و دید
جز تیری ہوا کے اپنے سر میں
اُس مٹے سے جواب کچھ نہ نکلا
پر دل کا حجاب کچھ نہ نکلا
مانندِ حجاب کچھ نہ نکلا
پر وقتِ حساب کچھ نہ نکلا
جز دودِ کباب کچھ نہ نکلا
ہم سمجھتے تھے جس کو مصحفی یار
وہ خانہ خراب کچھ نہ نکلا

۳۶

کشورِ دل کو خدا جانے یہ کس نے لوٹا؛
اُس گرفتار کے صدمے میں کہ اڑ کر وہیں
دیدنی ہیں یہ غرضِ صالحِ قدرت کے رنگ
چرخِ پردیکھ کے نالے کو مرے کہتی ہے خلق
اس میں جو گھر نظر آتا ہے سو لوٹا پھوٹا
پھر گیا دام کی جانب جو قفس سے چھوٹا
کیا ہی موقع ہے لگایا ہے ہر اک گل بوٹا
بان چھوٹا ہے کہیں یا کہ ہے تارا لوٹا
جب ہتھیلی سے کل اس شوخ نے ماتھا کوٹا
مصحفی مر ہی گیا میں تو ادا دیکھ اُس کی

مجھے کر قتل ناحق دل ربا کے ہاتھ کیا آیا
 ہمارے قتل کو وہ پنجہ خود دستِ حنائی سقا
 کیا میرے تئیں برباد اس نے کوہ و صحرا میں
 خدا جانے ہے اے یار وہم اپنے درد سے خوش تھے
 گیا میں جان سے اُس بے وفا کے ہاتھ کیا آیا
 مہیں خوں میں ملا رنگِ حنا کے ہاتھ کیا آیا
 اڑا کر خاک کو میری صبا کے ہاتھ کیا آیا
 ہمارے درد کو کھو کر دوا کے ہاتھ کیا آیا
 دُعا ہر چند کی اے مصحفی ہم نے دے آفر
 تھی دستی سوا دستِ دعا کے ہاتھ کیا آیا

جس طرح ہاتھ سے اُس بت کے مراد لٹوٹا
 دلِ آوارہ سے رہتی ہے سدا اس میں بہار
 ہاے یہ زلفِ ہے یا دامِ بلا ہے یا رب
 ترکِ چشمِ اس بتِ کافر کی عجب رہزن ہے
 یوں کسی سنگ پہ ز نہار نہ شیشہ بھوٹا
 ہے ہمارے چمنِ دل کا یہی گل بوٹا
 جو پھنسا اس میں سوز نہار نہ جیتا چھوٹا
 بیکڑوں کے تئیں اک آن میں جس نے لوٹا
 مصحفی جس نے مرا حالِ دلِ زار سنا
 رو دیا، نالہ کیا، سنگ سے سینہ کوٹا

نقابِ افندہ از رخ جس طرف شب کو وہ جانکلا
 شکارِ دل کو ناحق ذبح کر کے ہاتھ سے کھویا
 ہوئی اک عمر مجھ کو اس سے کرتے نامہ پردازی
 جو شیخِ شہر آیا ہم سے ادبِ باتوں کی مجلس میں
 سرِ رہ ہو گیا روشن، زمیں پر چاند سا نکلا
 بھلا اس ناتواں میں کہہ تو اے صیادِ کیا نکلا
 عبارتِ کامری لیکن نہ اب تک مدعا نکلا
 اگر دھولیں نہیں تو گالیاں دو چار کھا نکلا
 دلِ گم گشتہ کی کل ہم نے اپنے فالِ دیکھی تھی
 میں ہوں اپنی شناسائی کا دیوانہ کہ مدت سے
 کریں اب کس تہمت؟ نام اس میں آپ کا نکلا
 سمجھتا تھا جسے بیگانہ سو وہ آشنا نکلا

نہ جانے مصحفی کو کیا کہا، اے بد زباں تو نے؟
کہ تیری بزم سے شب سخت وہ ہو کر خفا نکلا

۴۰

شرمندہ نہ تھا، نالہ شب گیر اثر کا
جاتی ہے فلک پر جو مری آہ مسلسل
اک پٹھ سی ہے نالے میں مرے خون جگر کی
مٹ بھڑ ہو رستے میں مرے پیک دعا سے
نالہ مرا کرتا ہے تو تسخیر اثر کو
شب مرغِ سحر خواں کی جو آواز سنی میں
نالہ تیرے بیمار کا جاوے گا فلک تک

طالع نے کیا ہے اے نخبیر اثر کا
درجہ کے ہلاتی ہے یہ زنجیر اثر کا
کچھ رنگ تو رکھتی ہے شمشیر اثر کا
منہ پھیر دے ایدھر کو جو تاثیر اثر کا
پر آپ ہی ہو جائے ہے تسخیر اثر کا
سنے ہی لگا دل میں مرے تیر اثر کا
منہ اس کو دکھا دے گی جو تقدیر اثر کا

اے مصحفی کرتا تھا رقم جب یہ غزل میں
جنبش میں قلم تھا، دم تحریر اثر کا

۴۱

تم بانگین یہ اپنا دکھاتے ہو ہم کو کیا
انہ نکھیں تمھاری جھپکیں ہیں ایدھر کو بیشتر
آویں ہماری گور میں گر منکر و نکیر
لا کر کبھی دیا ہے کوئی پھول پھل ہمیں؟
کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھوں میں
ہم سے تو اب تلک وہی شرم و حجاب ہے
کہتے ہو روز ہم سے یہی "کل کو آئیو"
دینا ہے کوئی بوسہ تو دے ڈالے میاں!

قبضے پہ ہاتھ رکھ کے ڈراتے ہو ہم کو کیا
تم ان اشارتوں سے بلاتے ہو ہم کو کیا
اتنا کہیں "ابھی سے اٹھاتے ہو ہم کو کیا"
تم سیر گلستاں کو جو جاتے ہو ہم کو کیا
ہم بھی سمجھتے ہیں، یہ سناتے ہو ہم کو کیا
گر ہر کسی کے سامنے آتے ہو ہم کو کیا
کیا خونکالی ہے یہ سناتے ہو ہم کو کیا
کیوں پاؤ توڑتے ہو پھراتے ہو ہم کو کیا

لے لے کے نام اُس کی جفاؤں کا مصحفی
ہم آپ جل رہے ہیں جلاتے ہو ہم کو کیا

۴۲

یہ چاکِ گریباں تو داماں سے گزرا
اگر دردِ دل میں یہ لذت ہے، یارو!
کسی اپنے دشمن پہ ہرگز نہ گزرے
وہیں جی اُسٹے دے جو مردے پڑے تھے
نہ دشتِ محبت کو سرسبز دیکھا
لگا تیرا ایسا مرے دل میں اُس کا
ہوئے فرشِ گل اُس کے ہر ہر قدم پر
یہ شکوہ رہا مجھ کو تجھ سے تو، قاصدا!
میں اک نالہ ایسا کیا کل چمن میں
صدِ احسنت اس کشتہ بے اجل پر
ہوئی مصحفی پر عجب رقت اُس دم
وہ مسکیں جو گورِ غریباں سے گزرا

۴۳

احوال پریشاں ہے گلستاں میں صبا کا
یار وہ یہ جو آتی ہے ہوا پانی سے لگا کر
ہم تک بھی وہ لاتی ہے کوئی برگِ گلِ امنوس!
ایسا نہ ہوشانے سے کہیں ہووے لڑائی
شاید کہ مرا غنچہ دل آ کے کھلا دے
کیوں ہاتھ گیا گل کے گریباں میں صبا کا
مشتاق ہے دل موسمِ باراں میں صبا کا
روزن سے گزارا نہیں زملاں میں صبا کا
ابھرا ہے دل اُس زلفِ پریشاں میں صبا کا
میں چشمِ برہ ہوں شبِ ہجراں میں صبا کا

اُس طفل کو لکھ بھیجتے ہم بھی کوئی پرزہ
ہوتا جو گزر اُس کے دبستاں میں صبا کا
اے مصحفی جب خاک مری اُس نے ارادی
کیا کام ہے پھر کوچہ جاناں میں صبا کا

۴۴

زلفوں سے اس کی میں نے جس دن کہ ہاتھ دھویا
اُس کے مزار پر تو آنا روا ہے اک شب
شوخی تو دیکھ اس کی، کل چٹکی لیتے لیتے
تا بات کھل نہ جاوے، لوگوں کے ڈر کے مارے
تیرے شہیدوں کے ہم از بس مزاج داں تھے
جن گلیوں میں ملک کا ہوتا نہیں گزارا
اے مصحفی میں بیٹھا اب کیوں نہ خاک چھالوں
دل ساعقیق میں نے اُس کی گلی میں کھویا

۴۵

اے عشق! تو کامِ دلِ ناکام نہ دینا
کام اُس کا ہے عاشق کے تئیں کام نہ دینا
اس چپ کا میں دیوانہ ہوں کیا تر ہے اے وائے!
ملزم تری باتوں سے ہمیں آپ ہی ہونا
شیوہ ہے یہی اس کا کہ خورشید کے مانند
ٹمک کنجِ قفس میں بھی سکوں کجیو، بلبلی!
جانے کا جو دل قصدا کرے اس کی گلی میں
کچھ یہ بھی عداوت ہے کہ جب ہو مری نوبت

اس دل کے تئیں ایک دم آرام نہ دینا
تڑپانا جدائی میں اور آرام نہ دینا
اس لطف پہ میرے تئیں دشنام نہ دینا
اور تجھ کو کسی بات میں الزام نہ دینا
رُوحِ صبح جو دنیا تو ہمیں شام نہ دینا
جی اپنا تڑپ کر کے تہِ دام نہ دینا
فرصت اے اے گردشِ ایام نہ دینا
ساقی سے یہ کہتے ہو اے حبا نہ دینا

قاصد! یہ غضب ہے کہ جب اس کو میں پہنچا سب اپنی ہی کہنی، مرا پیغام نہ دینا
 اے مصحفی یا رآوے تو تو رویا ہی کیجو
 بہتے ہوئے آنسو کو کہیں مقام نہ دینا

۴۶

کل ہیں اُس کی طرف کو شوق رہبر ہو گیا
 یا کوئی بالوں کی بو سے اس کی واقف ہی نہ تھا
 خط منڈانے سے ترے چہرے کا نکلا اور سی رنگ
 لکھ کے نامہ، نامہ بر کو جب لگے ہم ڈھونڈنے
 قطرہ غول بھی نہ اپنا حلق میں اپنے گیا
 عارضِ افروختہ کی اس کے لالی کیا کہوں؟
 دیکھنا اس کا جو شکل تھا میسر ہو گیا
 یا کھلی جب زلف تو عالم معطر ہو گیا
 دوں بھی بہتر تھا پر اب بہتر بہتر ہو گیا
 رنگ چہرے کا ہمارے خود کو تر ہو گیا
 ہم رہے لب تشنہ اور سیراب خبر ہو گیا
 جس پہ ہر قطرہ عرق کا جیسے اٹکر ہو گیا
 کم ہے کچھ کندن سے کیا چہرے کا اس کے رنگ زرد
 عشق کر کے مصحفی تو کیمیا گر ہو گیا

۴۷

جانشین رخ پر ترے خطِ معبر ہو گیا
 اس قدم سے غلش کی اس کی مڑگاں نے کہ ہاے
 رشتہ شیرازہ اجڑاے دل تھی اس کی زلف
 اشک کا قطرہ مری آنکھوں کی سرخی کے سبب
 تھا اگر روز قیامت تو بھی ہم شاداں رہے
 گر ہو س کی مے کی میں نے اشکِ خونی سے مر
 اس برس کچھ جلد روز اور شب برابر ہو گیا
 ہر سرِ مؤتن پہ اپنا لڑکے نشتر ہو گیا
 وہ جو دال بکھری تو یاں یہ دل بھی انبر ہو گیا
 تھا اگر الماس تو یا قوتِ احمر ہو گیا
 وہ جو اک دن، اُس سے ملنے کا مقرر ہو گیا
 آستین کا حلقہ میری، خوں کا ساغر ہو گیا
 مصحفی کیونکر چھپے اب اُس میں سوزِ داغ دل
 جھین کے ان پلوں سے سینہ جیسے مجمر ہو گیا

آنکھوں میں مری ہر گل جوں خار نظر آیا
جب مصر میں پہنچے تب بازار نظر آیا
تو آج بہت ہم کو سرشار نظر آیا
مجلس میں نہ پھر کوئی ہشیار نظر آیا
مجھ کو بھی حمیلہ واساک بازار نظر آیا
جب زلف کے حلقوں سے رخسار نظر آیا
اے دل تجھے اب اس کا کچھ پیار نظر آیا
جو تیر لگا ابدل کے سو پار نظر آیا
دن مجھ کو جدائی کا اے یار، نظر آیا
داغوں سے مجھے سینہ گلزار نظر آیا

جب اس گل نازک کا دیدار نظر آیا
یوسف کی خریداری آسان نہ بھٹی از بس
مے پکی ہی پڑتی ہے آنکھوں سے تری، کافرا
اس مست شلائیں نے جب بھر کے نظر دیکھا
جھوٹے نہیں سچے ہواُس کو چے میں ہاں، یارو!
آنکھوں سے ہوے جا کر ہم حلقہ لگوش اس کے
یکبار وہ تجھ پر ہی خنجر کو چلا بیٹھا
یارو کہیں ایسی بھی دیکھی ہے صفائے شست؟
کیا وصل میں پوچھے ہے رونے کا مرے باعش؟
جب رخنہ ول سے میں سینے کی طرف جھانکا

اے مصحفی آنکھوں کا کس کی ہے نظر کردہ؟
تو اب کے بہت مجھ کو بیمار نظر آیا

ظلم بیارانِ دگر کر گیا
ہاتھ سے برباد کبوتر گیا
عشق کی تپ تھی، نہ بچا مر گیا
وہ بھی تیرے کوچے سے بچ کر گیا
جس کی اداؤں پہ میں مر گیا
وہ بھی تو افلاک پر مضطر گیا
آپ کی باتوں سے میں کیا ڈر گیا
پاؤں کے رکھتے ہی وہاں سر گیا

کنجِ قفس میں جو کوئی مر گیا
بھیجنے سے خط کے کچھ آیا نہ ہاتھ
قصہ کہوں کیا دل بیمار کا؟
فتنے کا بھی پڑ نہ سکا واں تو پاؤں
اس نے نہ پوچھا مجھے تو کون ہے؟
نالہ میرے دل سے جو نکلا سحر
روکھی سناتے ہو مجھے داہ وا!
چلتی تھی تلوار درِ عشق پر

ساقی نے شیشے سے جوالٹی شراب دیکھتے ہی جام کے دل بھر گیا
 مصحفی کو دیکھتے تھے ہم بھی رات
 جب وہ تیری بزم میں چھپ کر گیا

۵۰

موسم گل کوچ مگر کر گیا	رنگ بہاراں جو سفر کر گیا
سن کے مجھے کشتہ وہ آیا نہ پاس	دور سے اک آکے نظر کر گیا
پیٹوں ہوں سراپنا کہ مجھ کو وہ شوخ	جاتے ہوئے کیوں نہ خبر کر گیا
تعز یہ داروں کی یہ مجلس ہے یاں	جو کوئی آیا مثرہ تر کر گیا
ماجر ایسی کا سنا ہووے گا	عشق بلا ہے جب اثر کر گیا
خون میں لوٹوں ہوں کہ مجھ کو وہ شوخ	قتل بہ اندازِ دگر کر گیا
روزِ طرب گاہ وہ لایا بہ شام	گاہ شبِ غم کو سحر کر گیا

شمع صفت مصحفی اس بزم میں
 جوں بنی دل عمر بسر کر گیا

۵۱

عشق مجھے اہلِ بصر کر گیا	اشک کے قطرے کو گہر کر گیا
رہ گئے ہم سوتے ہی افسوس ہے	قافلہ صبح سفر کر گیا
لاشوں کے ستھراؤ وہاں پڑ گئے	اک نظر آئے وہ جیدھر کر گیا
آگیا میں سامنے اس کے تو وہ	دیکھ مجھے نیچی نظر کر گیا
کیونکہ نکالوں تیرے پیکان کو؟	اب تو میرے دل میں وہ گھر کر گیا
آکے مری خاک پہ کل گردِ باد	دیر تلک خاک بہ سر کر گیا
دل نہ لگا اس کا کہیں ایک بار	جو تیرے کوچے سے گزر کر گیا

یہ شبِ ہجراں ہے، اُسے آفریں
 یار میرے سر سے نہ گزرا تو کیا
 صورِ اسرافیل ہے نالہ مرا
 پیار تو آیا تھا میرے دل میں رات
 لشکرِ خطائے کے جو آیا وہ شوخ
 چشم نے دکھلائی صفا شست کی
 ہے وہ جہنمِ دلِ سوزاں مرا
 خنجرِ مژگاں پہ گرا لوٹ کر
 دیکھیے اب زلیست میری کیونکہ ہو
 جو کوئی اس شب کو سحر کر گیا
 یار کا خنجر تو گزر کر گیا
 گور کے سوتوں کو جبر کر گیا
 پر میں تری وضع سے ڈر کر گیا
 کشورِ دل زیرِ وزیر کر گیا
 تیر نگہ اپنا ہنر کر گیا
 جس سے جہنم بھی حذر کر گیا
 دل بھی میرا زور جگر کر گیا
 زہرِ بدائی تو اثر کر گیا
 رونے پہ آیا جو میں کل مصحفی
 سیکڑوں رومال کو تر کر گیا

۵۲

دن رات نپٹ غم سے ترے نالہ کناں تھا
 سو بھانہ ہمیں خاک بھی کچھ بے بھری سے
 اس چال سے گزرا کہ کیا کتنوں کو پا مال
 جن روزوں کہ کھینچے تھا وہ بے تیر کبادہ
 معذور مجھے رکھیو تم اے قافلہ باشاں!
 ایسا ہی گیا جلد کہ پھر منہ نہ دکھایا
 میں جامِ بلوریں میں شراب اس کو پلائی
 جی دینے میں صرف نہ کیا ہم نے کسی سے
 سچ کہہ تو مری جان کے دشمن! تو کہاں تھا؟
 یاں ورنہ ہر اک ذرے میں خورشید عیاں تھا
 معشوق نہ تھا، یہ تو کوئی آفتِ جاں تھا
 میرا دل خوں گشتہ تھی اس کا نشان تھا
 مانندِ جرس، دل مرا البریزِ فضاں تھا
 وہ سردِ رواں اپنی مگر عمرِ رواں تھا
 پیمانہ گل جس کی نزاکت پہ گراں تھا
 ہر چند کہ اس بات میں اپنا ہی زیاں تھا
 ہم سے خبرِ مصحفی خستہ نہ پوچھو
 تم آپ ہی سوچو نہ، سیاں دل میں کہاں تھا؟

دوش کو کب میرے اس نے تکیہ بازو کیا
لالہ دگل کر کے حل، صرف اس میں رنگم بو کیا
رفتہ رفتہ اس نے بھی دل پر مرے قابو کیا
گر رواں ہم نے بھی پلکوں پر کوئی آنسو کیا
چین پیشانی بنایا یا خسم ابرو کیا
ہم نے جب اس کو تصور حلقہ کیسو کیا
گو کہ ادروں نے دماغ آرزو خوشبو کیا
اس نے کل آنکھیں لڑائیں مجھ سے یا جادو کیا

موڑ دیں صف کی صفیں اک آن میں اے مصحفی
اُس صفِ مژگاں نے اپنا جس طرف کو رو کیا

غیر ہی کونت فلک نے اس کا ہم پہلو کیا
جب مصوّر نے لکھا گردہ تری تصویر کا
اب خیال اس کا نہیں چت سے اترتا ایک دم
گوہر غلطاں کی خوبی خاک میں مل جائے گی
دل سے جو موج اٹھی میرے اس کو ناز عشق نے
حلقہ در سے رہیں آنکھیں لگی دو دو پہر
اس چین سے ہم نہیں شرمندہ اک گل کے نیم
چین سا جاتا رہا ہے دل سے میں حیران ہوں

کیا ہو دے الم اُس کو خراشِ جگری کا
ہر نقشِ قدم خاک کا ہے تصویرِ پری کا
مت چھوڑو تو ساتھ نسیمِ سحری کا
سو پیش قدم ہے وہ تری جلوہ گری کا
کہتے ہیں کہ عالم ہے عجب بے خبری کا
خط مجھ کو نہ آیا کسی یارِ سفری کا
ہے کفش پہ ازبس کہ تری کام زری کا
سوان کو فلک نے کیا محتاج دری کا

اے مصحفی میں خط تو لکھوں بیک وہاں تک
ہر مرغ کو ہے حوصلہ کب نامہ بری کا

جس کے نہ لگا زخم تری کج نظری کا
یہ کس کی ہے رفتار؟ کہ صفحے پہ زمیں کے
کل قافلہ نکھتِ گل ہوگا روانہ
کہتے ہیں جسے اہل جہاں شورِ قیامت
ہے جی میں کہ یک چند خبر اپنی نہ لیجے
ازبس کہ عزیزوں نے مجھے دل سے بھلایا
پامال ہوا جائے ہے خورشیدِ درخشاں
نت فرشِ زری پچھتے تھے دروازوں پہ جن کے

پونچھ کر آنکھوں کا کاجل یوں نہ بالوں سے لگا
آگہی کب تھی مجھے اس کی کمر ہے جیسے مو
ریشک ہے جو اس کی سرخی پر لبِ سوسنار کو
شعلہ جوالہ ہو جیسے بلبلی پر کہیں

اس سیاہی کو صنم تک اپنے گالوں سے لگا
ہاتھ یہ مضمون مرے نازک خیالوں سے لگا
کس کا لو ہو ہے ترے تیروں کے بجالوں سے لگا
آہ کا شعلہ پھر ہے میرے نالوں سے لگا

اس قدر بھی راحت و آرام کا دشمن نہ ہو
مصحفی مت دل کو ان ترکیب والوں سے لگا

کب میں نے کہا تو مجھے دیدار دکھا جاؤ
ہے منزل مقصود ابھی دور، دو آنے!
مجرورِ تغافل نہ کر، اے شوخ! تو ہسم کو
کیا وضع ہے تیری کہ میں جب آؤں ہوں تجھ پر
کراپنے تبیں گم تو ذرا دشتِ جنوں میں
ناصح سے یہ کہہ دو کہ گریبان کو میرے

ٹک آ کے پس پردہ ہی آواز سنا جا
کیا دیکھے ہے سایے کو مخیلاں کے، چلا جا
یوں جی میں جو آوے تو کوئی زخم لگا جا
منہ سے ترے سنتا ہوں یہی بات کہ جا جا
شاید کہ کوئی آ کے تجھے راہ بتا جا
پھر فصل بہار آئی ہے ٹک آ کے سلا جا

اے مصحفی! گردن کشی اس شوخ سے مت کر
جب کہنیچے وہ تلوار، تو گردن کو جھکا جا

کوئی ہمیشہ گرفتار غم نہیں ہوتا
کریں ہیں عشق تو سب لیک نارسا یہ بکام
ہمارے قتل کو کہیںچے ہے جب وہ تیغِ دودم
ہے رت بہار کی اور باغباں کی مہلت ہے

ستم تو ہو دے، وے یہ ستم نہیں ہوتا
مری طرح سے کوئی متہم نہیں ہوتا
غرض کہ ہم میں تو اس وقت دم نہیں ہوتا
گلاب باغ میں اب تک قلم نہیں ہوتا

حرم تلک جو پہنچتے بھی ہیں بعد محنت
 مرے مزار پہ دامن کشاں کب آوے ہے یار
 عدم وجود کی لازم ہے پر جو سچ پوچھو
 قدم دھرے ہے تو کب راہ میں کہ تیرا قد
 طبیب نسخے بدلتے ہیں سیکڑوں لیکن
 ہمارے قتل کی تدبیر میں رقیب اس سے
 تو ہاے ہم سے طوافِ حرم نہیں ہوتا
 کہ میرے سینے سے شعلہ علم نہیں ہوتا
 وجود عاشقِ صادق عدم نہیں ہوتا
 قدم قدم پہ مری جان جسم نہیں ہوتا
 ہنوز دردِ دلِ خستہ کم نہیں ہوتا
 وہ شب ہے کونسی جو ہم قسم نہیں ہوتا
 خدا کے واسطے اے مصحفی تو کچھ لکھ دے
 کہ میرے ہاتھ سے نامہ رقم نہیں ہوتا

۵۸

نظر آتا ہے یہ لونڈا، مجھے ہر جانی سا
 کمی اب یہاں تک ہے جگر میں کہ اب اشک
 دل جدھر جائے ہے میرا تری صورت کا خیال
 پھر بھی اے تیغ چمک جا کبھی بجلی سی، کہ ہے
 دیکھ اسے ہر کوئی ہو جائے ہے سودائی سا
 لوکِ مژگاں سے گرے ہے تو کبھو رانی سا
 ساتھ پھرتا ہے لگا اُس کے تقاضائی سا
 واہراک زخم مرا چشمِ تماشاں سا
 مصحفی سے تو میں واقف نہیں، پر کوئی شخص
 صبح کا در پہ کھڑا ہے ترے مجرائی سا

۵۹

جن روزوں کہ رنگ آنکھوں کا اپنی جگری تھا
 یوں جاتے ہوئے کر گیا پا مال جو مجھ کو
 میں کر کے چلا بائیں اور اُس شوخ نے وہیں
 گل رشک سے جلتے تھے پڑے عود کے مانند
 ہر لختِ جگرِ روشِ گلِ برگِ طری تھا
 ہاں تھا تو وہ لڑکا ہی پہ تصویرِ پری تھا
 پوچھا جو کسی نے تو کہا: رہ گزری تھا
 جن روزوں کہ جامہ ترے بر میں اگری تھا
 جس ساتھ مجھے داعیہ ہم سفری تھا
 وہ چھوڑ گیا مجھ کو پسِ قافلہ تنہا

شب جس سے رہا دل میں مرے دغزغہ افسوس وہ صبح تلک مستِ مرے بے خبری تھا
 پایا نہ تجھے مصحفی، میں صبح کے ہوتے
 اے سوختہ جاں کیا تو چراغِ سحری تھا

۶۰

جدھر دیکھو اُدھر چرچا ہے ان ہنگامہ سازوں کا
 قدیمی ناز بردار آپ کو اب کب خوش آتے ہیں؟
 وہ کب محو تماشاے مرقع ہو دے اے مانی!
 رواں ہوں اشک جب پلوں پہ میری تب ذرا دیکھے
 چلے فتنے کی یاں کیا، دور ہے دامنِ درازوں کا
 پسند آتا ہے صاحب تم کو ملنا نو نیا زوں کا
 نظر میں جس کی نقشِ اکھب گیا جادو طرازوں کا
 نہ دیکھا ہو تماشا گر کسی نے شیشہ بازوں کا
 وہ اوگھٹ راہ ہے اے مصحفی دشتِ محبت کی
 کہ سم لیتا ہے مرکب جس زمیں پر یکہ ترازوں کا

۶۱

آگے مرے کسی نے ترا نام، اگر لیا
 پیارے! یہ رنگِ پاں ہے لبِ لعل پر ترے
 اس پیرہن سے مجھ کو تو آتی ہے بوے اشک
 تو بھی کبھی عیادتِ بیمارِ عشق کر
 اتنا میں مارے رشک کے تڑپا کہ جی دیا
 یا تو نے ذبح کر کے کسی کا لہو پیسا؟
 اے گل بتا تو کس نے ترا پیرہنِ سیا؟
 کہتے ہیں تیرے واسطے مر مر کے وہ جیا
 اے مصحفی تو جائے گا کیا اُس کے رو برو؟
 تو نے تو اُس کے کوچے میں آتے ہی غش کیا

۶۲

ہاے کیا کیجیے اس جامۂ عریانی کا
 چاہے آج زلیخا کو یہ مژدہ پہنچے
 شوقِ دل ہی میں رہا چاکِ گریبانی کا
 یعنی اب دلوں مکاں ہے مہ کنعانی کا

یہی باعث ہے مرے دل کی پریشانی کا
 لیک ہرگز نہ مٹا خط مری پریشانی کا
 اشک ہے یا ہے یہ لڑکا کسی درانی کا
 کس قدر شوق ہے اس بت کو بھی قربانی کا
 ہوں پریشاں تری زلفوں کی پریشانی کا
 تھا یہ اک عمر سے خواہاں مری ویرانی کا
 شوق جی ہی میں رہا بال و پیر افشانی کا

شانہ زلفوں میں جو ہر دم تو کیا کرتا ہے
 بار بار اشک کا دریا مرے سر سے گزرا
 کج کلا ہی نہ گئی تا سر مژگاں اس کی
 ذبح کر رہتا ہے اک آدھ کو ہر صبح مدام
 کر سکے کیا کوئی اب جمع میاں مجھ کو کہ میں
 اشک نے مجھ کو ڈبوایا، اسے تب حلین آیا
 ہم اسیروں کو قفس تنگ تراز بیضہ ملا

چمن ہند میں بلبل ہیں ہزاروں لیکن
 مصحفی شور ہے اب تیری غزل خوانی کا

۶۳

کیا ہے کس نے بھلا امتحاں خدائی کا؟
 کھو دو پٹے کا پٹکا، کبھی دولائی کا؟
 کہ بیش ازیں نہیں مقدور پارسائی کا
 میں تذکرہ کروں کس کس کی بے وفائی کا
 علاج ہو نہ سکا اس سر ہوائی کا
 زبس کہ گرم ہے بازار ناروائی کا
 کہ میں شہیر ہوں اس پنچہ حسائی کا
 دماغ ہے اسے از بسکہ میرزائی کا
 کہ آشنا کو نہیں پاس آشنائی کا

زیادہ قصد نہ کر عاشق آزمائی کا
 یہ کیا ادا ہے کہ ہر دم کمرے بندھتا ہے
 خدا کے واسطے اب منہ پہ چھوڑ دے برقع
 غرض کہ خوب و سب ہو وفا ہی گزرے ہیں
 بہت رکھا مجھے زنداں میں عشق نے لیکن
 رکھے ہے حکم خدایا گوہر اس زمانے میں
 مرے مزار پہ رکھ دو جیو گل منہدی
 رہے ہے گل خس و خاشاک میں جہیں جہیں
 ہزار حیف کہ یہ وہ زمانہ آیا ہے !

کسی سے مصحفی رکھتا نہیں میں دل میں غبار
 کہ مثل آئینہ عالم ہے یاں صفائی کا

چھپایا تم نے منہ ایسا کہ بس جی ہی جلا ڈالا
 کہے تو کھیل لڑکوں کا ہے یہ یعنی مصوّر نے
 حجابِ عشق ہے ملنے سے مانع ورنہ عاشق کو
 نہ اٹھا حشر کو بھی اُس کی تیغِ ناز کا مارا
 تغافل نے تمہارے خاک میں ہم کو ملا ڈالا
 جو نقش اس صفحہ ہستی پہ کھینچا سو مٹا ڈالا
 رہی پھر شرم کس کی؟ دل سے جب خطرہ اٹھا ڈالا
 کیا خوں اُس نے اک عالم کا اور دوہیں چھپا ڈالا
 مرض تھا مصحفی کو صدمہ تر، یہ خوب وہ سمجھا
 کہ جوں توں آپ کو اس نے ترے کوچے میں لا ڈالا

قاصد جب اُس کے پاس مرا نامہ لے گیا
 پایا نہ اس چمن سے کسی نے لباسِ عیش
 مطربِ لیسر کی دستِ درازی کو عشق ہے
 ہونا لہ میرے دل سے اٹھا شور کر کے رات
 پوشیدہ کر کے سب سے وہ علامہ لے گیا
 ہو گل گیا سوخوں میں ڈوبا جامہ لے گیا
 باتوں میں شیخِ شہر کا عمامہ لے گیا
 وہ چرخِ پری حشر کا ہنگامہ لے گیا
 ہر چند مصحفی میں جواہرِ رقم نہیں
 پر موتیوں کی آبِ مرا خامہ لے گیا

جوں سایہ اُس کے پیچھے میں برسوں لگا پھرا
 رویا چمن میں رات میں اتنا کہ جوں حباب
 گردوں تمام جیسے کہ غزال ہو گیا
 زورِ آوری نہ کر کہ جو آ یا غرور میں
 پانی میں آشیانہ بلبل بہا پھرا
 جب سے رخ اُس کی پلکوں کا سوئے ہوا پھرا
 مارا زمین پہ اس کو فلک نے پھرا پھرا
 اک عمر کوہ و دشت میں روتا ہوا پھرا
 آوارہ ہو کے سمیرہ باد صبا پھرا
 لیکن نہ اُس کا رخ کبھی سوئے قفا پھرا
 مجنوں کو عشقِ لیلیٰ نے آرام کب دیا
 مشتِ غبار اپنا تری جستجو کے بیچ

میں جس کی راہِ شوق میں پا مال ہو گیا وہ بھول کر بھی خاک پہ میری نہ آ پھرا
 مارا گیا گلی میں تری مصحفی، دریغ
 اُس کشتنی کے سر سے نہ حکم قضا پھرا

۶۷

تو جس شب کہ جا غیر کے پاس سویا کروں کیسے شکوہ کہ دریاے خوں میں
 اٹھٹا کونسی صبح رنجور و خستہ نہ ہراک کو پیارے دکھا وضع اپنی
 ترے ہاتھ دیکھے حنا سے بھی سادے دل اپنے کو میں ہاتھ سے مفت کھویا
 نہ سبزہ ہوا داں سے زہار پیدا میں جس خاک میں اشک کا دانہ بویا
 گیا مصحفی تیرا شورِ فصاحت
 فلک تک، تو ظالمِ فغانی ہے گویا

۶۸

مراد دل گیا جب سے زلفوں میں کھویا مجھے خوابِ آرام اُس رات آئی
 میں کیا، ایک عالم ہے اس دل کا جویا کہ خنجر ترا میرے پہلو میں سویا
 سراپنا میں زانو پہ رکھ خوب رویا تجھے جب کہ ہم زانو سے غیر دیکھا
 میں اس مزرعِ دل میں جو تخم بویا نہ ہرگز ہوا سبز حسدِ ماں کے مارے
 کہیں مصحفی گریہ موقوف کرا ب
 کہ اس گریہ نے ایک عالم ڈبویا

(۶۹)

مُنہ دیکھ کے یارِ آرسی کا دشمن تو ہوا ہمارے جی کا

مٹا طہ اسمجھ کے شانہ کیجو
اُس زلف کا ہونہ بال بیکا
سمجھے نہ وہ مومن اور نہ کافر
دل چاہیے اُس کو ہو کسی کا
جی سے نہیں بھولتا ہے اب تک
کہنا ترا منس کے وہ 'اجی' کا
تھا آئنے ہاتھ میں کہ ناگہ ق
شب ماہ کو دیکھ کر یہ بولا
”ہے اس کا بھی کتنا حسن پیکا“

ظاہر میں ہے گو درست احوال
سی پارہ ہے دل تو مصحفی کا

۷۰

زلفوں کی درہی نے برہم جہان مارا
پلکوں کی کاوشوں نے سینوں کو چھان مارا
ہرگز وہ دست و بازو ہلتے کبھی نہ دیکھے
جو تیرا اُس نے مارا سو بے کمان مارا
سچا تو ہو گیا میں ملک بارے عاشقوں میں
صدر شکر مجھ کو تو نے کرا امتحان مارا
کوئی کہاں تک اب ان کی سنے نصیحت
بک بک کے دوستوں نے اپنا تو جان مارا
تھی وصل کی شب اور میں بے خود پڑا ہوا تھا ق
جوں مرغ صبح بولا، صدمہ یہ دل کو پہنچا
ہوے کس نے میری چھپاتی پہ بان مارا
تم کو بھی کچھ خبر ہے؟ جب رات ہم نے آکر
جو جامہ زیب گزرا مثل صبا اُدھر سے
ہر ایک نگاہ تو نے تیغ جفا علم کر ق
جس دن سے مصحفی کو اے بدگمان مارا

لاشے پر اس کے ہر دم کہتے ہیں لوگ آکر
”کیا مفت میں گیا ہے یہ نوجوان مارا“

۷۱

ذرا ہم سے بھی ملتے جائیے گا
کبھو تو اس طرف بھی آئیے گا

ہمارا دل ہے قابو میں تمہارے
 بھلا جی کیوں نہ اب ترسائے گا!
 جو ہم رونے پہ آویں گے تو لے ابرا
 بجائے آب، خوں برسائے گا
 بہار آئی تو اب کے ناصحوں کو
 گریباں پر زے کر دکھلائے گا
 کہا لے مصحفی میں اس سے ایک دن ق
 کہ بوسہ آج تو دلوا لے گا
 جواب اس نے دیا مجھ کو کہ صاحب
 کوئی یہ وقت ہے؟ پھر آئے گا

۷۲

یہ قطرہ اشک نے مڑگاں سے تار باندھ دیا
 دھویں نے آہ کے میری کبھی جو سر کھینچا
 نہیں یہ آبلہ کام جس میں آویزاں
 نکلتے گھر سے کیا خون ایک عالم کا
 فغاں! کہ مرہم کا فور کی جگہ ہم نے
 ہر اشک کو مری مڑگاں سے یوں علاقی ہے
 در اس کا مجھ سے چھپا ہی رہا، کبھی تو نے
 ترے تماشے کو خلق اتنی آئی عید کے دن
 کٹھوت میں گہر آب وار باندھ دیا
 زمیں سے تابہ فلک اک غبار باندھ دیا
 کسی نے اپنا دل بے قرار باندھ دیا
 کمر سے اُس کی یہ کن نے کٹا باندھ دیا
 نمک بہ روئے دل دا غدار باندھ دیا
 کہ جوں ستار کی کھونٹی سے تار باندھ دیا
 اٹھا کے پردہ، نہ لے پردہ دار باندھ دیا
 کہ اک پر اساس سر رہ گزار باندھ دیا
 فلک کو دیکھ تو اے مصحفی کہ صانع نے
 عجب طرح کا یہ نقش و نگار باندھ دیا

۷۳

بس کہ ہر دم چاک تازہ میں گریباں میں دیا
 موسم گل پھلے، مرجانے کی جاسی صحن باغ
 ایک عالم مجھ کو پیارے ازیر تیغ آ یا نظر
 مجھ کو سودا کی سمجھ، یاروں نے زنداں میں دیا
 اس لئے ببل نے اپنا جی گلستاں میں دیا
 سر میں دم تو نے اپنی چشم فتاں میں دیا

کچھ بھی جمیعت ہوئی حاصل نہ ہم کو، ہم نے ہاے!
 اس کی طاقت تھی نہ ہرگز بن کے فتح لے کا حریف
 جوں سرِ منصور یہ سرِ خود سزا لے دار تھا
 خاک گلیوں کی رہا، بھر عمر سر پر چھپاتا
 رایگاں دل خواہش زلف پریشاں میں دیا
 مفت پروانے نے جی اپنا چسراغاں میں دیا
 ہم نے اپنے سر کو ناحق عشقِ خباں میں دیا
 ہاتھ سے دل جس نے بازی گاہِ طفلان میں دیا
 عشق کی دادی سے کوئی سالم نہ آیا مصحفی
 ہم نے سب اسباب اپنا اس بیا باں میں دیا

۷۴

درمیاں میں نقاب کس دن تھا؟
 لطف کرتے تھے مجھ پہ تم ہر دم
 آہ جاتی تھی سعی سے لبِ نک
 حادثے ہوتے تھے زمانے میں
 کشورِ بخت تیرہ روزاں میں
 کون رو یا ہے، گل کے چہرے پر
 میرے اس کے حجاب کس دن تھا؟
 جانِ من! یہ عتاب کس دن تھا؟
 نالہ پا در رکاب کس دن تھا؟
 اس قدر انقلاب کس دن تھا؟
 جلوہ گر آفتاب کس دن تھا؟
 اس قدر آب و تاب کس دن تھا؟
 مصحفی آج تو قیامت ہے
 دل کو یہ اضطراب کس دن تھا؟

۷۵

خطِ ترا مشکتاب کس دن تھا؟
 چاندنی تھی تمام شب گھر میں
 رات دن اپنے خوش گزرتے تھے
 یوں تو تم مجھ سے منہ چھپاتے تھے
 تو ہی انصاف کر بھلا اے عشق!
 ابر میں آفتاب کس دن تھا؟
 ماہ، زیرِ نقاب کس دن تھا؟
 عشقِ خانہ خراب کس دن تھا؟
 یکشش، یہ حجاب کس دن تھا؟
 ہم پہ اتنا عذاب کس دن تھا؟

اُس کو ہم مستِ حسن پاتے تھے
 زلف کی طرح اینٹٹے ہو کیوں؟
 موجبِ اس کام کا تو ہے، ورنہ
 جس طرح تو نے منہ چھپایا یوں
 مستِ جامِ شراب کس دن ہٹا؟
 تم میں یہ پیچ و تاب کس دن ہٹا؟
 قتلِ عاشقِ ثواب کس دن ہٹا؟
 لبِ بامِ آفتاب کس دن ہٹا؟
 مصحفی تھا تو شیعہ مذہب لیک
 نعرہ بوتراب کس دن ہٹا؟

۷۶

دل چرانا یہ کام ہے تیرا
 ہے قیامت بپا کہ جلوے میں
 جس نے عالم کیا ہے زیرِ وزر
 دید کرنے کو چاہئیں آنکھیں
 کس کا یہ خوں کیے تو آتنا ہے؟
 ہونہ ہو تو ہمارے مجلس میں
 تیغِ ابرو ہیں بھی دے اک زخم
 لے گیا ہے تو نام ہے تیرا
 قامتِ خوش خرام ہے تیرا
 یہ خطِ مشک فام ہے تیرا
 ہر طرف جلوہ عام ہے تیرا
 دامنِ افشاں تمام ہے تیرا
 تذکرہ صبح و شام ہے تیرا
 سر پہ عالم کے دام ہے تیرا
 توجو کہتا ہے ”مصحفی ادھر آ؟“
 مصحفی کیا غلام ہے تیرا؟

۷۷

میرا زانو دبا کے اٹھ جانا
 اب نہ فرما دے نہ مجنوں ہے
 رات کیا کیا صنم کی سیر ہوئی
 نگہ آشنا نے اس کی کیا
 صدقے میں اس اداسے گر مانا
 رہ گیا عاشقوں کا افسانا
 نظر آتا تھا ایک بتِ خانا
 ایک عالم سے مجھ کو بیگانا

قہر ہے اک تو ان کڑوں کی صدا تس پہ پھر پالوں کا بھی تھپکانا
میں گیا کل تو اس نے دست بخر میری ایک پیش قبض گذرانا

مصحفی ہوں، یہ کام ہے میرا
تیری ایک اک ادا پہ مرجانا

۷۸

ہے لالہ گول شفق سے دامن جو آسماں کا
سرخی میں اس کے رخ کی زردی سی مارتی ہے
کہتے ہیں آتش گل بھڑکے ہے پھر چمن میں
گہہ دل میں گہہ جگر میں وہ پیرتی رہے ہے
بانگِ رسیدگاں سے گوشِ زمانہ کر ہے
جو تیر پھینکے ہے تو جاتا ہے دائیں بائیں
اک دار پر چڑھا ہے، اک تیخ تک رہا ہے
صیاد سے کہو ٹک، ظالم! ذرا خبر لے
زردی کو میرے رخ کی جو دیکھے ہے کہے ہے

سب ماجرا ہے اپنی یہ چشمِ خوں نشاں کا
اس سال کچھ سنہرا ہے رنگِ گلستاں کا
کیا جانے رنگ کیا ہو بلبل کے آشیاں کا
ہے سیرگاہ میرا سینہ، تیری سناں کا
منزل پہ شورِ دونا ہوتا ہے کارواں کا
رخ پھر گیا ہے ہم سے از بس تری کہاں کا
ہے گرم اس گلی میں بازارِ امتحاں کا
احوال اب بتر ہے اس صیدِ نیمِ جاں کا
دیکھا نہیں ہے ہم نے یہ رنگِ زعفران کا

پاتا ہوں مصحفی کو میں ان دنوں مشوش
کیا جانے آگیا ہے دل کس پہ اس جواں کا؟

۷۹

عالم ہمیں خوش آیا از بس کہ اس جہاں کا
کس کس کے سر پہ دیکھیں آتی ہے اب قیامت
قبضے کی او جھڑیں تو میں کھائیں سیکڑوں پر
پردے میں منہ چھپانا، جتوں بھی بھر دکھانا

آکر عدم سے بھو لے نقشا بھی ہم تو داں کا
نکلا ہے پالو باہر اس فتنہِ زماں کا
دیکھا نہ ہاتھ اٹھنا اس ناز میں جواں کا
قربان ہوں میں تیرے اس عشوہ نہاں کا

گردست تیغِ خواباں بے صرنگی پہ آوے
کس زندگی کے اوپر فکرِ معاش کیجے
چاروں طرف سے آتش دیدے تو مجھ کو لے عشق!
آبادہ ہے یہ سینہ صد زخمِ خوں چکاں کا
پڑتا نہیں بھروسا اس چشمِ ناتواں کا
کیا کام ہے جلانا اک مشتِ استخواں کا
البتہ مصحفی کو ہے ریختے میں دعویٰ
یعنی کہ ہے زباں داں، اردو کی وہ زباں کا

۸۰

مشتاق ہی دل برسوں اُس غنچہ دہن کا تھا
داں بالوں میں وہ مکھڑا جاتا تھا چھپا کم کم
تھی خطِ شکستہ کی رخسار تیرے تسلیم
پردانے کی ہمت کے صدقے میں کہ دی شبادہ
آخر کو ہمیں ظالم پامال کیا تو نے
میں اس قد و عارض کو کر یاد بہت رویا
جوں اشکِ سرِ مژگاں ہم پھر نہ نظر آئے
دو پھول کوئی رکھ کر گزرا تھا جو کل یاں سے
جس مرغِ چین کو میں دیکھا تو چین میں بھی
شب دیکھ مہِ تاباں، تھا مصحفی تو حیراں
کیا اس میں بھی کچھ نقشا اس سیم بدن کا تھا؟

۸۱

بھٹکا پھرے ہے تیری، دل اک ادا کا مارا
زلفوں سے اُس کی، لے دل! ہے مجھ کو کیا رکار
ہم حالِ دل کی اپنے تقریر کر رہے ہیں
کہہ کس طرف کو جاوے اب یہ خار کا مارا؟
پھرتا ہوں میں تو آپھی اپنی بلا کا مارا
وہ بولتا نہیں کچھ ہرگز حیا کا مارا

وہ صیدِ خوں گرفتہ جیتا بچیا نہ ہرگز
دیکھا جو خوں میں غلطاں مجھ کو تو لوگ بولے
پھٹکار سی کسی کی اس دل کو لگ گئی ہے
جو صیدِ گہ میں آیا تیر قضا کا مارا
”یہ کشتہ ہے کسی کے رنگِ حنا کا مارا“
کیا جانے یہ پھرے ہے کس کی دعا کا مارا؟
کل مصحفی کو میں نے کوچے میں اس کے دیکھا
ٹکڑے ہوا پڑا تھا تیغِ جفا کا مارا

۸۲

عارض نہ تیری زلف پریشان میں دیکھا
سر کھینچے تھا شعلہ سا مرے دل سے فلک تک
ہرگز نہ رہا ہاتھ مرا، جامہ درمی سے
میں کوئی پسِ مرگ بھی آسودہ نہ پایا
گر تو بھی کرے سیرِ بیا باں کی تو سمجھے
عارض پہ ترے صلِ علی کیوں کہ نہ کہیے؟
کا ہے کو تعب کھینچے ہے اس دل کی صفا پر؟
جس کشتے کا دنیا میں کہیں کھوج نہ پایا
باراں کی ہوا، آبِ رواں، لالہ کا کھلنا
ہوا شک ان آنکھوں سے گرے صبح کے تارے
کس رنگ کا تھا کشتہ؟ کہ ایامِ بہاراں
یوسف کو زلیخا کے میں زندان میں دیکھا
میں طرفہ تماشا شبِ حیران میں دیکھا
اک چاک نیا روزِ گریبان میں دیکھا
عالم کے تئیں خوابِ پریشان میں دیکھا
اک جذبِ عجب میں نے بیا بان میں دیکھا
اس رنگ کا اک گل نہ گلستان میں دیکھا
آئینے نے کیا دیدہ حیران میں دیکھا؟
وہ کشتہ ترے چاہِ زرخندان میں دیکھا
یہ رنگ سب اس دیدہ گریان میں دیکھا
موتی کے تئیں جب سے ترے کان میں دیکھا
بلبل کو ترپتا میں خیا بان میں دیکھا

اے مصحفی، انوس! کہاں تھا تو دوانے؟
کل اس کے تئیں ہم نے عجب آن میں دیکھا!

۸۳

آویزہ لعل اس کے جو میں کان میں دیکھا
صدِ نختِ جگر دیدہ گریان میں دیکھا

اللہ رے ترے حسن کے شعلے کی تخیلی
پھر جائے دل اس بت سے مار پڑھتے ہی جس کے
چھوٹا نہ تری قید سے جیتا کوئی ظالم
مجنوں نے کیا آپ کو گم، مارے خوشی کے
مارے گمے اتنے کہ ہوئے لاشوں کے تودے
دل قطرہ خوں ہو کے بہا چشم سے میری
جس گل سے کہ دیتا میں ترے رنگ کو شبیہ
دل لڑکوں کے پتھروں سے جو پاوے تھا آئینہ
جز سبز خطاں کی نہ نظر، اور کے اوپر
تجھ سا تو کوئی کج کلمہ، اے کافر ہندی!

یہ جلوہ نہ نور شید درخشان میں دیکھا
ایسا تو کوئی سورہ نہ قرآن میں دیکھا
لاکھوں کو سسکتا ترے زندان میں دیکھا
جب ناقتہ لیلیٰ کو بیابان میں دیکھا
گھمسان پڑا عشق کے میدان میں دیکھا
جب تکمہ لعل اس کے گریبان میں دیکھا
ایسا تو کوئی گل نہ گلستان میں دیکھا
وہ ذوق ترے تیروں کے پیکان میں دیکھا
جب سبزے کو میں نے مہ شعبان میں دیکھا
شیراز میں دیکھا نہ صفا ہان میں دیکھا

اے مصحفی کہتا تھا میں تو اس سے نہ لگ چل
دل لے ہی گیا تیرا نہ اک آن میں دیکھا!

۸۴

آتا ہے یاد مجھ کو خونخوار کا لپٹنا
تم نازیں جواں ہو، مت چھڑو دل جلوں کو
رکھتا ہے میرے دل کو نت پیچ و تاب ہی میں
اس سادگی کے اوپر اک قہر ہے بلا ہے
مشاطہ! دیدنی ہے، موئے کمر سے جا کر
مانند زلفِ خوباں از لبس دراز ہے وہ
لیٹے تو ہے تو مجھ سے، اے زلف! ایک اک دن

اور اس گلے سے اس کی تلوار کا لپٹنا
بگڑے تو پھر ستم ہے دو چار کا لپٹنا
زنار سی کمر سے، زنار کا لپٹنا
برقع میں اس پری کے رخسار کا لپٹنا
اس زلفِ عنبریں کے ہر تار کا لپٹنا
مشکل ہے عاشقوں کے طومار کا لپٹنا
جی لے رہا ہے تیرا، یہ پیار کا لپٹنا

زلفِ سیہ سے اس کی تو پر حذر ہی رہیو
اے مصحفی! بلا ہے اس مار کا لپٹنا

سحر کے ہوتے نہ اک قطرہ خوں جگر میں رہا
امید داری نظارہ دگر میں رہا
کبھو وہ دل میں رہا اور کبھو جگر میں رہا
موئے بھی ہم تو وہی نیشتر جگر میں رہا
تمام عمر تمنائے یک نظر میں رہا
کسی کے حسن کا نقشا اگر نظر میں رہا
تمام رات دعاے اثر اثر میں رہا
ادھر سے گرچہ ترا ہاتھ چاک در میں رہا
اسی ادا سے جو خبر تری کمر میں رہا
”اُڑوں میں کاہے کیا خاک بال پر میں رہا“

تم اُٹھ گئے جو میاں، مصحفی کی بالیں سے
تمام رات پڑا ماتم اُس کے گھر میں رہا

ہجوم گریہ، زبیں رات چشم تر میں رہا
کبھی جو یار نے دزدیدہ مجھ کو دیکھا، تو میں
دل و جگر ترے پیکان تیر کا گھر تھا
خلش گئی نہ پس از مرگ بھی الم کی ترے
نہ دیکھا اُس نے کبھی مجھ کو آنکھ اُٹھا اور میں
قلم سے کھینچ کے مانی! تجھے دکھا دیں گے
زبیں کہ نالے کو شب، اضطراب تھا تجھ بن
ادھر سے میری نظر سیر ہی رہی کرتی
رہے گا تابہ کمر خوں تری گلی میں میاں
گرا جو شمع پہ پروانہ جل کے، یوں بولا

وہ حسن جاتا رہا اُس کا، وہ گلو نہ رہا
بہت کہا میں کہ اس شب تو رہ تو میرے پاس
پھر آفتاب بھلا رو برو ہو کس مُنہ سے؟
دماغ نے ہمیں سیرِ چین کی رخصت دی
دیا فشار مرے دل کو عشق نے یاں تک
نہ روئے خوب پہ بھول اس قدر کہ دنیا میں
مری اور اس کی یہ صحبت رہی، کہ جب آیا
وہ زخم کو لٹسا آیا مرے، کہ رات اور دن

وہ رنگ و بونہ رہا اور وہ رو و مو نہ رہا
مرے کہے کو نہ سمجھا، وہ تند خو نہ رہا
کہ آفتاب کا حسن اُس کے رو برو نہ رہا
گلوں کے چہرے پہ دقیقہ رنگ و بونہ رہا
کہ اس میں خون تو کیا، رنگِ آرزو نہ رہا
کوئی ہمیشہ، مری جان! خوب رن نہ رہا
کبھو رہا وہ مرے پاس اور کبھو نہ رہا
میان کشمکشِ مرصع و رفو نہ رہا

میں مصحفی تجھے پاس اُس کے چھوڑ آیا تھا
کچھ اُس نے تجھ کو کہا کیا، میاں! جو تو نہ رہا

۸۷

وہ عشق و دلولہ دشور رہا لے دہونہ رہا
ہزار بار ہوا آئنے مقابلِ یار
گیا جو باغ میں تو سیر گل کو، دیکھ تجھے
ہزار جاں سے ہوا بس کہ یہ گریاں چاک
میں بس کہ گریے سے کل مشقِ آبپاشی کی
میں تیرے روئے مخطّطِ پختِ حیراں ہوں
ہوئے ضعیف ادھر ہم، ادھر وہ تو نہ رہا
یہ تا بدیر کبھی اُس کے رو برو نہ رہا
چمن میں گل نہ رہا، گل میں رنگ و لون نہ رہا
کہ جیبِ گل کی طرح قابلِ رفونہ رہا
کہ لوحِ دل پہ کوئی حرفِ آرزو نہ رہا
خط آئے پر کوئی اتنا تو خبر و نہ رہا

بہارِ عمر میں اے مصحفی تو پی لے شراب
کہ کوکنار کے کاندھے پہ نت سبوت نہ رہا

۸۸

ہو کیوں نہ تشنہِ خون وہ ہم سے بکیوں کا
ناخن بہ دل زن از لبِ تھیں انگلیاں صنم کی
زلفوں نے اس کی ہم کو زنجیر کر رکھا ہے
ہے تختہ بند انسان ہیکل میں استخواں کی
ہے تیغ کا سا جو ہر سبزہ تری مسوں کا
سینے پہ میرے نقش ہے اب تلک مسوں کا
بس کیا چلے ہے ان سے ہم جیسے بے لبوں کا
کم از رسن نہیں کچھ یہ جال سا، نسوں کا

جیتا تری گلی میں پہنچا نہ مصحفی ہاے
آخر ہوا وہ طعمہ صحرا میں کر گسوں کا

۸۹

دیدہ بے دید، دشمن ہو گیا
مجھ کو اک نظارہ رہزن ہو گیا

ہم جہاں روئے ذراخوں، بیٹھ کر
 صبح ہوتے جب دیامنے اس نے کھول
 میں وہ دوزخ ہوں کہ آتش پر مری
 کس کی مڑگاں شب خدنگ انداز ہیں؟
 اس زمیں کا تختہ گلشن ہو گیا
 مطلع خورشید روشن ہو گیا
 آب بھی چھڑکا تو روغن ہو گیا
 سینہ افلاک روزن ہو گیا
 وسعت دست جنوں کے ہاتھ سے
 اب گریباں جیسے دامن ہو گیا
 مصحفی پھر جان کا کیا ہے دریغ!
 جب ندائے دوست تن من ہو گیا

۹۰

دوست تھا اپنا، سو دشمن ہو گیا
 سنگِ دل تیرے کی سختی سے، میاں!
 شمعِ پردے میں جلی تو کیا ہوا؟
 پردہ دل میرا پھیلنے کی طرح
 آتے آتے مک مرے لب پر دریغ
 جب دیا چاک گریباں اس نے کھول
 راہِ قسمت سے رہزن ہو گیا
 اب تو دل اپنا بھی آہن ہو گیا
 ہم یہ سب احوال روشن ہو گیا
 چھین کے ان پلوں سے روزن ہو گیا
 نالہ شادی بھی شیون ہو گیا
 دامنِ نظارہ گلشن ہو گیا
 مصحفی تھا تو تو دریا نوش، واہ
 اک ہی پیالے میں اٹیرن ہو گیا

۹۱

میاں تم ہم سے نت کرتے ہو رم کیا؟
 ستم کرتے رہے تم، اور ہم نے
 قدِ نازک نہال اس شاخِ گل کا
 رگِ گل کر دیا موئے کمر کو
 تمہیں ایسے برے لگتے ہیں ہم کیا؟
 نہ جانا یہ کہ ہوتا ہے ستم کیا!
 ہوا سے دیکھیو کھاتا ہے خم کیا!
 کرے کام اس سے نازک مؤقلم کیا!

تری آنکھوں کی کیفیت کے آگے
 صمد سے پھر گئیں زاہد کی آنکھیں
 بہت دم باز میں دیکھے ہیں ایسے
 قسم کھاتے ہو میرے سر کی جھوٹی
 نہیں آتے جواب پلکوں پہ آنسو
 نہیں آتا سر تیرا اب جو کوئی
 مری آنکھوں میں ٹھیرے جامِ جم کیا؟
 نظر آیا کوئی کافر صنم کیا؟
 مجھے باتوں میں تم دیتے ہو دم کیا!
 میاں جاؤ بھی جھوٹوں کی قسم کیا!
 جگر سب ہو گیا، اے چشمِ نم! کیا؟
 سبھی مارے گئے صیدِ حرم کیا؟

جو کہ ہیں مصحفی شاعر ہیں دے لوگ
 ہماری شاعری کیا اور ہم کیا!

۹۲

ترچے قدم کے پڑتے کل جوں قد اس کا لچکا
 کہیے جو جھوٹ تو ہم ہوتے ہیں کہہ کے رسوا
 اب دیکھو تو قلعی سی اُن کی ادھر گئی ہے
 گھوڑے کی ٹاپ اُس کے جس دم لگی زمیں پر
 پہنچا تلے زمیں کے مردوں کے دل کو دھچکا
 سچ کہیے تو زمانہ، یارو! نہیں ہے سچ کا
 تھا جن عمارتوں پر دلی کی کام گج کا
 زیر زمیں کھجکا گارِ زمیں کا دھچکا
 تازلیست مصحفی کے چھوڑی نہ دل کی جانب
 دیوانہ ہوں میں یارو! زلفوں کی اس کی پیچ کا

۹۳

خطِ گرد ہے چہرے کے ترے نادِ علی سا
 اللہ رے تری شان کہ با ایں ہمہ شوکت
 ہونا بہت آسان ہے شیطان مئے مشہور
 گر مصحفی دل بیچے تو مت چھوڑو اس کو
 منہ لال ہے پانوں سے ترا گل کی کلی سا
 پیدائہ کیا پھر یہ قدرت نے علی سا
 پر ہو تو لے اول کوئی دنیا میں ولی سا
 مجھ کو نظر آتا ہے یہ مصحف بغلی سا

جوں غنچہ میں عقدہ ہوں پر اپنی ہی زباں کا
یاں رنگ کی گردش ہی میں موسم ہے خزاں کا
ہے حکم تری تیغ کے تیں آبِ رواں کا
پایانہ عدم میں بھی نشاں اس کے دہاں کا
نے آہ کی طاقت ہے، نہ زہرہ ہے فغاں کا
پر دل سے ہمارے نہ مٹا نقش بتاں کا
گردیکھے تو رابطہ ہے ماہ و کتاں کا
واللہ کہ کشتہ ہوں میں اس حسنِ بیاں کا
کیا جانیے ہے اپنے تیں قصہ کہاں کا
اندیشہ ہیں کچھ نہیں اب سود و زیاں کا
زنگس میں ہے نقشا مری چشمِ نگراں کا
کیا زنگ چمکتا ہے تری لوکِ سناں کا

اے مصحفی، جاتے ہیں تہی، دیکھیے کیا ہو
کچھ کام ہوا ہم سے نہ یاں کا نہ دہاں کا

برہم زنِ تفسیر نہیں پیر و جواں کا
مت بھول بہارِ رخِ گلِ رنگِ پراتنا
پیدا ہے کہ حلقوم پہ ہم تشنہ لبوں کے
بے نام و نشاں ہو گئے جو نیرہ و لیکن
از بس کہ تعب کھینچے ہے اب دل کو ہمارے
سو تکرے اور دیر ہوئے خاکِ برابر
پیر امنِ شبنم سے بدن کو ترے، اے گل!
تعریف بیاں کرتے ہو تم، حُسن کی اپنے
جوں رگِ رواں رہتے ہیں دن رات سفر میں
رسوائی عشق اپنی بہت دور گئی ہے
کیا جانیے ہے منتظر آنے کی وہ کس کے؟
یہ خون میں کس کشتے کے سر دُوب ہوئی ہے؟

فرہاد نہ کچھ بولا، مجنوں نے نہ دم مارا
اُس جنبشِ مژگاں نے عالم کو ہم مارا
کتنوں کو یونہی اس نے کھا جھوٹی قسم مارا
تیاری کو دیکھ اس کی رستم نے نہ دم مارا
آخر کو فلک تو نے کر جو رستم مارا
کعبے گیا تو واں بھی سو صیدِ حرم مارا

جب کوہِ دیباہاں میں جا ہم نے قدم مارا
تنہا نہ دل اپنا ہی میں زیرِ وزیر دیکھا
باتوں پہ کوئی اُس کی بھوئے سود و انا ہو
وہ توجہ کشتی گیر اُترا جو نہیں میدان میں
اُن کو جو زمیں پر تھے محمود زمانے کے
تھا صیدِ فگن میرا، از بس کہ رستم پیشہ

میں تیرے تغافل کا کشتہ ہوں کہ عاشق کو
معتوق کی آنکھوں نے اس لطف سے کم مارا
اے مصحفی جو میرے اشعار بیاضی تھے
میں صا د کیا ان پر اور سب کو قلم مارا

۹۶

دشنام سو سنیں لبِ خواں سے کیا کیا؟
شکر کشی پر اپنی تو منعم نہ بھولیو
دیر و حرم تک آ تو، کہ معلوم ہو تجھے
جو ہاتھ اُس کے گوشہ داماں سے دور تھا
یہ خوں سنجافِ سرخ سے کچھ کم نہ تھا میاں!
جو قیدی اس کی تیخ سے محروم ہی رہے
گا ہے سلام تو مرا کہہ دے تھا یار سے
گر ہم ذلیل ہو گئے طفلان سے کیا کیا؟
اک مور نے سنا، کہ سلیمان سے کیا کیا؟
الفت نے تیری گبر و سلماں سے کیا کیا
اُس ہاتھ نے ہمارے گریباں سے کیا کیا؟
کیوں دھویا میرے خون کو داماں سے کیا کیا؟
اُن قیدیوں نے چھوٹ کے زناں سے کیا کیا؟
افسوس کیوں بگاڑی میں درباں سے کیا کیا!

اے مصحفی نہ کر ٹھہ کہ جگر میرا چھن گیا
ہم نے کسی کے ناوکِ مژگاں سے کیا کیا

۹۷

گر اور بھی مری تربت پہ یار ٹھہرے گا
نہ بولو کوئی مرے جھگڑے میں میں سمجھ لوں گا
اگر یہ ہے ترے دامن کی حشر و نشر میاں
چلی بھی جا جس غنچہ کی صدا پہ، نسیم!
یہی ہے دل کا دھڑکنا مرے اگر تہِ خاک
نگاہِ لطف سے تیرے ہیں توقع ہے
تمہارے ناوکِ مژگاں کے سامنے خواں!
تو زیرِ خاک نہ یہ بے قرار ٹھہرے گا
مرے اور اس کے جو دار و مدار ٹھہرے گا
زمین پہ خاک ہمارا غبار ٹھہرے گا!
کہیں تو قافلہٗ نوبہار ٹھہرے گا
تو کیا مزار پہ سنگِ مزار ٹھہرے گا!
کبھی تو وعدہٗ بوس و کنار ٹھہرے گا
کہاں ملک یہ دلِ داغدار ٹھہرے گا؟

۹۷

یہی ہے لوٹ ٹوٹانے کے ہاتھ سے پیارے
 تمہارے وعدوں پہ ہم کو تو اب نہیں ٹھہراؤ
 جو سیر کرنی ہے کرے کہ جب خزاں آئی
 خدنگ خوردہ دل آگے سے اس کے جاتا ہے
 شباب آئیو ٹھہرا رکھیں گے ہم اس کو
 اسے نہ دفن کرو، سمجھو تو کوئی، یارو!
 زمیں میں مصحفی بے قرار ٹھہرے گا؟

۹۸

جو رنگ بدلے ملک اس چرخِ آبنوسی کا
 رچھی رہتے ہیں منہدی سے دستِ دپا شہِ روز
 یہ رنگ کیوں ہو مرے اشکِ سدرِ روسی کا
 زبس کہ اس کے تئیں شوق ہے عسروسی کا
 کرے ہے تس پہ ستم رنگِ شالِ طوسی کا
 کہ خامہ ہاتھ میں میرے عصا ہے موسی کا
 نہ پہنچے مصحفی ہم اس کے در ملک کا ہے
 نت اشتیاق رہا آستانہ بوسی کا

۹۹

نہیں زلفوں کی ترے بے سرو پائی کا گلا
 اُس سے جس کے تئیں مانندِ حنا مل ڈالا
 ہے ہمیں اپنے نصیبوں کی رسائی کا گلا
 نہ سنا ہم نے ترے دستِ حنائی کا گلا
 وصال میں بھی مجھے رہتا ہے جدائی کا گلا
 مردِ عاشق کو نہیں برہنہ پائی کا گلا
 مصحفی کیا ہوے ہو جان کے اپنی دشمن
 کرتے پھرتے ہو جو تم ساری خدائی کا گلا

کتنوں کو تو نے شوخ کہاں کش الٹ دیا
خورشید ہو گیا خجل، اپنے عذار سے
واقسمتا! کہ سر پہ مرے آفتاب نے
حسرت یہ ہے کہ ضدے مری، کل زمین پر
جس وقت اپنے تیروں کا ترکش الٹ دیا
پردہ جو تو نے، اے بتِ مہوش! الٹ دیا
ہوتے ہی صبح طشت پر آتش الٹ دیا
ساتی نے شیشہ مے بغیش الٹ دیا

اے مصحفی تو کیوں کہ بچے اس نگاہ سے
جس نے کہ رستموں کو بہا برش الٹ دیا

فسانہ اک طرف شب ہائے حیراں کی درازی کا
نہ مہر و لطف، نے گا ہے نگہ اور نے کبھی ملنا
وہ روزِ عید جب چھب کو بنا مسجد میں آتا ہے
بھری مجلس میں روتی شمع کیوں، میری طرح اس کو
قیامت ماجرا نالوں کی ہے ہنگامہ سازی کا
بیاں کیا کیجیے اللہ تیری بے نیازی کا!
ڈھلا جاتا ہے اس کی ہی طرف دل ہر نمازی کا
جو ہوتا حوصلہ بے طاقتی اور جانگدازی کا
کہ چرچا سخت ہے عالم میں اب بے امتیازی کا
مری آنکھوں میں عالم جلوہ گر ہے شیشہ بازی کا

نہ چھوڑا اے مصحفی تو آستانِ حضرتِ دل کو
سب اس سرکار سے پاتے میں خلعتِ سرفرازی کا

ٹیک دیکھتا تو جا، ترا بسمل کدھر چلا
شرطِ وفا یہی تھی بھلا کوئے یار میں!
کر ذبح اس کو ہائے تو قاتل کدھر چلا؟
تنہا تو مجھ کو چھوڑ کے اے دل کدھر چلا؟
آوارگانِ شوق کا محمل کدھر چلا؟
ہم تجھ سے تب کہیں گے کہ ساحل کدھر چلا؟
مانندِ گردِ باد ہے کچھ رو بہ آسماں
آنکھوں سے بحرِ اشک کو ہونے دے موج زن

دل تک پہنچ کے تو نے کیا سوئے کو برہ
اے مصحفی! تو چھوڑ کے منزل کدھر چلا؟

۱۰۳

کس سے سیکھا ہے میاں تم نے ٹٹک کر چلنا؟
شاحِ گل صدقے ہے اس تیرے قدرِ ناز کے
اس کی رفتار کے بل سمجھے کوئی کیا طاقت؟
فتنہ تازہ زمانے میں ہوا ہے پیدا
آتشِ خفتہ پہ دامن کو جھٹک کر چلنا؟
اُس نے پایا ہے کہاں ایسا لچک کر چلنا!
برق بھی سیکھ گئی جس سے چمک کر چلنا
اس کے آگے سے تو اے فتنہ! دیک کر چلنا
مصحفی چاہے ہے گر حسنِ تجلی دیکھے
اک ذرا اس کی گلی سے تو ٹٹک کر چلنا

۱۰۴

کس رات میں اس فکر سے تا صبح نہ جاگا؟
کیا ڈھونڈے ہے اسبابِ رفرخِ جگر کا؟
رکھ آیا ہے اک ناند کا جیسے کہ کنار
کس شب میں نہ کی فکرِ خوش انداز، سخن میں؟
گر تارِ محبت نہ دوتا ہو کے بٹا جائے
کب شوخِ تصور ترا آگے سے نہ بھاگا؟
یاں سوزِ نعلیسی کو میسر نہیں تا آگا
تم دیکھیو زائد کی ذرا پگڑی کا آگا
کس روز نشانے پہ مرا نیر نہ لاگا؟
ہے ہم گستن اُسے، کچا ہے وہ دھاگا
گہ فارسی کہتا ہوں گے مصحفی ہندی
یعنی کہ مری طبع کا گھوڑا ہے دوباگا

۱۰۵

کل دیکھ کے مجھ کو جو سر رہ سے وہ بھاگا
خوابیدہ رہا خونِ مرا کوئے بتاں میں
میں کوچہ بدل دوڑ کے اس کا لیا آگا
سو فتنے اٹھے خاک سے پر ایک نہ جاگا

کچھ ٹوٹے پھٹے سینے کو ساتھ اپنے سفر میں کیا وہ بھی مسافر جو نہ رکھے سوئی دھاگا
 اک طرفہ بلا تھی شبِ ہجراں کی سیاہی جو دیو سپید اُس کے تنیں دیکھ کے بھاگا
 کل مصحفی نے دیکھا جو وہ جو ہری بچہ
 رکھ ہاتھ میں فیروزہ دل بچنے لاگا

۱۰۶

آکے جب پاس مرے وہ گل تر بیٹھ گیا
 تھا کھڑا بامِ پُشب، مجھ کو جو دیکھا اس نے
 اے مصوّر! تجھ ہم لکھ کے دکھا دیوں گے
 اشک آہنجے بہت جلد بڑی خیر ہوئی
 بزم میں اُس کی جو شب شمع کو روتے دیکھا
 شام اس قاتلِ خونخوار نے جوں جھاڑا ہاتھ
 مصحفی جائے تھا گھر اپنے و لیکن ناگاہ ق
 اک قدم چل نہ سکا کوچے سے ترے وہ غیب
 دونوں ہاتھوں سے پکڑ اپنی کمر بیٹھ گیا

۱۰۷

نا توانی نے کیا اب تو ہمیں بے دست دیا
 جب سے آئے ہیں نظریار وہیں وے دست دیا
 تیرا سلوب بدن یوں دیکھ کر کہتی ہے خلق
 گر نہ تھا چورنگ میں تیغِ جفاے چرخ کا
 حیف ہے تم کو نہیں اپنے تنِ زیبا کی قدر
 رات سے اے مصحفی کچھ خون ہی روتا ہے تو
 سچ تو کہہ کس کے حنائی تو نے دیکھے دست دیا

پس گئے اہل زمین یوں آسماں کے زیرِ پا
چونک اٹھائیں سادہ اُس کو جان کر پائے نگار
دیکھیے اک دم میں یہ سر جادوے یا سالم رہے
شاخِ گل کا جھکنا ہم تجھ کو دکھا دیں گے نسیم!
کیجو تربت، مری دیرِ مغاں کی راہ میں
ہر قدم پر فرش ہوتی آتی ہے دامن کی طرح
کیا مزہ ہو میں پڑا روتا ہوں اور آنکھیں مری
دیکھ کر رنگِ کفک کو اس کے یوں کہتی ہے خلق
لذتِ محلِ کشی میں کچھ نہ سوچھا اس کو ہاے
کیا درازی زلف کی کہیے کہ ہنگامِ حرام
سرگزشتِ اپنی کہوں کیا ہاے اس گلشن کے بیچ!

مورچے آجاویں جوں پیلِ دماں کے زیرِ پا
آگیا تھا سرمہِ اشب، پاسبان کے زیرِ پا
اب تو ہم بیٹھے ہیں تیغِ امتحاں کے زیرِ پا
آگیا دامنِ گراں سرورِ رواں کے زیرِ پا
شاید آجائے کسی مستِ چماں کے زیرِ پا
زلف بھی اس کیفی دامن کشاں کے زیرِ پا
وقتِ شب آجاویں اُس آرامِ جاں کے زیرِ پا
خوں کسی کا آگیا ہے اس جواں کے زیرِ پا
گرچہ تھا صحرا ہی نشترِ سارباں کے زیرِ پا
سانپ سی آجائے ہے اس مویاں کے زیرِ پا
سبزہ بیگانہ ہوں میں رہرواں کے زیرِ پا

اب لگا کانٹوں پہ چلنے مصحفی، ہے کل کی بات
آبلہ بھوٹے نہ تھا اس ناتواں کے زیرِ پا

رو کے ان آنکھوں نے دریا کر دیا
حسن ہے اک فتنہ گراں نے وہیں
تم نے کچھ ساتی کی کل دیکھی ادا؟
بیٹھے بیٹھے پھر گئیں آنکھیں مری
اس نے جب مجھ پر چلائی تیغِ ہاے
ابر کو پانی سے پتلا کر دیا
جس کو چاہا اس کو رسوا کر دیا
مجھ کو سا غرے کا چھلکا کر دیا
مجھ کو ان آنکھوں نے یہ کیا کر دیا
کیوں میں اپنا ہاتھ ادنجا کر دیا

مصحفی کے دیکھو چہرے کا رنگ
عشق نے کیا اس کا نقش کر دیا!

اُس نے جب بندِ قبا واکر دیا
تجھ سے شکوہ ہے مجھے، اے چشمِ ترا
جنشِ پائے تری اے سروِ نازِ
حشر کے دن اک بڑا ہنگامہ تھا
خلق کو محوِ تماشا کر دیا
تو نے رازِ عشق افشا کر دیا
ایک عالم جا سے بجا کر دیا
آتے ہی کچھ اُس نے پرچھا کر دیا
اک ذرا سا غرنہ ٹھہرا کر دیا
مرگ نے عالم سے تنہا کر دیا

مصطفیٰ رنگِ کفک نے یار کے

اک جہاں میں فتنہ برپا کر دیا

جب عارضِ گل رنگ سے خطِ اُس نے نکالا
ناداں ہے جوابِ دل کو کوئی تجھ سے لگاؤ
کیا عاشق و معشوق میں ہوتی ہے لڑائی
روایات کا ہرگز نہیں اس بزم میں مجھ کو
ہو دے نہ کبھی غسلِ شہیدانِ محبت
کرنے کو ترے حسن سے گلشن میں گدائی
تدبیر تو سو کرتے ہیں ہم لیک کسی طرح
ہر حرف میں ہو جس کے کبھی، راست تو یہ ہے
بیابا ہی رہتا ہوں سدا، جوں درِ غلطان
جو میری طرح سیر کرے سو وہی جانے
ہر غنچہ ہے دل بستگی طبع کا مکتوب
اُس چشم کی گردش تو مجھے لے ہی گئی تھی

بلبل نے کہا سلمۃ اللہ تعالا
زلفوں کو دکھا تو نے کسے مار نہ ڈالا
واں خنجرِ مرثکاں ہے تو یاں آہ کا بھالا
جوں آئینہ اک ہیں بھی ہوں منہ دیکھنے والا
جب تک کہ نہ اس کو میں بہے خون کا نالا
ہر پھول لیے ہاتھ میں نکلے ہے پیالا
ہوتا نہیں اس دردِ محبت کا امالا
مانتِ رنگیں ایسے کا مُنہ کیجیے کالا
دیکھا ہے میں جس دن سے ترے کان کا بالا
اس باغ میں اب سو مجھے ہے مضمونِ نرالا
ہر گل ہے پریشانیِ خاطر کا رسالہ
پر مصطفیٰ میں اپنے تئیں زور سنبھالا

ہر اشک ہے مری چشم پر آب میں دریا
 صرف کی طرح گئے رہنے اب دے پانی میں
 گیا ہے شور مرے بھر اشک کا داں تک
 ظہور حق سے نصیب اپنے جز پیش نہ ہوا
 کرے عطش پہ مری گرزگاہ، ساقی بزم
 نقاب رخ سے جو کھولے تو خلق جاوے دُوب
 حباب و موج کا کیا حادثہ بیاں کیجے؟
 ڈرا کرو مرے طوفان اشک سے، یارو!
 نظر بہ اصل جو کیجے تو موج ہے نہ حباب
 زمانہ جذبِ رطوبت نہ کر گیا ایسے
 اک اشک پر نہ تصرف رہا ان آنکھوں کا

تو جا کے بحر پر اے مصحفی نہ رویا کر

کہ تیرے رونے سے ہے اک غلاب میں دریا

گزر ہو کیونکہ وہاں صبح و شام عاشق کا
 کچھ آج ہی نہیں عاشق کُشی ہوئی ایجاد
 جد نہیں کسی حالت میں عشق سے عاشق
 نہ روزِ بد سے گلہ کیجیے کہ دنیا میں
 کریں ہیں آن کے نت اُس کو نیک بد مجرا
 صبا نے بھی نہ کہا اُس سے ڈر کے بارے کچھ

ہے مدّعی وہ محلّہ تمام عاشق کا
 زمانہ تشنّہ خوں ہے مدام عاشق کا
 کہ ساتھ عشق کے ہے الزام عاشق کا
 ہمیشہ کوئے بلا ہے مقام عاشق کا
 نہیں قبول سو کیا، اک سلام عاشق کا
 گیا بباد ہی آخرِ پیام عاشق کا

ستم گری کا جنھیں مصحفی سلیقہ ہے

وہ اک نگاہ میں کرتے ہیں کام عاشق کا

زباں ہلائے سے نکلے ہے کام عاشق کا
یہی وظیفہ ہے اب صبح و شام عاشق کا
سفالِ سگ سے بھی بدتر ہے جا عاشق کا
رہا کہاں سے بھلا ننگ و نام عاشق کا
تو ایک ایک سے کہیو سلام عاشق کا
کہ بال بال میں یاں ہے مقام عاشق کا
رقیب ہے وہ بت خوش خرام عاشق کا
کہ اس سے نکلے ہے نقشا تمام عاشق کا
ملے ہے تلواروں تلے دل مدام عاشق کا

ہمیشہ مصحفی اس کا ہی ذکر کرتا ہے
ہے اب تلک وہی سوداے خام عاشق کا

حیف صد حیف کہ یہ شیشہ مکرر ٹوٹا
کشتی طوفانی ہوئی بہ گئی لنگر ٹوٹا
یا ہوا بیچ کوئی بالِ کبوتر ٹوٹا
بیچ مجلس کے کشاکش ہی میں ساغر ٹوٹا
اس طرح تو کبھی تارا نہ فلک پر ٹوٹا
کیا کہوں میں، کہ بڑے زور سے کافر ٹوٹا
نہ سنا میں نے کہ دشمن کا مرے سر ٹوٹا

وہی مجروح تو سمجھے گا الم کو میرے
مصحفی زخم میں جس کے دمِ خنجر ٹوٹا

کبھی تو منہس کے لیا کر تو نام عاشق کا
جر آہ و نالہ نہیں یاد، آہ کچھ دل کو
غور و ناز ترا جس جگہ کہ ساتی ہو
جب اس نے مکھڑے سے اپنے اٹھا دیا پردہ
صبا جو اس کی گلی کی طرف تو جا نکلے
سمجھ کے زلف کو ٹک اپنی کیجیو شانہ
ہمیشہ چال پر اپنی پڑے ہے اس کی نگاہ
غدا ہی جانے یہ آئینہ کس کا حیراں ہے
تری خرام، تری چال اور تری رفتار

تیرے ہاتھوں سے میاں دل مرا بن کر ٹوٹا
حال کیا پوچھتے ہو ہم سے تباہی زدوں کا
کھل پڑا نامہ مرا اس کے پروں سے یارب
حیف صد حیف کہ اک پیاسے نے لب تر نہ کیے
جس طرح آہِ شرر بار مری گزرے ہے
وہ جو خود مینی کا ساغر تھا مرے ہاتھوں میں
آسماں دیتا رہا مجھ کو ہی ہر روز شکست

آج کیا جانے مری کون نظر سے گزرا
 پیچ و تاب کمر و زلف سے گھبرا کے وہ شوخ
 شمع اس چہرہ پر نور سے کیا روکش ہو
 سینہ سوراخ تو ہے لیک یہ معلوم نہیں
 مندرگنیں آنکھیں مری راہ ہی تکتے تکتے
 ہم تو دیوانے ہیں اس شخص کے جس نے شب بھر
 ہم بھی اے ابر بہاری تجھے دکھلا دیں گے

مصطفیٰ شمع کی مانند میں اس بزم میں رات
 یاں تلک رو دیا کہ دریا مرے سر سے گزرا

اس راہ سے جو ہو کر کل تو ذرا نہ گزرا
 کشتوں کے تیرے جس جا کچھ استخوان پڑے تھے
 شب کوئی وہ میں نے باتوں میں سب نہ کاٹی؟
 قاصد کا منہ تو دیکھو رکھے وہاں قدم کو

اے مصطفیٰ وہ شب تو تنہا ملا تھا تجھ سے
 کم نخت تو ہی چوکا جو جی چلا نہ گزرا

کیا دخل ہے جا کر ہیں اُس کو میں بھٹکنا
 تم جتنا چھڑاؤ میں نہ چھڑوں گا، مری جاں!
 رو نادہی راتوں کو ڈہی سر کو پٹکنا
 اہتوں سے مرے فائدہ دا من کو بھٹکنا؛
 یہ کس نے سکھایا ہے تجھے اتنا مٹکنا؛

ہیں ایک توافقت ترے رخسارِ دل آدین
 جب دیکھوں ہوں گلبن کو تو آتا ہے مجھے یاد
 پھر تس پہ قیامت ہے یہ زلفوں کا لٹکنا
 ہر شاخِ دل آدین سے بلبل کا لٹکنا
 وقتیکہ پتا یار کا ملتا نہیں، اے دل!
 پھر فائدہ کیا رکھتا ہے گلیوں میں بھٹکنا؟
 اے مصحفی! کر شکر کہ توجہ سے بچا ہے
 دیوانے کہیں ایسی جگہ پھر نہ اٹکنا

۱۱۹

کی آہ ہم نے لیکن اس نے ادھر نہ دیکھا
 کیا کیا بہاریں آئیں! کیا کیا درخت پھوٹے!
 اس آہ میں تو ہم نے کچھ بھی اثر نہ دیکھا
 نخلِ دعا کو لیکن میں بارور نہ دیکھا
 زریں پیشِ در نہ ہم نے کیا کیا کر نہ دیکھا
 اُس کو چھ میں کسی کا آباد گھر نہ دیکھا
 آگے قدم کے رکھتے پھر نامہ برد نہ دیکھا
 پراس نے ضد کے مارے بھر کر نظر نہ دیکھا
 رونا تر کسی نے، اے چشمِ تر! نہ دیکھا
 کل یار کی گلی میں ڈھونڈا جو مصحفی کو
 اک لاش تو پڑی تھی پر اس کا سر نہ دیکھا

۱۲۰

اب اوروں سے کی گرم صحبت بھلا
 کبھی یار بھی ہم سے سمجھیں گے خوب
 بھلا بے وفا، بے مروت بھلا!
 کرو جتنی چاہو عداوت بھلا
 کہاں ہم میں وہ تاب و طاقت بھلا
 کہو گے سو کیجے گا حضرت بھلا؟
 کوئی کھینچے کب تک اذیت بھلا؟
 اب اس زلیست سے مری جاننا ہے خوب

کہوں میں تو سو بات، پر اب مجھے کہاں بات کہنے کی فرصت بھلا
 ترے غم سے ہے نزع میں مصحفی
 ملک اک دیکھ جا اس کی صورت بھلا!

۱۲۱

دیر تک اپنے شہیدوں پہ نظر کرنا تھا!
 گریب جام کے شالیستہ نہ تھا، اے قاتل!
 کیوں خبریار کے آنے کی میں کی یاروں کو
 بچ رہا شب مرے قابو سے وہ، میں ہی چوکا
 لے گیا دل کو مرے، یار نہر سے جس وقت
 جوں صبا ہر طرف آوارہ پڑا پھرتا ہوں
 سرسری تم کو نہ مقتل سے گزر کرنا تھا
 لبِ خنجر تو مرے خون سے تر کرنا تھا
 کیا کیا ہاے! کسی کو نہ خبر کرنا تھا
 دونوں ہاتھوں کو مجھے طوقِ کمر کرنا تھا
 ہاے کچھ مجھ کو بھی اُس وقت نہر کرنا تھا
 میری قسمت میں مگر خاک بہ سر کرنا تھا
 تیغ قاتل کو میں کیوں ہاتھ پہ روکا؟ افسوس!
 مصحفی میرے تئیں سینہ سپر کرنا تھا

۱۲۲

اک برق کا سا جھمکا اُس مہ لقا سے دیکھا
 کا ہے کو اس قدر تھے سفاک ہاتھ سادے،
 یوں تو رہا ہمیشہ وہ میرے رو برو ہی
 یاد آگیا کہ مرہم یا سوزیا کہ ماتم
 یہ جانتے نہیں ہم، اس میں بدن ہے کیا ہے؟
 کب ہم سے راستی پر آیا یہ چرخِ کج رو؟
 ہم گبرو ہم مسلمان، ہم جمع، ہم پریشاں
 تاروں کی آنکھیں اس سے کیونکر لڑیں الہی!
 میں کیا کہوں کہ اُس کو کل کس ادا سے دیکھا
 عالم کا خون ہوتا رنگِ حنا سے دیکھا
 پر رڈے دل نہ ہرگز اس بیوفا سے دیکھا
 جو کچھ کہ ہم نے دیکھا اُس مہ لقا سے دیکھا
 شعلہ سا اک جھمکتا زیرِ قبا سے دیکھا
 ہم نے تو نت ستم ہی اس فتنہ زار سے دیکھا
 اک سلسلہ بندھا اس زلفِ دوتا سے دیکھا
 سوے فلک نہ ہرگز جس نے حیا سے دیکھا

اے مصحفی ہمیں تو کچھ درد ہی میں ہے چین
یعنی ضرر ہی ہم نے اکثر دوا سے دیکھا

۱۲۳

کل اُس کو باتیں کرتے اک آشنا سے دیکھا
غرفے سے کل میں اپنی آنکھیں ملا دیاں تھیں
فردوس میں بھی شاید اپنے نصیب ہووے
صحبت رہی یہ اس سے اپنی، کہ مل گئے جب
پاکیزگی کا عالم اُس کی میں کیا بتاؤں
غیرت پہ باغباں کی پتھر پڑیں کہ ہم نے

اے مصحفی بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے، دیکھا!

۱۲۴

Pratap College
BILNAGAR

یا تو بے طرح پھر اس شوخ پسر کا نکلا
کر گئی سنتے ہی جان اپنی تو دنیا سے سفر
گرچہ محتاج تو غارِ زے کا نہ تھا، پر جو بلا
خارِ خار اپنے تیئیں عشق کا ہے ویسا ہی
دید بازی سے مری کچھ اسے نقصاں نہ ہوا
نیشکر اُس لب شیریں سے ہو کیونکر روش
گرچہ بلارہی چکوں سے رہی نت بندھتی
آتشِ غم میں دل و جان و جگر سب ہی جلا
لال و دُوروں کو تری آنکھوں کے دکھلا دیں گے

شام گھر آنے لگا اب وہ سحر کا نکلا
منہ سے اس بت کے جو نہیں نا سفر کا نکلا
اور ہی جن کچھ اُس رشکِ قمر کا نکلا
مر گئے تو بھی تو کا نشانہ حبِ گر کا نکلا
دن بدن اور ہی رنگ اُس گلِ تر کا نکلا
جس کے آگے نہ کبھی زرخِ شکر کا نکلا
تو بھی زہنہار نہ بل اُس کی کمر کا نکلا
کچھ بھی اسبابِ غرض ہم سے نہ گھر کا نکلا
اب کے ناخن میں اگر تارِ جگر کا نکلا

مصطفیٰ شام گھر آیا تو اجنبھا کیا ہے
اب بھی کیا آ، نہ پھرے آٹھ پہر کا نکلا

۱۲۵

عاشق ہوں مجھ کو ڈر نہیں روزِ وفات کا
اللہ رے تیرے سلسلہ زلف کی کشش
بوسہ جو میں نے مانگا تو کہنے لگا کہ دوا
یک لخت دل ہماری بھی جانب سے اے صبا
نا محرموں کے آگے نہ آیا کرو، میاں!
اور بیش دکم جو ہے بھی تو ہجران کی رات کا
جاتا ہے جی ادھر ہی کھنچا کائنات کا
جاد جی آشنا نہیں میں ایسی بات کا
آخر تو لے چلی ہے تو خط پات پات کا
پاجامہ اس پھین سے پہن محرمات کا
سو رخنے ہوئے پردہ ناموس مصطفیٰ
جب مجھ کو یاد آئے ہے چاک اس قنات کا

۱۲۶

مجھ کو زلفوں سے تری پیار دہی ہے جو تھا
دن بدن رنگ کو میں اپنے ہی پاتا ہوں تغیر
تنگ چشمی سے تری کیونکہ نہ فریاد کروں؟
آج کیا بھول گئے مجھ کو؟ ادھر تو دیکھو!
اور تو پنیے بھی کچھ کھا کے غذائیں کم و بیش
ہاں کسی اور کو رو اس نے دیا ہو دے گا
اس میں تو کچھ بھی ترے ہجر میں باقی نہ رہا
اب تو کچھ پھیکا سا مجھ کو یہ نظر آتا ہے
مصطفیٰ دیکھ تو تو یار دہی ہے جو تھا؟

صورت کو تیری دیکھ کے مانی رو دیا
ہرگز رہے نہ ہم تو کسی کام کے دریغ
کیا دشمنی تھی مجھ سے؟ کہ یوں روزگار نے
اس اشکِ غول سے مجھ کو یہی بحث ہے کہ ہاے!
اودھر گیا تو غسل کو حمام کی طرف
لگنے کی کچھ خبر نہیں پر دشت دشت میں
یاں تک کہ خوں میں اپنا مرقع ڈلو دیا
سب کام سے ہمیں تری الفت نے کھو دیا
میرے ہی نام کو تری خاطر سے دھو دیا
سلکِ گہر میں نعل کو لے کیوں پرودیا؟
یاں اشکِ گرم نے مرے دریا سمو دیا
میں دانہ ہاے اشکِ اک کھیت بو دیا
گالی تلک بھی اُس سے نہ منہ پھیر مصحفی
ہے مفت وہ کریم نے سائل کو جو دیا

معالج ہو سکے اب کیا کوئی غمخوار، رونے کا؛
میں آنسو پونچھتا ہوں اس کی مجلس میں بہت اپنے
نصیرت کام کیا آتی ہے مردم کی؟ خدا حافظ!
مجھے روتا سنا لیکن نہ اتنا بھی کہا اس نے
خدا جانے! کہ رشتہ بند ہے کس موجِ دریا سے؟
سرشک آنکھوں سے ہیں بہتے، پہ تو بھی ان کے ساتھ اڑے!
کہ ان آنکھوں کو اک مدت سے ہے آزار رونے کا
وے چھپتا ہے کوئی دیدہ و رخسار رونے کا؛
مزہ تم کو پڑا اے دیدہ و رخسار رونے کا
کہ ہے یہ شور سا کیسا پس دیوار رونے کا؛
جواں آنکھوں میں اب تک ہندو ہا ہے تار رونے کا
چلا چاہے تو چل، ہے قافلہ تیار رونے کا
ہنسی آتی ہے تیری بات پر اے مصحفی مجھ کو
نہ کر تو ذکر میرے رو برو ہر بار رونے کا

ازل کے روز سے سررشتہ گم تھا، زار رونے کا
خدا جانے یہ آنسو کیوں بہے جاتے ہیں آنکھوں سے
ان آنکھوں ہی نے آخر کو نکالا تار رونے کا
نہیں معلوم ہوتا کچھ ہیں اسرار رونے کا

مرے نلے کو سن کر کوئی صاحب دل ہی رووے گا
 میں سو سو بار دن میں، ہم لٹتیں! کاسے کو بھر روؤں؟
 بھلا اے دوستانِ منہ بند کروہ کس طرح رووے؟
 گہے اشک اور گاہے خونِ دل آنکھوں سے ٹپکے ہے
 بنایا سنگدل جس کو، نہیں زہن ہار روئے کا
 نکل جاوے بخار اس دل سے گراک بار روئے کا
 طفولیت سے خوگر ہو جو دارِ ٹھیں مار روئے کا
 نہایت گرم ہے کچھ ان دنوں بازار روئے کا
 کسی دن مصحفی گزرے ہے جو کچھ تجھ پہ کہہ اُس سے
 بھلا کیا فائدہ پیش درو دیوار روئے کا؟

۱۳۰

ترے کو، سے مر کر یہ بے جان نکلا
 میں اس آن کے کیوں نہ ہو جاؤں صدقے
 بھلا تیرے جی کا تو ارمان نکلا
 کہ تک یاد کرتے ہی تو، آن نکلا
 وہ زائد لپس جب بھوس تان نکلا
 جو گل چاک کر کے گریبان نکلا
 نہ مسجد سے کوئی مسلمان نکلا
 بڑی خیر گزری وہ دربان نکلا
 دل خوں چکاں تھا جو پیکان نکلا
 ترے کو، سے ہو کر پریشان نکلا
 جو دیکھا تو آنکھوں سے طوفان نکلا
 جہاں شیخ جی روز کرتے تھے سجدہ
 وہاں شیخ سدر کا اک تھان نکلا

ہوئے مصحفی خون کتنوں کے دم میں
 وہ جب اپنے گھر سے چپا پان نکلا

۱۳۱

اس دل میں تیرے ملنے کا ارمان رہ گیا
 یہ دل تڑپ تڑپ کے مری جان رہ گیا

سینے میں جس کے ٹوٹ کے پیکان رہ گیا
گردن پہ میری اس کا یہ احسان رہ گیا
اے جان من! تو اب تلک انجان رہ گیا
پیارے جو ایک شب ترے مہمان رہ گیا
ہم سا ہوا جو بے سرد سامان رہ گیا
نے جامِ جم نہ تختِ سلیمان رہ گیا
صورت کو تیری دیکھ کے حیران رہ گیا
ثابت جو کوئی تارِ گریبان رہ گیا

دنیا سے ہم چلے گئے ناچار مصحفی
اک یادگار اپنا یہ دیوان رہ گیا

۱۳۲

سمجھے وہ مرغِ خستہ مرے اضطراب کو
تھانزع میں کہ ذبح کیا مجھ کو یار نے
دیکھا ہزار بار تجھے ہم نے ہر کہیں
پھر بھی ہمیشہ اس کو وہی آرزو رہی
مل قافلے میں صاحبِ حشمت چلے گئے
آیا جو اس جہاں میں سو برباد ہی گیا
نازال تھا اپنے حسن و صفائی پہ آکنہ
آیا بکارِ بخنیہ زخم، اپنے ہاتھ سے

کچھ وہ بھی مجھ کو دیکھ کے حیران رہ گیا
چل چل کے نت میں بے سرد سامان رہ گیا
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا
ہر ایک غنچہ سر بگریمان رہ گیا

مارے خوشی کے کو دپڑا میں تو مصحفی
شب پاس میرے اس کا جو دوالمیان رہ گیا

۱۳۳

کل میں جو راہ میں اے پہچان رہ گیا
شہرِ عدم کو قافلے لاکھوں گئے، دے
شوخی تو دیکھ نیر کو سینے سے کھینچ کر
دیکھ اس کی تنگ پوشی کو، خجالت سے باغ میں

خوں میں نہ بھرے کیونکر پھر اس کا کفن سارا
چڑھ آیا ہے عاشق پر گویا کہ دکن سارا
جس زلف کے حلقوں میں بتا ہے ختن سارا

جس کشتے کا زخموں میں ہو چوڑ بدن سارا
یوں اس کی صفِ شرکاں بھالے ہی دکھاتی ہیں
زلفِ ہمہ مشک اس کی خوشبوئی میں کیا کم ہے

گر شمع کے رونے میں ہے ایسی ہی رنگینی
 اس گل کا پتا واں بھی ہرگز نہ ملا مجھ کو
 بھر جائے گالو ہوسے تا صبح لگن سارا
 جوں بادِ صبا ڈھونڈا ہر چند چین سارا
 اے مصحفی! تو واں سے کیوں روٹھ کے اٹھ آیا؟
 دیوانے تری خاطر کڑھتا ہے وطن سارا

۱۳۴

آپھی دمِ شمشیر ہے یاں ہم پہ دم اپنا
 درگزرے ہم ان باتوں سے، یہ ہم پہ غضب ہے
 چوکیں نہ زباں آوری سے، پیچھے زباں کے
 شوریدگی ہوتی ہے فزوں جلوے کے مقدار
 اس شکل سے کبھے کو نہ جا در نہ مری جاں
 جو حرف کہ گرتا ہے جواہر کی رقم ہے
 سرکاٹ کے یوں چاہے کوئی پھینک دے لیکن
 جو ہے سو گرفتار ہے یاں تازہ الم میں
 نے جینے کی شادی ہے، نہ کچھ مرنے کا غم ہے
 کس واسطے کرتا ہے تو تیغا علم اپنا
 پاس اپنے ہی تم رہنے دو لطف و کرم اپنا
 کٹ جاوے اگر سر بھی بہ رنگ قلم اپنا
 رخ اب سے دکھایا کرو تم ہم کو کم اپنا
 سر پیٹ نکل جاویں گے اہل حرم اپنا
 ہم نام رکھیں کیوں نہ جواہر رقم اپنا
 اس کو سے نہیں بڑھنے کا آگے قدم اپنا
 لے جاویں سو کس پاس، کہو تم، الم اپنا
 عاشق کو برابر ہے وجود و عدم اپنا

اے مصحفی مدت سے غمِ عشقِ بتاں میں
 مشغول ہیں اتنے کہ نہیں ہم کو غم اپنا

۱۳۵

شمع پر پروانہ شب، جس وقت جل کر رہ گیا
 کیا کہوں برگشتگی اپنے نصیبوں کی میں ہاے
 آتش سوزاں پی میں نے رکھ دیا تھا دل کو رات
 کھینچ کر تلوار جوں میرے وہ آیا سامنے
 دیکھ کر اس کو میں اپنے ہاتھ مل کر رہ گیا
 کل کٹا اس کی کمر سے کچھ اگل کر رہ گیا
 جوں سپند آخر کو وہ کوہِ اورا چل کر رہ گیا
 میں ستم نا دیدہ اس ساعت ہل کر رہ گیا

دورے بوے کی خاطر جوں ہی میرے لبے، دیکھ کر میری طرف تیوری بدل کر رہ گیا
 میں یہ جانا تھا ہے گا موجِ آبِ اشک ہو دل مرے سینے میں ہی ہے بے گھل کر رہ گیا!
 کاش میں اس کو نظر آیا نہ ہوتا مصحفی
 گھر سے باہر آج وہ کا فر نکل کر رہ گیا

۱۳۶

وایں زخمی کہ سنبھلا اور سنبھل کر رہ گیا مرغِ بسمل کی طرح دو گام چل کر رہ گیا
 کل اسے میں نے چلا تھا سیرِ گلشن کی طرف کچھ سمجھ کر ساتھ سے میرے وہ ٹل کر رہ گیا
 میں نے چاہا تھا لے آؤں اُس کو ساتھ اپنے وہ شخ گھر کے دروازے ہی پر آخر چل کر رہ گیا
 عشق کا شعلہ گیا جو دل کے دامن کو لپٹ محو آتش ہو کے وہ ناچار چل کر رہ گیا
 جس جگہ ڈوبا تھا کل دریا کے اندر مصحفی
 اس جگہ کہتے ہیں پانی سا اچھل کر رہ گیا

۱۳۷

قدم اس دھج سے کچھ پڑتا ہے اُس فارتِ گرجاں کا قدم اس دھج سے کچھ پڑتا ہے اُس فارتِ گرجاں کا
 اس آبِ اشک میں یوں نختِ دل بہتے نظر آئے اس آبِ اشک میں یوں نختِ دل بہتے نظر آئے
 وہ تیرے آستانے پر قدم اپنا رکھے، ہے ہے! وہ تیرے آستانے پر قدم اپنا رکھے، ہے ہے!
 اگر اب کے بہار آئی تو ہم ان جامہ زیبوں کو اگر اب کے بہار آئی تو ہم ان جامہ زیبوں کو
 نوائے بلبانِ قدس کا میں سننے والا ہوں نوائے بلبانِ قدس کا میں سننے والا ہوں
 اگر کچھ زلف کا مذکور اس کے درمیان آیا اگر کچھ زلف کا مذکور اس کے درمیان آیا
 نہ ہم مرہم سے واقف اور نہ ہم پھاہے کو کچھ سمجھیں نہ ہم مرہم سے واقف اور نہ ہم پھاہے کو کچھ سمجھیں
 اگر اندازِ رونے کا یہی ہے، جیسے فوارہ اگر اندازِ رونے کا یہی ہے، جیسے فوارہ
 مرا دریاے اشک اس زور سے بہتا ہے ان روزوں مرا دریاے اشک اس زور سے بہتا ہے ان روزوں

جو یہ دنیا داری ہے تو اک دن سر پہ مردم کے
کیا زندانیوں کو حکیم قتل اس واسطے اُس نے
جنہوں کی چشمِ دل روشن ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں
جسے منظور ہو اس لبِ کلبوسہ کیوں ذقن چومے

غزل اک اس زمیں میں اور بھی اے مصحفی کہہ جا
کہ ہے شور آسماں پر تیری طبعِ برقِ جولاں کا

۱۳۸

خدا جانے یہ دل کشتہ ہے کس اندازِ داماں کا
کوئی یاں مجھ سے پوچھے حضرتِ مجنوں کی تربت کو
شبِ مہتاب میں کیا کیا سمیں ہم کو دکھاتا ہے
کٹاری مار کے میں اپنے مرجاؤں گا، کیا حاصل؟
شفق میں جس طرح جھمکیں ستارے، جلوہ دیتا ہے
کہے ہے تو جو بھائی عشق! مجھ کو رہ بیا باں میں،
ہمارے دل پہ یار اب تیرے پیکاں لگاتا ہے
بہار آئی، خدا جانے کہ کیا گزری اسیروں پر
بھلا اے چشمِ گریاں! تجھ سے ہم یہ چشم رکھتے تھے،
تھی ہم تم پہ گل کھائے پھریں تھے، اومیاں لڑکے!
کیا ہے تیغِ بے جوہر کو جو ہر دارِ قاتل نے
بگولے سے ہماری خاک کے ہوتا ہے یہ رد کش
گلے سے لگ گیا میں دور کر اس سر و مال کے
تبسم سا کرے ہے کچھ لبِ زخمِ جگر میرا
تجھے اے مصحفی کب ہے خبر دردِ محبت کی؟

بلا لادے گا پیارے سرمہ تیری چشمِ فشاں کا
کہ راتوں کو اُسے ناخوش رکھے تھا شورِ زنداں کا
کہ ہر ذرے میں جلوہ ہے اسی خورشیدِ تاباں کا
کنویں پر بھی کہیں جاتا ہے پیا سا آبِ حیاں کا
غزل اک اس زمیں میں اور بھی اے مصحفی کہہ جا
کہ ہے شور آسماں پر تیری طبعِ برقِ جولاں کا

کہ ہے چاکِ کفن کی شکل چاک اس کے گریباں کا
کہ میں آوارہ اک مدت سے زائر ہوں بیا باں کا
بکھڑا چاند سے مکھڑے پہ اُس زلفِ پریشاں کا
نہ لینا نام میرے روبرو تم اس کی مڑگاں کا
جو سُرخِ لبوں کی دیکھیے عکس اس کے دندان کا
بیا باں میں لگے ہے دل بھلا کس خانہ ویراں کا،
کہ پردِ شوار ہوتا ہے نکلنا دل سے پیکاں کا
نہیں معلوم کچھ اب کے برس احوالِ زنداں کا
ہمارے زخم پر کیوں تو نے منہ کھولا نمکدراں کا
سبق تم جن دنوں مکتب میں پڑھتے تھے گلستاں کا
خیمِ ابرو پہ یہ عالم نظر آتا ہے افشاں کا
مگر کچھ سر بھرا ہے ان دنوں گردِ گرداں کا
کہ اک انداز تھا اس میں مرے سر و خرا ماں کا
مگر پھر آج اُس کا کوئی ڈھیلہ ہو گیا طائفاں کا
نہ لے تو میرے آگے ناک، اے بے درد! دریاں کا

ان آہوں سے حجاب اس آسماں کا اٹھ نہیں سکتا
 ہواہوں ناتواں اتنا میں غم میں اس کی ابرو کے
 ہم اس گلشن سے اک دن آشیاں اپنا اٹھا دیں گے
 عجب یہ ہے کہ بعد از مرگ میرے، میرے یاروں کے
 وہاں مارے گئے ہیں ہم، کسی کی تیغ ابرو سے
 جسے لغزش ہو میخانے کے در پر پھر وہ کیا سنبھلے
 یہ کس کی تیغ سے سیراب ہو کر ایسے سوئے ہیں؟
 نہ باندھ اب آشیاں اپنا تو شاخ گل پر، اے بلبل!
 حکایت زلف کی تیری، عجب پر پیچ لکھی ہے
 غرور اور ناز تم جو کچھ کرو ہم کو قبول، اے جاں!
 نہ اسباب تعلق سے دل اپنا باندھ، کہتے ہیں
 ہواہوں ناتواں اتنا کہ میرا نام اگر لکھیں

غضب یہ ہے کہ پردہ درمیاں کا اٹھ نہیں سکتا
 کہ میرے ہاتھ سے قبضہ کہاں کا اٹھ نہیں سکتا
 کہ اب ہم سے دماغ اس باغباں کا اٹھ نہیں سکتا
 جنازہ مجھ سے مشت استخوان کا اٹھ نہیں سکتا
 برزخ حشر بھی، مارا جہاں کا اٹھ نہیں سکتا
 کہ کہتے ہیں گر اس آستاں کا اٹھ نہیں سکتا
 جو سربالیں سے ان آسودگاں کا اٹھ نہیں سکتا
 کہ اس سے بوجھ تیرے آشیاں کا اٹھ نہیں سکتا
 کسی سے ایک حرف اس داستاں کا اٹھ نہیں سکتا
 یہ نکتہ اور تمہارے پاسباں کا اٹھ نہیں سکتا
 کہ اٹھتے وقت اسباب اس جہاں کا اٹھ نہیں سکتا
 تو پھر صفحے سے نام اس ناتواں کا اٹھ نہیں سکتا

مزاج اپنا زلیں نازک بڑا ہے مہکتی ہم سے
 غرور اور ناز اس رعنا جواں کا اٹھ نہیں سکتا

یہ خیال اک دن اسی صورت، فزوں ہو جائے گا
 اس قدر بھی کوچہ گردی مت کر، اے دل! باز آ
 خدمت پر مغاں سے منہ نہ موڑ، اک جام میں
 ان حنائی ہاتھوں کو پردے میں رکھ بہر خدا
 تابش خورشید میں تو گھر سے باہر مت نکل
 گرد باد آہ آیا اگر کبھی چکر کے زنج

رفتہ رفتہ، مجھ کو سوچے ہے جنوں ہو جائے گا
 دیکھ، میں کہتا ہوں تو رسوا کہوں ہو جائے گا
 صاف جوں آئینہ بیرون و دروں ہو جائے گا
 مفت میں ظالم، کسی کا در نہ خوں ہو جائے گا
 پھول سارہ خسارہ تیرا لالہ کون ہو جائے گا
 خیمہ افلاک دیکھو گے نگوں ہو جائے گا

کب لقیں تھا ہم کو اے پیارے کہ منگامِ قتاب لب کا بلنا بھی ترے ہم پر فسون ہو جائے گا
گو کہ اب پاتے نہیں ہم اُس کا کو چہ مصحفی
شوق اگر یہ ہے تو اک دن رہنمویں ہو جائے گا

۱۴۱

ساقی شراب لایا، مطرب رباب لایا
دل درد و غم کی اُس کے آخر نہ تاب لایا
کیا دُور ہے جو پردہ رخ سے ترے اٹھا دے
کہ تانہ تھا میں اے دل امت جاتو اُس گلی میں
میں سر کو اپنے رکھ کر زانو پہ خوب رویا
نامے کے میرے پرزے لاڈلے میرے آگے
اے عاشقو! مبارک ہو تم کو عیدِ قرباں
دور فلک سے ہرگز شاکی نہیں میں اب تک
آئینہ کیا کہ ہم نے پتھر پہ گر نظر کی

اے مصحفی تو اب منہ کیا دیکھتا ہے پی بھی

ہو یا رآپ ساقی جامِ شراب لایا

۱۴۲

جی رات لبوں پہ آ رہا تھا
بارے ترے عہد میں وہ نکلا
کیا جانے کہ دل کا کیا ہوا حال؟
تھے جن دلوں ہم کسی کے عاشق
کیا وقت تھا وہ بھی جب کہ ہم تم
مرنے میں ہمارے کیا رہا تھا
خورشید بہت چھپا رہا تھا
کوچے میں ترے وہ جا رہا تھا
سودا ہمیں سالہا رہا تھا
مے پیتے تھے ابر چھپا رہا تھا

واں چند کا آشیانہ ہے اب
 میں نے شبِ وصل اُسے نہ چھوڑا
 اک عمر جہاں رہا تھا
 آنکھوں نے تری بہت چھکایا
 ہر چند کہ وہ کھنچا رہا تھا
 میں سینے سے دل نکال ڈالا
 اک عمر میں پارسا رہا تھا
 مارا گیا دل گلی میں تیری
 یہ مجھ کو بہت ستا رہا تھا
 اپنا یہی آشنا رہا تھا
 میں تاب نہ لاسکا، وہ مجھ سے
 آنکھیں تو بہت ملا رہا تھا
 شاید کہ شبِ گزشتہ اس کا ق
 میں صبح جو مصحفی کو دیکھا
 رہا تھا
 آنکھوں سے ندی بہا رہا تھا

۱۴۳

آساں نہیں ہے تنہا در اس کا باز کرنا
 گرم مشیر ہوتے اللہ کے تو کہتے
 لازم ہے پاساں سے اب ہم کو ساز کرنا
 اس کا سلام مجھ سے اب کیا ہے، گردشِ رؤ
 یعنی، وصال کی شب یارب دراز کرنا
 از بس کہ خون دل کا، کھاتا ہے جوشِ ہر دم
 طفلی میں میں سکھایا جس کو نماز کرنا
 بالیک نیاز اس سے کیونکر کوئی بر آوے
 مشکل ہوا ہے ہم کو اخفاے راز کرنا
 کرتے ہیں چوٹ آخر یہ آہوانِ بدست
 آتا ہو سو طرح سے جس کو کہ ناز کرنا
 لے آہ! اس کے دل میں تاثیر ہو تو جانوں
 آنکھوں سے اس کی، لے دل بکلا حراز کرنا
 ہووے گی صبح روشن اک دم میں وصل کی شب
 جے در نہ کام کتنا پتھر گداز کرنا
 بندِ قبا کو اپنے، ظالمانہ باز کرنا
 اے مصحفی ہیں دو چیز اب یادگارِ دوراں
 اس سے تو ناز کرنا، مجھ سے نیاز کرنا

۱۴۴

یہ چیرہ بدار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
 بانگوں میں طرحدار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

دل لے کے مرا کر گیا انکار بدیہی
بن دیکھے ترے، رہنے لگیں خون میں ڈوبی
مت پوچھ حقیقت شبِ ہجراں میں یہ اپنی
پامال حسد جس نے کیا برگِ گل تر
زخموں سے تری تیغ کے میں، اے مرے قاتل!
جادے تو صبا کہو "جدائی میں تمھاری
اک جنبشِ مژگاں میں تری، ہم نے مری جاں!

اس طرح کا عیار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
آنکھوں نے یہ آزار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
جو ہم نے کبھی یار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
اس رنگ کا رخسار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
ہر عضو کو گلزار نہ دیکھا تھا سو دیکھا
مرغانِ گرفتار! نہ دیکھا تھا سو دیکھا
جو حادثہ زہنہار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

شبِ مصحفی مارا گیا جا بزمِ بتاں میں
خوں ریزوں کا دربار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

۱۴۵

قاصد کبھی ہمارا دلدار تک نہ پہنچا
ہم اک طرف کہ ہے ہے! اس نو بہار میں تو
تیر مرثہ سے اس کے دل بندھ کے رہ گیا
آنکھوں سے اشک ڈھل کر مژگاں تلک آیا
اس سر میں بھی تو آخر رکھتا تھا شورِ منصور
لختِ جگر میں اپنے کر جمع، گل بنایا
طفلِ سرشک میرا یوسف سے کم نہ تھا کچھ
چاہا تھارات میں نے، گھر اس کے کو دجاؤں
دل مرغِ ناتواں تھا بجا ز رہا ہوئے بھی

اٹا ہی نت پھر آیا، خط یا رتک نہ پہنچا
اک پر بھی اپنا ارٹ کر گلزار تک نہ پہنچا
ابروے راست خم کی تلوار تک نہ پہنچا
مژگاں سے پر ڈھلک کر رخسار تک نہ پہنچا
جیراں ہوں میں کہ یہ سر کیوں دار تک نہ پہنچا
سو وہ بھی گل، بتاں کی دستار تک نہ پہنچا
پر حیف مصر کے یہ بازار تک نہ پہنچا
یہ دستِ کوتاہ اپنا، دیوار تک نہ پہنچا
ارٹ کر درِ قفس سے دیوار تک نہ پہنچا

روزِ اجل بہ سختی، دی جان مصحفی نے
لیسین خواں کوئی اس بیمار تک نہ پہنچا

کریں گے خوابِ راحت یا یہی جنجال ہووے گا
اگر اس شمع کے شعلے میں یہ کچھ جگمگا ہٹ ہے
قدم اس دھج سے مت رکھا کرو وقتِ خرامیدن
پس از مردن ہمارا داغِ دل ضایع نہ جاوے گا
ترے ملنے سے پیارے اور بیتابی ہوئی دونی
میں جس دم دیکھوں ہوں اپنی طرف منہ کر رہا ہوں
لگا جوں ہی میرے پہلو پر اک جھنکار سی نکلی
ہماری اشک ریزی کا تماشا دیکھو اس دم
غلط ہے مصحفی مجلس میں اس کی شر پڑھتا تھا
کسی گوشے میں بیٹھا بازبانِ لال ہووے گا

بجراں میں بسکہ مجھ پہ عذابِ الیم تھا
کرتے تھے گل مزار سے میرے شگفتگی
میں سبکی پر اپنی جو روتا تھا روزِ محبر
افشائے عشق بعد خدا جانے کیا بنے
کرتا تھا کون شبِ ترے کوچے میں آہ آہ
کس زلفِ مشکفام کی بو تھی جو باغ میں
پردوں میں چشم کے تھی مری ہیئتِ فلک

چلتی تھی تیغِ واں سرِ دشمن پہ مصحفی

اور میرا مارے رشک کے یاں دلِ نیم تھا

نامِ مت لے تو گھر کے جانے کا
فائدہ کیا مرے کڑھانے کا

رگِ گل سا چہجہے جی میں مرے
 آئینہ پاس رکھ، جو تیرے تئیں
 جو ملا، اُس نے بے وفائی کی
 تیرے نازک لبوں سے سیکھا ہے
 یار کیسا شتاب جاتا ہے
 خارِ بیل کے آشیانے کا
 شوق ہے انکھڑیاں لڑانے کا
 کچھ بھروسا نہیں زمانے کا
 غنچہ، اندازِ مسکرا نے کا
 کشتہ ہوں ان قدم اٹھانے کا

تیخ ابرو کو اُس کی رکھ تو عزیز
 مصحفی ہے یہ پھل ٹھکانے کا

۱۴۹

اٹھائے زخم اتنے کس نے، میرا سا جگر کس کا؟
 ادھر تو دیکھ! دیکھے ہے ترے مُنہ کو کھڑا عالم
 صدائے الفراق آوازِ آبِ جوئے سے آتی ہے
 سراپا پیٹا پھرتا ہوں مدت سے میں گلیوں میں
 کسی کی جب نظر تر چھی پڑے ہے، آہ کرتا ہوں
 گریبانِ سحر کو چاک دیکھا میں نے، کیا جانے
 خدا کے واسطے کافر کی ٹک رفتار کو دیکھو
 ہلالِ عید میں اک صورتِ آغوش نکلے ہے
 چلا ہے سیکڑوں خط لے کے، ظالم مجھ سے سچ کہو
 ہزاروں آرزو کے کشتہ میرے دل میں پنہاں تھیں
 بھلا ہم بھی تو دیکھیں کون وہ دلخواہ ہے تیرا؟
 ہوا یوں معرکے میں عشق کے سینہ سپر کس کا؟
 تو مُنہ دیکھے ہے آئنے میں اے رشکِ تھر کس کا؟
 خدا جانے، سحرِ گلشن سے تھا عزمِ سفر کس کا؟
 کوئی جو مجھ کو کہتا ہو کہ ہے یہ نوحہ گر کس کا؟
 کھبا ہے دل میں میرے آہ اندازِ نظر کس کا؟
 گریباں کھل گیا تھا نیند سے اٹھتے سحر کس کا؟
 قدم پڑتا ہے وقتِ جلوہ اس انداز پر کس کا؟
 نظر تو سمجھو یا رو! یہ ہے طوقِ کمر کس کا؟
 بھلا دے گا تو اس کو پہلے خط لے نامہ بر کس کا؟
 خدا جانے یہ خوں تم سے بہا لے چشمِ ترا کس کا؟
 کیا کرتا ہے اے دل! ذکر تو شام و سحر کس کا؟

تمہیں میاں مصحفی کیا ہو گیا ہے بیٹھے راتوں کو
 قیصہ تم کہا کرتے ہو اب دو دو پہر کس کا؟

مُنہ تو غرنے سے دکھادے کھو چھپ کر اپنا
 زور چلتا ہے گرمیاں ہی پر اکثر اپنا
 پونچھو گوشہ دامن سے نہ خنجر اپنا
 ہیں تو عالم میں یہ ہے عالم دگیر اپنا
 خون ہووے گا کسی روز مقرر اپنا
 گل نے برباد دیا سب زور زور اپنا
 ہر طرف خالی لیے پھرتے ہیں ساغر اپنا
 اُن پہنچا ہے مگر وقت برا برا اپنا

مصطفیٰ ایک غزل اور بھی لکھ آخرو تو
 کھولے بیٹھے ہیں سب اس بزم میں دفتر اپنا

ہاتھ رہتا ہے اسی واسطے دل پر اپنا
 مُنہ پھرایا ہو کل اُس شوخ نے ہنس کر اپنا
 شبِ تاریک میں چمکے ہے یہ اختر اپنا
 اتنے بھی کام نہ آیا تنِ لاغر اپنا
 سب سے پہلے میں کیا ذبح کبوتر اپنا
 تیشہ رکھ دیوے وہیں ہاتھ سے آزر اپنا
 کس طرف اٹھ گئے تم نیچے لے کر اپنا

مصطفیٰ نقشِ قدم دار میں جم بیٹھا ہوں
 نہیں اٹھنے کا اب اس کوچے سے بتر اپنا

پاؤ گر رکھ نہیں سکتا ہے تو در پر، اپنا
 جب نہ تب اس سے ہی ہم کرنے لگیں ہیں نیچے
 مفت میں خون مرا ہو گا ترا دامن گیر
 ہم کو کیا کام ہے عالم کے بد و نیک سے یارا
 سرخی رنگِ حنا یہ ہے تو ان ہاتھوں سے
 زورِ حسن ترا دیکھ کے اے رشکِ بہار!
 کوئی اس میکدے میں ہم کو نہیں دیتا ہے
 سانس سینے سے کچھ ادھر کو چڑھی آتی ہے

سینہ جلتا ہے تپِ عشق سے اکثر اپنا
 وہ جواتے تھے چلے پیچھے، گری ان پر برق
 جلوہ گر زلفِ سیہ سے نہیں اُس کی درگوش
 خس سمجھ کر بھی کسی نے نہ جلایا اُس کو
 رسمِ تانا نامہ بری کی نہ رہے عالم میں
 بتِ نراشی یہ میں آؤں تو مری صنعت دیکھ
 آؤ جی! آرزوے قتل میں ہم مرتے ہیں

ب

۱۵۲

نوح کا یہ نہیں طوفاں کہ زمیں جاوے ڈوب
 رنگِ لعلیں کو ترے لب کے جو دیکھے تو وہیں
 خونِ عشاق کے دریا میں تو گھوڑے کو نہ ڈال
 عینِ برسات میں قاصد لے سہجوں ہوں تو وہ
 جی میں آتا ہے کہ کراپنے نوشتے کو یاد
 دیدے تیور اگے ہیں اور غش آتا ہے چلا
 اس غضب سے تو مجھے ذبح نہ کرنا کہ میاں!
 تاؤ پر آوے جو وہ حسن تو جل جاوے چگل

مصحفی چاہِ زرخداں میں گرا ہے تیرے
 کھا کے دو غوطے مزہ ہے جو وہیں جاوے ڈوب

۱۵۳

شب کیا میں نے جو اک نالہ زار آخر شب
 یار بن سیرِ گلستاں سے میں محبِ روح آیا
 وصل کی شب ہے دلا! اتنی نہ بے ہوشی کہ
 کم نصیب ایسے سے کیا وصل کا پوچھو ہو مزہ؟
 ہم نے مضمون ترے دزدِ حنا کا باندھا
 اولِ شب سے مجھے نیند نہ آئی، جس دن
 آہ وہ آتشِ سوزاں ہے کہ ہمسایوں کو

سوتے سوتے اٹھے ہمسایے پکارا آخر شب
 تیر سی دل میں لگی صوتِ ہزار آخر شب
 در نہ اس مے کا تو کھینچے گا خسار آخر شب
 جس کو مر مر کے ملا بوس و کنار آخر شب
 لگ گیا ہاتھ ہمارے یہ شکار آخر شب
 اُس نے مجھ سے کیا ملنے کا قرار آخر شب
 شہر میں ڈالے بے نت اس کا شرار آخر شب

مل گئے خاک میں ہم صبح کے ہوتے شبِ وصل
جاگتے تھے جو نصیب اپنے تو اُس کو چے میں
شب ترے کا کل مشکیں کی مسیحائی سے
وے بھی کیا دن تھے کہ جب آنکھ کھلے تھی اپنی
کانپ اٹھتا ہوں میں جس وقت ترے کو چے میں
نالہ کرتا ہے کوئی زار و زار آخر شب
کبھی یار دل کا بھی ہوتا تھا گزار آخر شب
کر گئی زندہ ہمیں یاد بہار آخر شب
چمن وصل کی لٹیں تھے بہار آخر شب
نالہ کرتا ہے کوئی زار و زار آخر شب
مصطفیٰ دیکھتے تھے ہم بھی سرِ شعلہ شمع
جب کیا جی کو پتنگے نے نثار آخر شب

۱۵۴

مجھ کو صحبت ہے سرِ زلف سے اب، آخر شب
کھل گئی آنکھ مری سوتے سے جب آخر شب
لے دل! اب تو کہیں شیون کے تئیں کر موقوف
یہ دی جانے جو اکٹھا اکٹھا کے کبھی جاگا ہو
اول شب تو بڑی بھیڑ ہے اُس مجلس میں
جیسے اس نالہ جاں سوز نے سر کھینچا ہے
شورِ بلبل سے میں شاکی نہیں اس گلشن میں
درودِ یار سے آواز بگیر آتی ہے
نہ کھلی مصحفی اس کافرِ بیدرد کی آنکھ
میں نے نالے کیے ہر چند کہ شب آخر شب
ہے یہی جاگنے کا میرے سبب، آخر شب
تہ دنیاں نظر آئے مجھے لب، آخر شب
تعریبہ دار بھی سو رہتے ہیں شب، آخر شب
لذت اک وصل میں ہوتی ہے عجب آخر شب
ہو وے تو ہو وے کہیں ملنے کا ڈھب آخر شب
آگ اس طرح کہیں بھر کے ہے کب آخر شب
مجھ پہ نالے مرے لایے ہیں غضب آخر شب
یار کے کوچے میں ہم جاتے ہیں جب آخر شب
نہ کھلی مصحفی اس کافرِ بیدرد کی آنکھ
میں نے نالے کیے ہر چند کہ شب آخر شب

۱۵۵

پاؤ اس دھج سے تو رکھو نہ زمین پر صاحب
ہے غرض غصے کی صورت بھی تمہارے پیاری
پھسلے کیا پڑتے ہو ہر لحظہ ہمیں پر، صاحب!
کیا بھلے لگتے ہو اس چمن میں پر، صاحب!

دیکھتے کی ہو جگر خستگی میری ؛ کجیے
 گر تمھاری ہے یہی چال، تو تم دیکھو گے
 کس کا سرکاٹ کے فتراک سے باندھا تھا جو آج
 آؤ، مت دیر کرو، آ رہی ہے اپنی اب
 اک نظر اپنے بھی لعل نمکیں پر، صاحب
 آفت آدے گی کسی خاک نشیں پر، صاحب
 ہے بہار آپ کے اس دامنِ زیں پر، صاحب
 زندگانی، نفس باز پس پر، صاحب
 ہم نہ کہتے تھے میاں مصحفی دل اس کو نہ دوا
 تم بلا لائے نہ اس جانِ حزیں پر، صاحب

05050

۱۵۶

صاد سے چشم، تو ہے زلفِ دو تادال سے خوب
 ابرِ رحمت! میں توقع پہ تری آیا ہوں
 اک ذرا اور ہی اٹھکھیلیاں کرتے چلیے
 کیسری شال کو سر سے نہ جدا کر اپنے
 میں دل آزرده، یہی جانِ حزیں رکھتا ہوں
 نئی گرفتاری آیا م بڑا اُلجھیا
 حق نے یہ چہرہ بنایا ہے خط و خال سے خوب
 دھو سیاہی کو مرے نامہ اعمال سے خوب
 آپ نظروں میں مری لگتے ہیں چال سے خوب
 چمپی حسن ترا لگتا ہے اس شال سے خوب
 دشمن اور دوست ہیں واقف مرے احوال سے خوب
 مر کے ہم چھوٹ گئے زلیت کے جنجال سے خوب
 مصحفی حال پریشاں ہے تراء وصل نہ چاہ
 مَنہ اُسے اپنا دکھانا نہیں اس حال سے خوب

۱۵۷

یہ خستہ تمام ہو چکا اب
 سب ناظم ملک سو رہے، ہائے!
 روٹھا رہا وہ یونہیں تو اپنا
 زلفوں میں پھر اس نے مَنہ چھپایا
 ہم مل گئے خاک میں ہی، ہم سے
 بس اپنا تو کام ہو چکا اب
 دنیا کا نظام ہو چکا اب
 اے یار و سلام ہو چکا اب
 پس وعدہ شاک ہو چکا اب
 ملنے کا پیام ہو چکا اب

چل سو رہی ٹمک شب ہے آخر
 قاصد! اگر اس گلی میں جاوے
 سیرِ شبِ ماہِ یار تک تھی
 دنیا ہے سرے فانی، اس سے
 دورِ مے و جام ہو چکا اب
 کہو کہ غلام ہو چکا اب
 لطفِ لبِ یام ہو چکا اب
 چلیے کہ مقام ہو چکا اب
 رکھا تہِ خاک مصحفی کو
 آرام تمام ہو چکا اب

Accession Number **25929**

۱۵۸

Class

Class No.

بال و پر باز کیا چاہیے اب
 بس بہت ضبطِ غمِ عشق کیا
 بات جانے لگی اپنی اُس تک
 فرشِ پُرس کے قدم ہے ملے دل!
 سخت مشکل ہے، ترا بھی شکوہ
 کیا ستم ہے کہ تصور کو ترے
 یاں سے پرداز کیا چاہیے اب
 گریہ آغاز کیا چاہیے اب
 فکرِ غماز کیا چاہیے اب
 عرشِ پرناز کیا چاہیے اب
 بختِ ناساز کیا چاہیے اب
 اپنا ہمارا کیا چاہیے اب!
 مصحفی دل کوئی لیتا ہی نہیں
 خاک انداز کیا چاہیے اب

۱۵۹

Library
 Pratap College
 SRINAGAR

لو اب اس دل کو تمہیں آگ لگاؤ صاحب
 جلوہ ہر ایک کو اپنا نہ دکھاؤ، صاحب
 کون مشتاق تھا آنے کا تمہارے ایسے
 ہم سے کیا کہتے ہو "پکڑے نہیں کچھ ہم نے ہاتھ
 یہ کوئی طور ہے منہ ڈھانپ چلے جانے کا؟
 جھوٹی باتوں سے مراجی نہ جلاؤ صاحب
 کیا غضب کرتے ہو ٹمک منہ تو چپاؤ صاحب
 "جاؤں جاؤں" ہی جو کرتے ہو تو جاؤ صاحب
 دل کے تئیں ڈھونڈھو سینے میں جو پاؤ صاحب
 کس طرف جاتے ہو؟ ٹمک تو ادھر آؤ صاحب

کل سرِ راہ میں تم غیر سے کیا کہتے تھے؟ تم کو میری ہی قسم ہے، نہ چھپاؤ، صاحب
اور مذکور کو جانے دو، خفا بیٹھے ہیں
مصحفی اب تو کوئی شر سناؤ صاحب

۱۶۰

بات میں ہو گئے خفا، صاحب! اب جویوں تم نے منہ تھتھایا ہے
صدقے ہیں ہم تمہاری صورت کے
ہیں کھلے گل کی طرح بندِ قبا
ہم سے ملتے ہی بے وفائی کی
دونہیں کچھ تم نکل ہی بھاگے، ولے
بچ گئے رات میرے ہاتھوں سے
یہ بھی کوئی بات تھی بھلا، صاحب!
پھر نہ بولو گے ہم سے کیا صاحب!
زور بیٹھے ہو منہ بنا صاحب!
کیا تمہیں بھی لگی ہوا صاحب؟
یہ ہی ہوتی ہے کیا وفا صاحب؟
میں کوئی تم کو چھوڑتا صاحب؟
دو نصیبوں کے تئیں دعا، صاحب

پوچھتے کیا ہو مصحفی کا نشان؟
خاک میں وہ تو مل گیا صاحب



۱۶۱

سج کر کے جو آج آئے ہیں شمشیر و سپر آپ
کچھ خانہ خرابی کا نہیں ان کی میں باعث
مانگا جو میں بوسہ تو کہا تند ہو، مجھ کو،
مت جائیو قاصد! تو مری بے خبری پر
اپنی تو نہیں خواہشِ دل گریہ پہ، لیکن
فرمائیے یہ بارے کہ جاتے ہیں کدھر آپ؟
ہیں دشمنِ جاں اپنے تو یہ دیدہ تر آپ
”یہ شوخیاں مجھ سے نہ کریں بارِ دگر آپ“
میں، گم شدہ دل اپنے کی رکھتا ہوں خبر آپ
کیا کیجے جو آنکھوں سے گریں بختِ جگر آپ؟

چھپ جاتے ہیں پھر دہنہیں مہ عید کے مانند
آ جاتے ہیں آنکھوں میں کسی کی جو نظر آپ
اے مصحفی اُس کو چے سے جوں چاہیے توں لب
ہے خیر اسی میں کہ کریں عزم سفر آپ

ت

۱۶۲

ہو جس جگہ نہ ناوکِ تقدیر کی نشست
از لبں کہ اُس کی بزم میں ہے ازدحامِ خلق
دنیا سے دل نہ باندھ کہ اس بزم گاہ میں
رابطِ گل و بنفشہ سے دیتی ہے مجھ کو یاد
کیا بیٹھے نقشِ لالہ و گل اُس ورق کے بیچ ؟
اب حلقہ حلقہ بیٹھتے ہیں واں جنوں زدہ
کیا مارے دست و پا وہ ستم کشنہ، بعدِ قتل ؟
دنیا سے دل نہ جائے اقامت ہے مصحفی
ہم اس درسی پہ بیٹھے ہیں رہ گیر کی نشست

۱۶۳

ہو جس کے دل میں داغِ غم یار کی نشست
بیٹھے ہیں جب کہ خانہ زین میں وہ طفلِ شوخ
جیسے تو گوشتِ پوست مرا اس کا وقف تھا
بیٹھا ہوں دستِ لبستہ میں یوں اس کے روبرو
پھر ہم جو تیری بزم میں آویں تو کیا کریں ؟
کیا خوش کرے اُسے گل و گلزار کی نشست
عالم کو ذبح کرتی ہے، خونخوار کی نشست
اب ہڈیوں پہ ٹھہری ہے تلوار کی نشست
ہو محکمے میں جیسے گنہگار کی نشست
واں تو ہمیشہ رہتی ہے دوچار کی نشست

یہ ظرفِ تنگ اور وہ دریاے بیکراں اس دل میں کیونکہ ہو غمِ بیار کی نشست؟
 کیا پک گیا ہے ہاتھ کسی کے تو مصحفی؟
 اب پھر شروع کی ہے جو بازار کی نشست

۱۶۴

دل جانے ہے اس ابروے خمدار کی نشست
 دیکھے سے اُس کے دل تو مرادِ داغ ہو گیا
 اس تفرقے میں حیف کہ موقوف ہو گئی
 اتنا تو اچھلا ہے کہ مانی نہ لکھ سکا
 جس نے سرِ بریدہ کو کرسی کیا، اُسے
 سوزن نہ مارو کوئی کہ ہر زخم پر مرے
 سطحِ زمیں ہے صفحہ صورتِ گراں، کہ ہے
 گل چیں! یہ کبارِ واسے کہ ایسی بہار میں
 گریے سے میرے موسمِ برسات لگ گیا
 اس صفحے پر براے خدا دیکھیو ذرا ق
 کردی ہے پست جن نے کہ تلوار کی نشست
 کیا پوچھتے ہو حالِ رخِ یار کی نشست
 تھی میرے اُس کے وہ جو کبھی پیار کی نشست
 جوں برق اک جگہ تری رفتار کی نشست
 کم تختِ سلطنت سے نہیں دار کی نشست
 سوزن زن آپ ہے مری متقار کی نشست
 جس پر ہزار بخود و ہشیار کی نشست
 برخاست ہووے گل کی، رہے خار کی نشست؟
 یارِ عجب نہیں در و دیوار کی نشست
 تیرے قلم کی اور مرے اشعار کی نشست
 دو چار گرچہ بستہ و آوردہ ہیں ولے
 نقشِ نگین ہے مصحفی دو چار کی نشست

۱۶۵

ایسا بھی کوئی کرے ہے خلل ملکِ دیں میں بت!
 مذہب میں میرے شیخ کے اتنا ہی فرق ہے
 دیں ہو گیا بکفر بدل یاں تلک، کہ خلق
 سجدہ کرے خدا کو تو کیجو سمجھ کے شیخ
 ہر گز میں اُس کی شکل کا دیکھا نہ چیں میں بت
 میں ہاتھ میں رکھوں ہوں تو وہ آتیں میں بت
 رکھتے ہے جاے قبلہ نما اب نگین میں بت
 اب بھی گڑے ہوئے ہیں ہزاروں زمیں میں بت

جاؤں طواف کرنے کو کیوں کر میں مصحفی
کعبے کے طاق میں ہے مرے نے نگیں میں بت

۱۶۶

رہا یہ دل تو بیمارِ محبت
ہیں عاشق اور بھی لیکن نہ ہوگا
نہ دیکھا جس نے روئے دانہ و داما
ہمارے نالہ آتشِ نشاں نے
نظر کرتے ہی اُس کا فر مژہ پر
اُسے کیا دوش، رسوا ہو گیا ہوں
کیا اس سے نہ آزارِ محبت
کوئی مجھ سا گنہگارِ محبت
سو میں ہوں وہ گرفتارِ محبت
کیا پھر گرم بازارِ محبت
چھبھا دل میں مرے خارِ محبت
میں آ پھی کر کے اظہارِ محبت
بچشمِ کم نہ دیکھو مصحفی کو
ہے دولت خواہ سرکارِ محبت

۱۶۷

جگر میں کھٹکے ہے خارِ محبت
نگاہوں سے نگاہیں جب ملیں ہیں
مرادِ دامِ زلفِ عنبریں سے
محبت میں موئے ہم تو بھی ہم سے
زیانِ جاں دہاں اول قدم ہے
اے کیا کام ہے دیر و حرم سے
خلش کرتا ہے آزارِ محبت
بٹا جاتا ہے تب تارِ محبت
نہ چھوٹا، ستھا گرفتارِ محبت
رہا پوشیدہ اسرارِ محبت
نہ پوچھو سودِ بازارِ محبت
جو کا فر ہو پرستارِ محبت
نپٹ احوال بد ہے مصحفی کا
بچے گا کیا یہ بیمارِ محبت

برا ہوتا ہے اظہارِ محبت نہ کیجے گا ہے اقرارِ محبت
 وہ مجرم ہوں کہ یاروں نے رکھا ہے لقب میرا زیاں کارِ محبت
 بس اب اقرار کے ثمرے کو دیکھا میں اور من بعد انکارِ محبت
 نہ آیا شام بھی گھر پھر کے اپنے تماشا شالی بازارِ محبت
 میں ہر دم خوں میں ترپوں ہوں کہ مجھ کو یہی ہے سیرِ گلزارِ محبت
 بہت اے مصحفی آنکھوں نے کھایا ق فریبِ حسنِ تکرارِ محبت
 خدا کے واسطے تو چھوڑا اب تو

یہ استبدادِ اصرارِ محبت

نہ کر تو مجھ سے انکارِ محبت کوئی چھپتا ہے آزارِ محبت
 مرے چہرے کا رنگِ زعفرانی کرے ہے آپ اظہارِ محبت
 بایں نازکِ تنی، اے وامصیبت! ہوا تو ناز بردارِ محبت
 صراحی ہی تری گردن ہوئی، ہاے! اسیرِ تارِ زنا رِ محبت
 بھلا میری طرح صد شکر اے شوخ! ہوا تو بھی گرفتارِ محبت
 کسی کے نشترِ مڑگاں سے بارے چھبادل میں مرے خارِ محبت
 تری آنکھوں سے لبے، رنگِ صبح ق عیاں ہیں سارے آثارِ محبت
 ستم یہ ہے کہ تو بھی میرے آگے نہیں کرتا تو اقرارِ محبت

نہ کر یہ بات پنہاں مصحفی سے

کہ جانے ہے وہ تیمارِ محبت

اُس کے ابرو سے کچھ آئی نہ تھی دو چار کی موت کتنے اس شبہ میں مارے گئے تلوار کی موت

رو برو میرے کوئی بات بھی اُس سے نہ کرو
مارے بے طاقتیوں کے یہ ہوا جاتا ہے
آب و دانے کا گلہ تجھ سے نہیں، اے صیادا
عشق کا جس کو مرض ہو وہ یہی کہتا ہے

ہاے! اس بات میں ہے میرے دل زار کی موت
کاش آ جاوے شتابی ترے بیمار کی موت
ہے مگر قیدِ قفس مرغِ گرفتار کی موت
نہ ہو دشمن کی بھی قسمت میں اس آزار کی موت

مصحفی، مل کے بہم جاتے ہیں اس کو چے میں
جب کبھی آتی ہے اس شہر میں دو چار کی موت

۱۷۱

جب سے کافر نے سنی ہے کسی بد ذات کی بات
جنشِ چشم سے اس کی کوئی واقف نہ ہوا
اک نہیں ہیں کہ نہیں آتے زباں پر اُس کی
دن کو اب شیخیاں کرنے لگے میرے آگے

تب سے کرتا ہی نہیں لطف و عنایات کی بات
کون بیمار کے سمجھے ہے اشارات کی بات
درمیاں رہتی ہے یوں سبے ملاقات کی بات
چلو جاؤ بھی، میاں! بھول گئے رات کی بات

مصحفی شوق ہوا ہے سببِ طولِ کلام
در نہ کیا، ہے سخنِ عشق تو اک بات کی بات

۱۷۲

ز بس کہ گریہ سے فرصت نہیں دن رات
ہزار حیف! بہ ایں چہرہ شگفتہ چو گل
نہ ہووے کیوں کہ مجھے دردِ سر کہ کافر کی
زمین کا پیٹ نہیں اب تلک بھرا، تب تو
درازیِ شبِ ہجرال سے ظلم ہے مجھ پر
کبھو جو پھر گیا پلکوں کا اس کی مُنہ ایدھر
شکستِ زلفِ بتاں ہو اگر ذرا بھی درست

رہے ہے دیدہ گریاں پہ آستیں دن رات
خواب و خوار پھرے تجھ سا نازنین دن رات!
لیپی ہی رہتی ہے صندل سے کچھ جبین دن رات
چلا ہی جاوے ہے عالمِ تیرِ زمین دن رات
خدا کرے کہ برابر بھی ہو کہیں دن رات
مرے جگر کے اوپر برہمیاں چلیں دن رات
دلِ شکستہ مرا کیوں رہے حزیں دن رات؟

سیاہ بختی پر اُس کی نہ جانیو ہرگز کہ زیرِ مہر ہے عاشق کے جوں نگیں دن رات
خوشی کا نام نہ دیکھا کہیں زمانے میں
جیسے تو ہم، پہ رہے مصحفی غنیں دن رات

۱۷۳

ہم کو گر رکھا زمین میں دیدہ گریاں سمیت
ہاے رہے وہ شرمگینی اور محرف دیکھنا!
وہ ہوتے پلکوں پہ میری چند قطرے اشک کے
اُن ستم کشتوں میں ہوں تیرے، کہ میری خاک سے
حشر کے فریادوں پر عرصہ ہو جاوے گاتنگ
جس نے دیکھا ہو ترا چاکِ تباہے سروِ نازا
عالمِ زیرِ زمین بھی حسن سے خالی نہیں
اس ادا سے کل وہ آیا باغ میں دامن کشاں
مصحفی گریہ غزل میں لکھ کے بھیجوں لکھنو
میرِ رختِ تازہ گوئی نہ کرے دیواں سمیت

۱۷۴

اشک سے میرے بچے ہمسایہ کیونکر گھر سمیت؟
چشمِ زخم آنکھیں لڑانے سے اُسے پہنچے مگر
مت کلداری پہ نازاں ہو کر اک گردش کے بیچ
کس کے کانوں کی صفا کا شور دریا میں گیا؟
یا تو لکھتے ہی نہ سکتے یا اُسے جب لکھنے اور
ایسے قاتل پر کوئی اثباتِ خوں کیونکر کرے؟
یہ گئی ہیں کشتیاں اس بحر میں لنگر سمیت
رہتے ہیں جو رخنہ دیوارِ بنداب در سمیت
مل گئے ہیں خاک میں یاں کتنے سرافسر سمیت
جو پڑا بیتاب پھر تاسہ صدف گوہر سمیت
صفحے کے صفحے سب ہم کر گئے مسطر سمیت
خاک میں جس نے سلائے سیکڑوں خنجر سمیت

بے طرح سے آ پھنسنے ہیں چنگلِ صیاد میں دیکھیے چھوٹیں گے کیونکر یاں سے بالِ دپر سمیت
کس کی مڑگاں کا میں کشتہ ہوں کہ ہنگامِ بہار سبزہ میری خاک سے اگتا ہے پر نشتر سمیت
عشق کی رہ وہ بری رہے کہ جس میں مصحفی
صاحبِ طبلِ دہلم حیران ہیں لشکرِ سمیت

۱۷۵

بس کہ گرم گر یہ تھا دلِ رات چشمِ تر سمیت لختِ دلِ دامن میں گرتے تھے مرے اخترِ سمیت
تو سہی ناصح کہ میں اپنے گریباں کے تیئیں دھجیاں کر کے اڑاؤں دامنِ محشرِ سمیت
کس کے تنیوں مارے ہوئے آتا ہے؟ ظالم! سچ تو کہہ بھر رہا ہے ہاتھ تیرا خون میں خنجرِ سمیت
اس ہوا میں کر رہے ہیں ہم ترا ہی انتظار آ کہیں جلدی سے، ساقی! تیشہ و ساغرِ سمیت
میں ہی جانوں ہوں کہ جیسی بے کسی سے شمع پر جل کے خاکستر ہوا پروانہ بالِ دپرِ سمیت
جب سے دیکھا ہے ترارِ دے عرقِ آلودہ، جاں! آ سماں پھرتا ہے تیرے گردنتِ اخترِ سمیت
مصحفی چرخِ مقرر نس ہے وہ فالوُسِ خیال
جس میں شاہانِ جہاں گردش میں ہیں لشکرِ سمیت

۱۷۶

کچھ مجھ سے ان دنوں نہیں اُس کی نظرِ درست پہنچی ہے میرے عشق کی اُس کو خبرِ درست
صیاد سے کہو پرو پیکاں کو آبِ دے اب ہم نے پھر کیے ہیں ذرا بالِ دپرِ درست
نت پرزے پرزے کر کے اڑاتا رہا وہ شورش لایانہ واں سے ایک بھی خط نامہ بردِ درست
روتا ہوں جب میں یاد کر اُس رشکِ بدر کو ہر اشک سے بنے ہیں زمیں پر قمرِ درست
دو کھے جو کوئی ہم کو تو کیوں مانیں ہم برا اس عہد میں خراب ہیں اہلِ ہنرِ درست
میرے دلِ شکستہ کو کہتی ہے دیکھ خلق کیا زور آئے ہے یہ ہووے اگر درست
کٹ کٹ کے اب تو سینے سے نکلے مصحفی
دے دن گئے کہ تھا کبھی اپنا جگرِ درست

پیکاں نے تیرے کس کار کھا ہے جگر درست؟
 اور ہم سے ہو سکا بھی نہ سازِ سفر درست
 کرتا رہے ہے گرچہ وہ شام و سحر درست
 جب فصلِ گل میں میں نے کیے بالِ پردِ درست
 اس نخل سے گرا نہ کبھی اک ثمر درست
 خورشید کی رہی نہ فلک پر سپر درست

میرادل شکستہ وہ شیشہ ہے مصحفی
 جس شیشے کو کرے نہ کوئی شیشہ گردِ درست

میں وہ کافر ہوں جسے کہتے ہیں تصویر پرست
 عشق نے تیرے کیا ہے مجھے شمشیر پرست
 میں ترے کوچے میں جوں مردمِ تعمیر پرست
 جس کی ہر موج ہے اک ہندوئے تصویر پرست
 خانہ کعبہ میں جوں خلقِ ہوزِ پنجیر پرست

مصحفی کیوں نہ تکرے روئے نکوایاں کی طرف؟
 چشمِ صیاد سدا رہتی ہے پنجر پرست

دیکھو اس کی شکل آخر ہو گیا صورت پرست
 ہے ہر اک مرغِ چمن اس باغ میں الفت پرست
 عشق بازی میں یہ دل ہے زورِ ہیبت پرست

سودل سے تیرے تیر کا گزرا ہے سر درست
 واحسرتا! کہ قافلہ یاروں کا لد چلا
 ہوتی نہیں درست شکن اُس کی زلف کی
 ہے ہے! کہ آشیاں پہ مے برق ہی گری
 مرفانِ میوہِ خوار سے فریاد ہے کہ ہاے!
 جب نیچے کو اُس نے میاں سے علم کیا

اوریاں پیرو جواں جتنے ہیں، ہیں پیر پرست
 سجدہ کرتا ہوں میں محراب سمجھ کر اس کو
 درودِ یوار کی صورت کا تماشا شانی ہوں
 عکسِ خواباں سے ہوا آبِ رواں بتخانہ
 زلفِ مشکیں کے ترے گرد ہے یوں اک عالم

گرچہ جوں آئینہ اول تھا یہ دل حیرت پرست
 سرورِ قمری ہے عاشق، اور گل پر غنارِ لیب
 جان دینے سے نہیں اس کے تئیں ہرگز دریغ

نت جن آنکھوں میں رہے تھا تیری صورت کا خیال اب وہ آنکھیں صورتِ آئینہ ہیں حیرت پرست
مصطفیٰ میخانہ نگلشن میں ہنگام بہار
ایک ہی پیالے پہ ہے گل کی طرح عشرت پرست

۱۸۰

جب سے جا ہوا ہے تو، اے مایہ حیات !
عاشق تمام عمر ہے قیدِ فرنگ میں
آپس میں دوستوں کا نہ ہو جاوے خوں سپید
زلفوں نے تیری پھینکی ہے خورشید پر کمند
الشرے کا فری ترے طرزِ خرام کی !
دریا تمام لہروں سے آغوش ہے ہنوز
اس سے زیادہ اور ہوں کیا خوار شیخ جی ؟

زخم اپنے دیکھ دیکھ نہ روا اتنا مصحفی
کیا ڈر ہے ؟ بچ رہے گا، اگر ہے تری جیتا

۱۸۱

مرے خوں کا پیا سادہ قاتل رہانت
نہ تنہا میں عاشق ہوں خوش قد یہ تیرے
جگر کو مرے تم سرا ہو، عزیز و
زبس کشتے پر کشتے تر پا کیے واں
کبھی میں نے بے پردہ اس کو نہ دیکھا
نہ سویا کوئی میرے عہدِ جنوں میں

نہ دی بھیک تو نے کبھی مصحفی کو
ترے در پہ پیارے، وہ سائل رہانت

بدنام کیا میں نے عبت نامِ محبت
یہ میکرہ وہ ہے کہ نہ پھر ہوش میں آیا
میں سیکڑوں خط اس کو لکھے اس نے نہ بھیجا
اے عشق! اب اس دل کو ذرا چین دے ظالم
اس طائرِ وحشی کے نہ درپے ہو تو، صیاد!
میں آپ کو بدنام کیا میوہ خوروں میں
کیا سحر ہے آنکھوں میں تری جس نے مری جا!
کیا صوم و صلوٰۃ اس سے ہو، جو شخص ہوا ہو

مارا گیا شبِ مصحفی اس بت کی گلی میں
سچ ہے کہ برا ہوتا ہے ابرامِ محبت

جس میں ہم دیکھیں تھے ہر آن، خدا کی قدرت
پیرہن لڑے مزے تیری ہم آغوشی کے
جن سے ہم رکھتے تھے سوچیم، وہ کل دیکھ ہمیں
جب میں روتا ہوں تو دامن میں مرے گرتے ہیں
گو نہ مشاطہ بنا دے خط و خال اس رخ کا
چشمِ بنیدہ کہاں ہے جو تماشا دیکھے
ابھی چاہے تو اک ادنیٰ کے تئیں کر دیوے
دل کو لیجا کے مرے ہر گھڑی دکھلاتی ہے
پیکرِ نور فرشتوں کو ملے، اور ہووے

مصحفی سا بشر، اے شوخ! ترے کوچے میں

یوں پھرے خوار و پریشان، خدا کی قدرت!

عاشق وہی کہ جس کے آنسو بہا کریں نت
مجلس تک رسائی اس کی نہیں دگر نہ
اک بلنے والے ہم تھے سو ہو چکے ہیں، صاحب!
مکتب نشین لڑکے کتنے غضب ہیں، ہے ہے!
خورشید و مہ نے نقشا دیکھا نہیں دگر نہ
رد مال اشکِ خوں میں ڈوبے رہا کریں نت
ہم ساری رات بیٹھے قہقہے کہا کریں نت
اب آپ جس سے چاہیں اس سے ملا کریں نت
کس نے کہا اکھنوں سے مشقِ جفا کریں نت
دن رات جستجو میں تیری کھپرا کریں نت
جس خاک سے تو گزرے آبِ حیات کی طرح
تار و زحرِ حشر مردے والے اٹھا کریں نت

ش

نہیں آیا ہمارے پاس اب تک یار کیا باعث؟
کھڑتا ہی نہیں سینے میں دل زہار کیا باعث؟
دکھا کرتا ہے دل سینے میں میرے روز و شب یارو!
نکل بھی جا کہیں اے دل! بشتابی ساتھ آنسو کے
کبھو نہ نکھوں میں سرمہ اور کبھی ابرو پہ سرمہ ہے
جو کوئی شیخ صنعا کی طرح عاشق ہو ترسا کا
گیا کیوں بھول کر کے طے کا اقرار کیا باعث؟
چوے ہی پڑتے ہیں کچھ دیرہ غنبار کیا باعث؟
نہیں معلوم ہوتا اس کا کچھ اسرار کیا باعث؟
مرے سینے میں تو کیوں کھینچے ہے آزار کیا باعث؟
سجی جاتی ہے واں ہر دم نئی تلوار کیا باعث!
نہ پوچھو اس سے باندھی تو نے کیوں زنا کیا باعث؟
خموشی خوب ہے ایسی جگہ اے مصحفی! چپ رہ
کسو سے دردِ دل کا کیجیے اظہار کیا باعث؟

غنا ملا ہے کس کو دلا؟ جستجو عبث
پھرتا ہے ڈھونڈتا تو اُسے کو بہ کو عبث

اس چرخِ خود مراد سے، اُس کے وصال کی
 عادی بہ آہ و نالہ ہوں میں، آہ کیا کروں؟
 اے دل! اگر اُس کے سامنے جاوے تو میں بدو
 ہرگز نہیں یہ دوختنی مثلِ جیبِ گل
 اے فصلِ نو بہار پرے انبساطِ طبع
 اپنی تو چشم میں چمنِ روزگار کا
 پیدا کر اولِ عشق جو چاہے ہے وصلِ دوست

خواہشِ عبث، امیدِ عبث، آرزوِ عبث
 نت مانے نہ ہے برا وہ بتِ تند خو، عبث
 کرتا ہے شیخیاں تو مرے رو برو عبث
 کرتے ہو چاکِ سینہ کو میرے رفو عبث
 کرتی ہے مجھ پہ عرضِ گلِ ولالہ تو عبث
 لطفِ بہار پہنچ ہے اور رنگِ دلو عبث
 اے شیخ اور نہ ہے یہ نماز و وضو عبث

اے مصحفی وہ جاے تو جانے بھی دے اُسے

اپنی طرف سے اتنا لگا جاے تو عبث

ج

۱۸۷

پڑتی ہی نہیں اس دلِ بیتاب کو کل آج
 پھر صبح کو ہم اور وہی سیرِ خرابات
 مدت سے تو تم تھا ہمیں اس کے دہن کا
 کی شانہ صفت کس نے میاں دستِ درازی؟
 ہمراہ مجھے دیکھ کے کہتا ہے یہ قاتل
 ہے تا سرِ دیوار چمنِ جوشِ بہاراں
 شاید کہ صبا آئی ہے اس گل کی گلی سے
 تھا ان کے بھی اوپر کبھی تصویر کا عالم
 ہے نقشِ پہ کشتے کی ترے زور تماشا
 کیوں چپ ہو میاں مصحفی؟ فراؤ تو صاب

آرام دسکوں میں نظر آتا ہے خلل آج
 اس لغزشِ مستی سے جو جاتے ہیں سنبھل آج
 جنبش میں مک اُس لب کی یہ عقدہ ہوا حل آج
 کھاتی ہے تری زلف تو کچھ زور ہی بل آج
 "جاتا نہیں، شاید تری آئی ہے اجل آج!"
 گلگشتِ گلستاں کو جو چلنا ہے تو چل آج
 جوں لالہ شگفتہ ہے مرے دل کا کنول آج
 ویراں نظر آتے ہیں جو یہ قصر و محل آج
 اے آفتِ جاں! تو بھی ذرا گھر سے نکل آج
 پڑھتے نہیں ہو تم جو کوئی شعر و غزل آج

قاتل! مرے یاروں کو نہ خط سادہ لکھا بھیج
 یا اپنے شتاب آنے کا خط مجھ کو لکھا بھیج
 درتا نہیں ہوں میں بھی اب، اے عشقِ بلا سے
 دانش نہیں ہوتی ہے مرے غنچہ دل کو
 اسبابِ غم و غصہ فلک ہم پہ بہت ہے
 قسمت ہی سے یہ زخم کہیں ہاتھ لگے ہے
 جب میں نے کہا "دیتا ہوں دل، آن کے لے جا"
 دے ڈالیں ہم اس دل کو ابھی نیم ننگہ پر
 اے مصحفی گل بھیجیں ہیں غیر اس کو تو بھیجیں
 تو تختِ جگر کا اُسے گلہ ستہ بنا بھیج

بھیجے ہے تو کاغذ کو ٹک اک لوہور کا بھیج
 یا مجھ کو ہی خط بھیج کے پاس اپنے بلا بھیج
 جس طرح کی چاہے تو مرے سر پہ بلا بھیج
 اُس کو سے الہی تو کہیں بارِ صبا بھیج
 جو چاہیے تیرے تیئیں تو یاں سے منگا بھیج
 اے کشتہ! تو قاتل کے تیئیں اپنی دعا بھیج
 بولا کہ "جو دیتا ہے تو گھریٹھے دلا بھیج"
 بیٹا کوئی اس دل کا اگر دیوے خدا بھیج

بڑھ گئی بیماری دل، کیجے یارب کیا علاج؟
 تو نے ملے جرح! کیوں مرہم لگایا؟ کیا کیا؟
 اٹھ سر بالیں سے میرے، جا بھی گھر کو، اے طبیب!
 صعب تھا از بس مرض میرے دل بیمار کا
 اب تو مرنا ہی پڑا اس غم سے ہم کو لا علاج
 سودہ! الما اس اس زخم کہن کا تھا علاج
 اب دم آخر ہے، یاں کیسی دوا؟ کیا علاج؟
 چپ رہا میں نے میحائے اگر پوچھا علاج
 جان بیکل ہے جدی، اور دل جلا کر تار ہے درد
 کیجیے اے مصحفی افسوس کس کس کا علاج؟

رکھتا ہوں ایک میں تو ترے غم کی احتیاج
 کھائے ہزار زخم تری تیغ کے، ولے
 کافر ہو جس کو ہو دلِ حرم کی احتیاج
 عیسیٰ سے ہم نے رکھی نہ مرہم کی احتیاج

اتنا ہوں غم رسیدہ کہ تیرے فراق میں
رہتا ہے روز و شب انہیں ہر ماہِ تعزیر
پڑھنا تھا جو کہ ہم کو سو تحصیل کر چکے
عشاق اک نگہ سے تری قتل ہو گئے
ہے ظلم، اُس پہ خنجر کم دم لگا یے
اٹھ جائے مصحفی سو کہاں یاں سے، یا علی!
اس در سے رفع ہوتی ہے عالم کی احتیاج

۱۹۱

رؤم دیتا ہے اس کے رخ کو باج
ایک نالے پہ ہے معاش اپنی
سلطنت اور ہی معنے رکھتی ہے
عاشقی کیوں نہ مبتذل ہووے
تابِ موے کمر بھی اُس کو نہیں
ہے دوا اُس مریض کی تجھ پاس
شام سے زلف نے لیا ہے خراج
ہم غریبوں کی ہے یہی معراج
یوں تو سر پر خردس کے بھی ہے تاج
کارِ پروانہ جب کرے درراج
بسکہ نازک بڑا ہے اس کا مزاج
جس کا عیسیٰ بھی کر سکے نہ علاج
مصحفی فارسی کو طاق پہ رکھ
اب ہے اشعار ہندوی کا رواج

بیج

۱۹۲

تجھ سے میں یہ نہیں کہتا کہ تو تلوار نہ کھینچ
رہ لگا آئنے خانے میں تو اے آئینے
اپنے دامن کو مرے ہاتھ سے لے یار! نہ کھینچ
میرے اور یار کے بیچ آن کے دیوار نہ کھینچ

نیلگوں خط تو بگر دگل رخسار نہ کھینچ
لیک دامن تو زمیں پر گہر رفتار نہ کھینچ
یوں تو خمیازہ مرے سامنے ہر بار نہ کھینچ
دامن شوق مرا جانبِ گلزار نہ کھینچ
دل تو سینے سے مرے، اے بتِ خو نوار نہ کھینچ

مصحفی جانے بھی دے اس بتِ ہرجائی کو
اس قدر اس کے تحس میں تو آزار نہ کھینچ

نہ بٹھا حلقہ ماتم میں گرفتاروں کو
لٹ پٹی چال تو چل شوق سے، اے مستِ شراب!
شوق ہوتا ہے فزوں مجھ کو ہم آغوشی کا
اے نسیمِ سحری! رہنے دے زنداں میں مجھے
تیر کو کھینچ، میں مانع نہیں، پر تیر کے ساتھ

۱۹۳

شمع روشن ہو کہیں جیسے شبستان کے بیج
دیکھو حرف نہ آجائے کہیں شان کے بیج
پر طادِ سس ہوں جیسے کسی قرآن کے بیج
شیشہ مے نے جو رکھی ہے روئی کان کے بیج
جائے گلِ نختِ جگر رہتے ہیں گلداں کے بیج

مصحفی یہ تو تلاشی تھی، اب اپنے ڈھب کی
اک غزل اور لکھا چاہیے دیوان کے بیج

یوں ہے عارض کی جھلک زلفِ پریشان کے بیج
چمکے پھرتے تو ہو بازار میں مانندِ نگیں
دلِ سی پارہ میں یوں عشق کے داغوں کی ہے شان
ہے مگر رطبِ مزاجی سے خطرِ ریزش کا
شورِ مرزائی کا بیجا نہیں اپنی کہ یہاں

۱۹۴

کام دونوں کا کیا یار نے اک آن کے بیج
برق پڑتی ہے ہمارے سر و سامان کے بیج
سرمہ عید کا اب تک ہے گریبان کے بیج
آنکھ کھلتے ہی پڑی بانگِ جرس کان کے بیج
ربط اک تازہ ہوا ہے مستی و پان کے بیج

کب کا اک عمر سے جھگڑا تھا دل و جان کے بیج
جب کہ چہرے سے اٹھاتا ہے تو اے شورشِ نقاب
شب کہیں گوشہ ابرو کو ترے دیکھا تھا
خواب سے چونکے تو یاں ہم کو سفرِ پیش آیا
ہم یہ نخت نہ کیوں خاک میں لوٹیں کہ وہاں

میں وہ بلیل ہوں کہ منقار سے اپنی جس نے رخنے کر ڈالے ہیں دیوارِ گلستان کے بیچ
 مجھ پہ گلگشتِ گلستاں کی نہ تہمت کججو
 مصحفی، نختِ جگر ہیں مرے دامن کے بیچ

۱۹۵

اک دن جو لے گئی مجھے وحشت چمن کے بیچ
 کیا چھپے تھے کرتے ہم اپنے چمن کے بیچ
 اب جس سے چاہے اس سے میاں انکھیاں لڑا
 تن تو کہاں ہے؟ شعلہِ فالوس کی طرح
 اگلی پڑے ہے جیسے کہ شمشیرِ خوش غلاف
 وہ آپ سا بتا دے ہے، وہ آپ سا، تجھے
 رسمِ دیارِ عشق کا کشتہ ہوں میں، کہ واں
 غافل تو آنکھ کھول کے سیرِ جہاں تو کر
 مارے حیا کے ہم سے وہ کل بولتا نہ تھا
 پردانہ ہو کے زخمی بہ تیغِ زبانِ شمع

میں شمعِ بزمِ دہر ہوں، ان روزوں مصحفی
 میرا ہی ذکرِ گرم ہے ہر انجمن کے بیچ

۱۹۶

دھجیاں پانڈ سے بانڈ ہیں ہم نے اس منزل کے بیچ
 میں وہ بسمل ہوں کسی کی تیغِ تیزِ شرم کا
 اس نگر کے رہنے والے کیا بھی ہیں بے نوا
 رشک ہے اس مرغِ بسمل پر مجھے جو بعدِ ذبح
 یہ خبر پہنچے اسے جو جادے ہے محمل کے بیچ
 قطرہِ نوں بھی نہیں کہنے کو جس بسمل کے بیچ
 خاک بھی یاں تو نہ دیکھی کا سہ سائل کے بیچ
 آپ کو پنہاں کرے ہے دامنِ قاتل کے بیچ

حق کے کہتے دار پر کیوں کھینچتے منصور کو
 کچھ ممیز فرق اگر کرتے حق و باطل کے پیچ
 کیا خدائی ہے کہ اب دلتا نہیں ہے اس کے بار
 جس سے ہم زانو بہ زانو بیٹھیں تھے محفل کے پیچ
 اُس سے ہم اک بات بھی کہنے نہ پائے مصحفی
 مرتے مرتے رہ گئی دل کی ہمارے دل کے پیچ

ح

۱۹۷

دیکھ اس رشکِ پری کے باغ میں آنے کی طرح
 تار روئے کا بندھا جبے، مرا ہر ایک اشک
 گر چھو اہو میں نے اس کی زلف کو تو ہم نشیں!
 میں بھی ہوں اُس شعلہ سرکش کا عاشق، آسماں
 تیشہ فرہاد میرے ہاتھ آیا چاہیے
 گل گریباں پھاڑتے ہیں اپنے دیوانے کی طرح
 رشتہ دار آپس میں ہے تسبیح کے دانے کی طرح
 ہاتھ ساعدے جدا ہو دے مرا شانے کی طرح
 رات دن پھرتا ہے جس کے گرد پروانے کی طرح
 کس قدر دشوار ہے سر سے گزر جانے کی طرح؟
 منہ چھپاتے ہو جو ہر دم مصحفی کو دیکھ کر
 کس سے سیکھی ہے میاں! تیم نے شرمائے کی طرح؟

۱۹۸

سحر ہے رخ پر ترے زلفوں کے بل کھانے کی طرح
 اس میں گوجل جاویں یا مرجاویں ہونا ہو سو ہو
 پان کھانے پر کرو ہو اس کے یار و کیا نگاہ
 سن کے میرا ممتی قصہ لگا روئے وہ رات
 گاہ حصے میں مرے گا ہے بکا ام دیگرے
 جب مراد دل، دام میں زلفوں کے اُس کی پھنس گیا
 سیکھے کوئی تجھ سے، پیارے بدل کے بے جانے کی طرح
 چومنا ممتہ شعلہ رو کا ہم کو پروانے کی طرح
 اک ذرا دیکھو مرے بھی خونِ دل کھانے کی طرح
 مرثیے سے بسکہ مانا تھی اس افسانے کی طرح
 ساری اس کی چشم میں نکلتے ہیں پیمانے کی طرح
 اور کچھ آئی نظر تب خویش و بیگانے کی طرح

یار کے وقت تماشا، قابلِ تصویر ہے
گہہ شکافِ در سے، گہہ روزن سے کرتا ہے نگاہ
شیخ جی! تم بھی عجب خر ہو، بھلا سمجھو تو بات

مثل آئینہ مرے حیران رہ جانے کی طرح
یاد ہیں کتنی ہی اس کو آنکھیں پھڑکانے کی طرح
دانہ انگور کھاتا ہے کوئی دانے کی طرح

پھر گئیں کیا جانے کیوں ہم سے وہ زلفیں مصحفی
ہم تو رکھتے تھے دل ان کا ہاتھ میں شلنے کی طرح

۱۹۹

شہر آتا ہے نظر پر گرد، ویرانے کی طرح
تھی بلا گرداں شمعِ روئے گل شبِ تاسحر
کیا سمجھ کر ہم نے یارب سا لہا سجدہ کیا
کل جو رستے میں وہ ناگہ مل گیا، تھی دیدنی

رہ گئی یاں کونسی، اب جی کے بہلانے کی طرح
آخر آخر جی دیا بلبل نے، پروانے کی طرح
جس جگہ کبھے کی صورت تھی نہ بتخانے کی طرح
میرے رہ جانے کی وضع اور اُس کے رک جانے کی طرح

رنگ گل کرتا ہے آخر یاد اگر ہوتی تمہیں
خاک اور خوں میں کسی سہل کے تڑپانے کی طرح

۲۰۰

شاخِ گل گو کہ لچکتی ہے قدرِ یار کی طرح
کس کے مقتولوں کا یارب یہ چمن مشہد ہے
دیکھیے اب کے تپِ عشق سے کیوں کر بچے
کیا چرایا تھا ترا اس نے؟ قفا پر، پیارے!
غیر سے شب اُسے خلوت رہی، اور ہم تنا صبح
تھا گھمنڈا بر بہاری کو بہت رونے کا
ہو چکا کب کا گریباں تو، مگر ہیں باقی
دام میں زلف کے، کیا پوچھو نہ نقشا دل کا

پر کہاں اس میں بہار اُس گلِ رخسار کی طرح
نظر آتے ہیں جو گلِ سینہ افکار کی طرح
بے طرح سی نظر آتی ہے اس آزار کی طرح
ہاتھ کیوں باندھے ہیں کاکل کے گنہگار کی طرح؟
رہے حیران کھڑے صورتِ دیوار کی طرح
پر نہ رویا وہ مرے دیدہ خونبار کی طرح
تار دو چار گلے میں مرے زئار کی طرح
کیا کہیں دیکھی نہیں مرغِ گرفتار کی طرح؟

ہیں طر حدار تو دنیا میں بہت پر والشد
مصحفی آفت جاں ہے مرے خونخوار کی طرح

خ

۲۰۱

کہتا ہے کون ہاتھ ہیں اس کے حنا سے سرخ
آتے ہی کچھ خزاں کے عجب زرد ہو چلے
دریا سے خونِ خلق میں پیرا ہے تیرا رخس
ہم مارے افعال کے کل آب ہو گئے
اے بت ابنِ ارشکر، کہ ہم اپنے خون میں
دل جی اٹھے ہے جنبشِ دامن میں یار کی
یہ بھی عجب مزہ ہے کہ تڑپوں میں خون میں
خون ریزیوں سے ہاتھ اٹھا اب تو اے فلک!
کشتہ ہوں میں حنائی سرانگشت کا تری
یہ کیا بلا ہے دیدہ خونِ بار میں مرے ؟
گر بے کار رنگ اپنے تو معلوم ہو ہمیں

میں دیکھتا ہوں ان کو تو ہیں ابتدا سے سرخ
چہرے گلوں کے، ہو کے چمن کی ہوا سے سرخ
پانواؤں کے سینے تک نہیں رنگِ حنا سے سرخ
دیکھا جو رنگ چہرے کا اُس کے، حیا سے سرخ
چاہیں تھے دستِ دین کو تیرے، خدا سے سرخ
جیسے دہک کے ہو کبھی اخگر ہوا سے سرخ
دشمن کا منہ نہ ہو تری تیغِ جفا سے سرخ
صحرا کے صحرا ہیں تری تیغِ جفا سے سرخ
فندق کہاں ہے غنچے کی ایسی ادا سے سرخ
جو ہو گیا ہے رنگِ فلک اس گھٹا سے سرخ
دو چار قطرے اشک کے ٹپکیں بلا سے سرخ

رہتی ہے خونِ دل پہ معاشِ اپنی، مصحفی

ہے رنگِ چہرہ اپنا تو اس کمی سے سرخ

۲۰۲

لگائے ہاتھ کوئی اس بدن کو کیا گستاخ
میں چھڑتا ہوں جو اُس کو، کہے بے کٹ کے قریب

نہ جس بدن کو لگی ہو کبھی ہوا گستاخ
”قدیم سے ہے تمہارا یہ آشنا گستاخ“

یہ برگ گل نہیں، ہیں بلبلوں کے بختِ جگر
میں دیکھتا ہوں جوشانے کو اس کی زلفوں میں
کبھی لپٹی ہے، گاہ اس کے بوسے لیتی ہے
میں رکھ دیا جو سراپنا شب اُس کے زانو پر
مجھے یہ ڈر ہے کہ صحبت بگڑ نہ جائے کہیں
سنا ہے مصحفی میں جب سے شعر عرقی کا
قدم نہ کھینچو خیاباں میں، اے صبا! گستاخ
کہوں ہوں یوں ہی کبھی میرا ہاتھ تھا گستاخ
ہے تیرے رخ سے تری زلف بھی بلا گستاخ
کہا یہ نہیں کے "تو اب اتنا ہو گیا گستاخ!"
ہوئی ہے اُس کفنِ نازک سے پھر خفا گستاخ
ہمیشہ ہاتھ گریاں سے ہے مرا گستاخ
”بسا عنتی کہ کشائی قبا بیاد آور
کہ می کشاد کسے بندِ ایں قبا گستاخ“

۲۰۳

منہدی سے دستِ یار، سپید و سیاہ و سرخ
کیا رنگ تھا یہ تجھ سے کہ آنسو گریں تھے رات؟
اُس چشم پر خمار کے صدقے کہ اک جگہ
نکلی جو تیغِ قہر تری، آہوے حرم
یہ صدمے گزرے دل پہ، کہ ہو ہو گیا مرا
اب تو وہی غنی ہے زمانے میں جس کے پاس
دیکھا نہ تیرے رنگ کا ایک اس چمن کے بیچ
اے مصحفی زمانہ وہ مارے رنگ ہے
ہیں جس کے نت انگار سپید و سیاہ و سرخ
میں برگ لالہ وار، سپید و سیاہ و سرخ
اچھے ہاں شکبار! سپید و سیاہ و سرخ
دیکھی نہ تھی بہار، سپید و سیاہ و سرخ
لاکھوں ہوئے حکار، سپید و سیاہ و سرخ
چہرہ ہزار بار، سپید و سیاہ و سرخ
پل ہوویں بے شمار، سپید و سیاہ و سرخ
یوں بھول ہیں ہزار سپید و سیاہ و سرخ
اے مصحفی زمانہ وہ مارے رنگ ہے
ہیں جس کے نت انگار سپید و سیاہ و سرخ

۲۰۴

آتے ہی جب مچائی ہے اس نے چمن میں جج
جب تک کہ آنسوؤں کا ہمارے ہے افشرہ
دیکھ اس کو ہو گیا ہے گلِ تر کا رنگ فنج
ان شعموں کے ہم نہیں محتاجِ آبِ تنج

نازک کمر کو اس کی رگِ گل تو کیا کہوں
شرمندہ ہو ہے جس کی نزاکت کو دیکھیں
کرتا ہوں جب بیاں میں کبھی اس کی زلف کا
شانہ ہر ایک بات میں گادے ہے رخ کی شخ
مردودِ آسمانِ دزمیں ہے وہ مصحفی
لاشے کو جس کے بوند کریں مور اور ملخ



۲۰۵

تھی آب، دم اُس کے میں میاں بس کہ بلا سرد
گرمی سے تپِ عشق کی آجی پہ بنی ہے
اس دستِ نگاریں سے ہوا سوزِ دل افزوں
ہم جس سے ملے جا کے خنک ہی اے پایا
بسمل ترا لگتے ہی تو خبر کے ہوا سرد
الفت سے بتاں کی کرے اب دل کو خدا سرد
مشہور غلطیہ ہے کہ ہوتی ہے حنا سرد
ہے آج کل از بس کہ زمانے کی ہوا سرد

اے مصحفی کیا کہیے دلِ گرم کی تیرے
اتنا تو مری جان! یہ زہار نہ تھا سرد

۲۰۶

ہر چند رہی نت ترے کوچے کی ہوا سرد
دل جلتا ہے، لاؤ وہی کھا جاؤں بلا سے
میں آنکھوں میں لا کر وہیں کل پی گیا آنسو
دیکھا ہے مگر صبحِ دم اس گل کو چمن میں
گرمی پہ نہ آیا دلِ افسردہ ہمارا
ہر چند کہ فردوس میں سب کچھ ہے و لیکن
کیوں تپ میں مجھے خونِ جگر غم نے پلایا
تو بھی ترے ملنے سے دل اپنا نہ ہوا سرد
کافور کو کہتے ہیں کہ ہوتا ہے بلا سرد
ہر چند کہ اتنا بھی تو یہ آب نہ تھا سرد
جو آج نپٹ بھرتی ہے دم بادِ صبا سرد
ہرگز نہ کرے بندے کو اتنا بھی خدا سرد
دیواروں کے یہ سایے کہاں اور یہ ہوا سرد
تپ والوں کو دنیا میں تو دیتے ہیں دوا سرد

ہاتھوں نے ترے اُس کو ذرا گرم کیا ہے تھی ورنہ مری جان طبیعت میں خاسرد
 اے مصطفیٰ تھا ہم کو بڑا تیرا بھروسا
 اک زخم کے لگتے ہی میاں تو تو ہوا سرد

۲۰۷

غیر سے آشنا یاں تا چند؟ دیکھیں یہ بیوفائیاں تا چند؟
 نالہ پڑے اثر ہے ہم بیمار آہ! تیری رسائیاں تا چند؟
 مہنس کے بول کو بھی تو ہم سے، میاں! جھڑکیاں اور رکھائیاں تا چند؟
 میرے اور اس کے دیکھیں، رہتی ہیں درمیاں میں جدائیاں تا چند؟
 میری طاقت پہ کر نگاہ، اے دوست! نت کی زور آزمائیاں تا چند؟

بھول چڑھاؤ نہ مصطفیٰ یہ میاں
 اس سے یہ کج ادائیاں تا چند؟

۲۰۸

دانتوں کے رو برو ہوئی سلک گہر سپید آگے لبوں کے جس کے نہ ہوئے شکر سپید
 کاغذ سمجھ کے اُس پہ بھی ہم کچھ کہیں رقم ہوں مرغِ نامہ برد کے اگر بال و پر سپید
 کرتا ہے ماہِ مثل کتنا چاک پیر ہن جب بریں کپڑے پہنے ہے وہ سیم بر سپید
 لے شامِ ہجر! اب تو کہیں رؤسیاہ کر بس روتے روتے ہو تو گئیں چشمِ تر سپید
 بے رنگ ہو گئے ہیں، کچھ اس کا عجب نہیں لالہ ہماری خاک سے پیدا ہو کر سپید
 اول سیاہ روئی کا کر شیخ کچھ علاج صابن سے دھو دھو دار بھی کو اتنا نہ کر سپید
 رکش جو ہووے صبح بنا گوش یا ر سے ہے برگِ نسترن! تو کہاں اس قدر سپید؟
 چہرے پہ ایک کے تو نہ پایا وفا کا رنگ اہل جہاں کا خون ہوا سر بسر سپید
 ہو کر سپید پوش تو آ پشتِ بام پر ہے چاندنی سے دیکھ تو کیا بحر و بر سپید

سنتا ہے مصحفی تو نہ کھوان کو رایگاں
تیرا ہر اشکِ لال ہے اے بے خبر سپید

۲۰۹

اے دل سپیدی آئی، ہوئے موئے سر سپید
خون خشک ہو گیا مرا یاں تک کہ وقتِ نقد
یعقوب یوں کہے ہے کہ یوسف سے یہ کہو
گویا کہ قطرہ خون نہیں اس میں دیکھو
تنجہ بن یہ رنگ ہے، مری چشم پر آب کا
از بس سیاہی اس کی نہ اس سے جدا ہوئی
اے اشکِ سرخ! کجیو تک اور بھی مدد
ہم رفتہ رفتہ غم میں ترے پیر ہو گئے
تعریف کیا کروں ترے دانتوں کی آب کی
ہو جاویں کل کو لال تو اس کی خبر نہیں

دور کے اب تو نامہ اعمال کر سپید
نکلا رگِ جگر سے مری نیشتر سپید
”ہیں اے پسرا ترے لیے چشمِ پدر سپید“
چہرہ مریض کا ہے ترے کس قدر سپید!
ہو دے کسی کا جیسے سپیدی سے گھر سپید
دیکھانہ میں کبھی رخِ داغِ جگر سپید
تھوڑا سا رہ گیا ہے یہ تارِ نظر سپید
اہلِ سفر کو جیسے کہ کر دے سفر سپید
اس آب و تاب پر نہیں آبِ گھر سپید
اب تک تو میرے اشک ہیں جیسے گھر سپید

اے مصحفی فراق میں مت ڈھونڈ روشنی
دیکھی ہے کس نے دھل کی شب کی سحر سپید؟

۲۱۰

نہ تو مے لعلِ یار کے مانند
گر چہ گل ہے ہزار کے مانند
ہے خوش آئند یار کا آنا
خون میں تڑپا ہے کونسا بسمل
پھر گئیں ہم سے یار کی آنکھیں
نہ گل اس کے عذار کے مانند
پر کہاں گل عذار کے مانند
موسمِ نو بہار کے مانند
اس دلِ بے قرار کے مانند
گردشِ روزگار کے مانند

جگرِ لالہ داغ ہے ، میرے
 رختِ بہتی پہ خوش نہ ہو، کہ یہ ہے
 کوئی ناخن لگا جگر پہ مرے
 مل کے دشمن مرے چڑھ آئے ہیں
 میری آنکھوں میں سرو، اُس قدین
 گرچہ ہے زلفِ لایمِ تعلیق
 نہیں عاشق کے حق میں لذتِ وصل
 دیکھ اُس گل کو جب میں کرتا ہوں ق
 اشک آنکھوں سے میری گرتے ہیں
 داندہ ہاے انار کے مانند
 مصحفی خاکِ راہ کس کا تھا؟
 اڑ گیا جو غبار کے مانند

۲۱۱

زلف ہے گرچہ مار کے مانند
 یا الہی دعا میں کس کی ہے ؟
 اس میں کشتی نہ لا کہ ہیں یہ سرشک
 دلق آتش پہ رکھ کہ ہو جاوے
 نہیں تیغِ دلائی کا خم
 آخرِ عیشِ لذتِ دُنیا
 وہ ہے عاشق جو رکھ دے سرِ تر تیغ
 چھڑیومت کہ یہ دلِ صرچاک
 دل سلگتا ہے کیا مگر میرا ق
 جو دھواں سا جگر سے اٹھتا ہے
 رخ ہے نقش و نگار کے مانند
 ہاتھ میرا چنار کے مانند
 قلزمِ بے کنار کے مانند
 حلّہ زرِ نگار کے مانند
 خمِ ابرو سے یار کے مانند
 ہے نشے کے اُتار کے مانند
 عاشقِ سرگزار کے مانند
 کھل رہا ہے انار کے مانند
 اندک اندک شرار کے مانند ق
 ناتواں سے غبار کے مانند

نوک سبزے کی اس چمن کے مرے دل میں چپتی ہے خار کے مانند
 تربتِ مصحفی کو دیکھا کل
 ڈھیر تھا اک مزار کے مانند

۲۱۲

کیے جس ڈھبے اس نے چاکِ در بند وہ کرتا کاش! یہ چاکِ جگر بند
 بتاں! کاوش سے پلوں کی تمھارے ہے یاں رگ رگ میں میری نیشتر بند
 ز بس خونِ غلیظ آنکھوں سے آیا ہوئیں آخر بہم مژگانِ تر بند
 ہم اور دل یوں گرفتارِ بلا ہیں بہم دو مرغ کے ہوں جیسے پر بند
 غرور اس کو لفافے پر نہ لایا لکھا بھی خط تو کر بھیجا کمر بند
 کئی دن سے پھر اب کچھ ہو گئی ہے رہ آمد شدِ پینا مبر بند
 بصدِ خوبی دہانِ تنگ اس کا رہا پیوستہ بول درجِ گہر بند

تری بالیں پہ بیٹھا ہے مسیحا
 ابھی اسے مصحفی آنکھیں نہ کر بند

۲۱۳

کیا عالم کے منہ پر جس نے در بند فراغت سے وہ بیٹھا چشم کر بند
 گئے دے دن کہ اشک آتے تھے، اب تو گرے ہے کٹ کٹ آنکھوں سے جگر بند
 نہیں ہوتا جو دل تو چٹکیوں میں ملا کرتا ہے وہ دود و پیر بند
 بہار آئی خبرے ان کی صیاد قفس میں تھے ہمارے مشتِ پر بند
 اجابت تک دعا کس رہ سے جادے در افلاک ہیں شام و سحر بند
 کہیں کل چاکِ در سے جھانکتا تھا رہی تا دیرِ واں میری نظر بند
 مجھے اے مصحفی لکھنے ہیں اشعار ق ذرا اس تاو کے تو لے کے کر بند

ولیکن قطع میں چھوٹے نہ ہو دیں
برابر ہاتھ کے ہو راست ہر بند

۲۱۴

بہت کہیں ہم نے اپنی چشم تر بند
مرے سینے میں دل بے تاب یوں سے
کیا جب ٹکڑے ٹکڑے اُس نے ہم کو
کمر باندھے ہے میرے خوں پہ ہر دم
کیا کیوں پرزے پرزے اس نے قاصد
چلی ہے شب جہاں اس زلف کی یاد
مری آنکھوں سے باہر کیونکہ جاوے
دم شمشیر تیغِ ناز اُس کا

ہوا لیکن نہ خوشنابِ جگر بند
پھر کتلا ہے پڑا جوں مرغِ پر بند
پڑا تر پا کیا لو ہو میں ہر بند
وہ کافر کر کے زلفوں کو کمر بند
مرے نامے کا تو تھا مختصر بند
سحرواں رہ گئے ہیں گھر کے گھر بند
کہ طفلِ اشک ہے میرا نظر بند
ہوا ہے دل پہ میرے آن کر بند

دریغ اے مصحفی ہم نے شبِ وصل
نہ کی راہِ شبخونِ سحر بند

۲۱۵

پھر ک کر کیا کرے وہ مرغِ پر بند
ہے گلِ دایم نگاہِ عشقِ بازاں
مری آنکھوں میں یوں پھرتا ہے وہ شوخ
تزی پلکوں کی نازک کاریوں سے
لگائی جب حنا ہاتھوں پر اُس نے
یہ بل کس کا کشتہ ہے کہ جس کا
کھلے بندوں گر آ بیٹھے وہ در پر

قفس کا جس کے نت رہتا ہو در بند
یہ بلبِل چشم کا تیرا کمر بند
کسی کو جیسے رکھتے ہیں نظر بند
منبت ہے تمام اپنا جگر بند
کیا عالم کا دل خوں منبت کر بند
تڑپتا ہے پڑا لو ہو میں ہر بند
عجب کیا ہے کہ ہو جا رہی زربند

فسانہ رہ گیا دنیا میں باقی نہ اسکندر رہا، نے اس کا در بند
 نہیں زلفوں کے حلقوں میں وہ رخسار
 ہوئے ہیں مصحفی شمس و قمر بند

۲۱۶

اگر کھولے چمن میں اپنے تو بند
 زمین صیدِ قمر غہ کا ہے میداں
 شکستہ ہی نہیں ہوتا کسی طرح
 کہیں ہیں، دل میں عاشق کے گرہ ہے
 نہیں مقدوریاں دم مارنے کا
 کوئی تیرا گریباں گیر ہوگا
 کی اُن نے روزِ ندر کر گل اندود
 کیا تھا مصحفی کے زخمِ دل کو ق
 سو کر دٹ میں وہ ٹانگا کھل گیا ہے
 نہیں ہوتا ہنوز اس کا لہو بند

۲۱۷

کیے اس گل نے جوں جاے کے واند
 چڑھی زنجیریں ہیں پائو میں جن کے
 چمن میں کس کے آنے سے ہوئی ہے
 دعا میری بھی کیا بردقت پہنچی!
 جو کوئی وصل کا طالب ہو، خواں
 ملے ڈالیں ہیں دل کو چٹکیوں میں
 چمن کا ددہیں رستہ ہو گیا بند
 دل ان لوگوں کی الفت کا ہے پابند
 رہ آمدِ شدِ بادِ صبا بند
 اجابت کا سحر در ہووے تھا بند
 کریں ہیں تیغ سے اس کے جدا بند
 قیامت ہیں یہ طفلانِ حنا بند

چمن میں مصحفی سادل گر فتنہ
مگر آیا جو ہو گئی ہے ہوا بند

۲۱۸

کہاں تک پھریں اڑتے ادھر ادھر! صیاد! جنہوں کے دل میں رہا تیری وضع سے کھڑکا
نہ ذوقِ شبنم و گل بھولیں ہم اسیری میں
کہاں وہ سینہ، کہاں وہ دل اور کہاں وہ عکبر
قرادلی تری آنکھوں سے سیکھ جاتے ہیں
وہ خون گرفتہ ہوا کون قابلِ فتراک؟
خدا کے واسطے چوبِ قفس کو سرخ نہ کر
ہزار حیف ہے اس عندیہ غافل پر
طیور اب ترے ہاتھوں سے کیونکہ ہوں جاں بر
چمن میں کونسا ہے آشیانہ بلیل
تری ہی نذر میں اب بے یہ مشت پر صیاد
نہ سوئے سایہ گل میں وہ نیند بھر صیاد
بجائے دانہ کھلا دے اگر گھر صیاد
جو تیرے ناولکِ مژگاں کا ہو سپر صیاد
میں دے جو حق میں غزالوں کے فتنہ گر صیاد
جو آج دامنِ زیریں ہے بہار پر صیاد
ہمارے خون پہ باندھے کیوں کمر صیاد
کہ آیا جس کے اوپر دقت بے خبر صیاد
جفا و جور کرے جب تو اس قدر صیاد
کہ جس میں لو ہو بھرتے ہیں پڑے ہیں پر صیاد

پھر اور کیا ہے سبب مرغِ دل کی وحشت کا؟
نظر پڑا کوئی اے مصحفی مگر صیاد

۲۱۹

کیا غم مجھے، گو ہو دے قفس کا مرے در بند
نے جاوے کوئی یاں سے نہ واں سے کوئی آوے
ممکن نہیں ہم دیکھ سکیں اور طرف کو
ہوتا ہوں تصور میں ترے جب کہ مراقب
موتی ہی نکالیں گے اگر کھولیں گے ان کو
اُڑ جاؤں قفس سے، نہ ہوں گر مرے پر بند
ہے شہرِ بتاں کی رہ پیغامِ دُخبر بند
کر رکھا ہے آنکھوں نے تری ہم کو نظر بند
رہتی ہیں میاں آنکھیں مری دودو پہر بند
مانندِ صدف اب تو ہیں یہ دیدہ تر بند

آساں نہیں اس زلف کے حلقوں سے رہائی جس زلف کے حلقوں میں کہ ہوں شمس و قمر بند
 تنبیہ نہیں کیونکہ نہ ہو دے کہ نظر میں
 لگتا ہے چھری سا یہ ترے جاے کا ہر بند

ذ

۲۲۰

ہم نے بھیجا جو کبھی یار کو لکھ کر کاغذ
 کیا کروں یوں تو تو پڑھتا ہی نہیں خط میرا
 نامہ قاصد نے دیا اس کو جو میرا تو کہا
 یوں تنگوں میں لگا دیتا ہے تو تار کے تار
 نامہ شوق جو ہر دم ہی لکھا کیجیے گا
 ہو گئے سخت جگر آہ سے یوں آوارہ
 گیا برباد ہی مانند کبوتر کاغذ
 ہاں مگر لکھ کے لگا دوں ترے در پر کاغذ
 ”ایسے رہتے ہیں پڑے راہ میں اکثر کاغذ“
 خط ہی لکھنے کو نہیں تجھ کو میسر کاغذ!
 لکھتے لکھتے یوں نہیں ہو جاوے کا دفتر کاغذ
 جنش باد سے جوں گل کے ہوں ابتر کاغذ
 مصحفی لکھ ورقِ دل پہ تو اس کی تصویر
 اس سے دنیا میں نہیں اور کوئی بہتر کاغذ

۲۲۱

شوق سے لکھیے اگر جانبِ جاناں کاغذ
 ہم فقروں کو تو کیا چاہیے افشاں کاغذ
 پرزے پرزے جو کوئی ہو سو لکھے نامہ شوق
 لکھ کے رونے کا سخن اس کو اڑا دیجیے اگر
 خط پہ خطنت جو لکھے جاتے ہیں معشوقوں کو
 درد مندوں کا ترے نامہ جو پہنچے تجھ تک
 ہو کبوتر کی طرح آپ پر افشاں کاغذ
 خط لکھیں اس کو اگر ہو کوئی بھگواں کاغذ
 بھیجنا یار کو ایسا نہیں آساں کاغذ
 ابر کی طرح ہوا میں کرے طوفاں کاغذ
 شہرِ عشاق میں کیا ہو گئے ارزاں کاغذ
 کھولے اس کو تو کرے نالہ و افغاں کاغذ

خط لکھوں اس کو اور انسوؤں نہ ہو دے تیریں
 ان پہ کیا کیا نہ حکایت میں لکھی سرخی سے
 خون رو رو کے کیا چاہیے افشاں کاغذ
 لخت دل کے ہوئے سب، صرف گلستاں کاغذ
 مصحفی نام ہے دیوان کا، ہاں ہیں تو سہی
 ورقِ گل کی طرح چن پریشاں کاغذ

۲۲۲

کہتے ہیں وصل کی شب جس کو سودہ رات ہے شاذ
 رہ میں ہر خیر کہ مل جاوے دے از رہ لطف
 ساتھ عاشق کے غرض اس کی ملاقات ہے شاذ
 پوچھے وہ بات مری گا ہے، سو یہ بات ہے شاذ
 یارِ سلیس اسے کہتے ہیں کہ یہ مات ہے شاذ
 چشم واکھیجے تو البتہ یہ برسات ہے شاذ
 مصحفی صرف نہ کراؤں پہ تو ادا قات کہ واں
 مطر دے ستم اور لطف و عنایات ہے شاذ

۲۲۳

بہارِ گل نہ رہی اس قدر چین میں دیر
 ہوا تو آ کے سب اسبابِ غسل آمادہ
 کہ بیٹھے دل زدہ کوئی سایہ سمن میں دیر
 شہیدِ عشق کے پھر کیا ہے اب کفن میں دیر
 ملک نہ بیٹھ سکے جس کی انجمن میں دیر
 لگائی اس نے بھی جا کر بہت وطن میں دیر
 رہی ہے، بادِ صبا تو بھی تو ختن میں دیر
 جو گر کے شمع سے تر پا کیا لگن میں دیر
 ابھی جراثیمِ دل کے ہے بہ نذرین میں دیر
 بھلا تمیز تو کر بڑے مشک و گیسو میں
 میں اس پتنگ کے جی دینے کا ہوں دیوانہ
 میاں! نہ تیغِ علم کیجیو، کہہ سکتے ہیں

میں سیدہ چاکی گل تجھ کو دیکھ لیتا، ہے! رہا نہ ہاتھ مرا چاک۔ پیرہن میں دیر
 یہ عشق وہ ہے کہ جب اپنے وعدے پر آیا ہوئی نہ تیشے سے سمجھ قتل کو کہن میں دیر
 خط آئے پر بھی نہ چھوٹا مراد دل قیدی رہا اسیر تری زلف پر شکن میں دیر
 رفوے چاک گریبان گل کراے ناصح! ابھی ہمارے تو ہے چاک پیرہن میں دیر
 گئے کہاں تھے، میان مصنعی، بتاؤ تو
 لگائی رات بہت تم نے انجمن میں دیر

۲۲۴

اس تیغ زن کو، یارو! مرے دل سے کیا خبر؟ قاتل کو بیقراری بسمل سے کیا خبر؟
 بیدل جو کوئی ہوا تو اسے دل سے کیا خبر؟ ڈوبے ہوئے کو بحر کے ساحل سے کیا خبر؟
 ہم کو تو مار ذبح کیا، اس کے ہجر نے قاصد تو کہہ تو لایا ہے قاتل سے کیا خبر؟
 منہ اٹھ گیا جدھر کو ادھر ہی چلے گئے آوارگان شوق کو منزل سے کیا خبر؟
 پوچھو نہ جا کے شیخ سے یہ مسئلہ کوئی اس بے تمیز کو حق و باطل سے کیا خبر؟
 مجنون دشت گرد ہی واقف ہو ہو تو ہو ہر راہ رو کو لیلیٰ کے محل سے کیا خبر؟
 شمع شب فراق بنے ہم تو مصحفی
 ہم دل جلوں کو عیش کی محفل سے کیا خبر

۲۲۵

آخر گئے ہی تجھ کو وہ بے وفا سمجھ کر آخری گلی میں عاشق آئے تھے کیا سمجھ کر۔
 کافر مجھے نہ کہیو، اے مومنانِ صادق! کرتا ہوں بت کو سجدہ میں تو خدا سمجھ کر
 نامے کو اس کے پڑھ کر اول تو خوش ہوا تھا آخر کو رو دیا میں کچھ مدعا سمجھ کر
 ایسا نہ ہو کہ جادوے برباد خاکِ عاشق رکھو گلی میں اس کی پالو، اے صبا! سمجھ کر
 بیگانگی سے اس کی واقف نہ تھا میں ہرگز میں اس کو دل دیا تھا یا راستہ نا سمجھ کر

ہم نے تو حال دل کا سب خوب ہی لکھا ہے من بجا مرگ لیکن کس نے پڑھا سمجھ کر؟
 نظروں میں ایک بوسہ مانگا تھا ہم نے اس اس نے بھی زیر لب ہی کچھ کچھ کہا سمجھ کر
 زلفوں سے اس کی تل کر شانے نے خطا اٹھایا ہم ڈر کے دوڑ بھاگے اُن کو بلا سمجھ کر
 اے مصحفی وہاں سے جیتا نہ کوئی آیا
 اس کی گلی میں پیارے! جا ہے تو جا سمجھ کر

۲۲۶

راتوں کو تو گلیوں میں نہ اے ماہ لقا! پھر باز آ کہیں ان چالوں سے، از بہرِ خدا پھر
 اپنا بھی یہ چہرہ گلِ خورشید کے ماتر رخ یار کا جیدھر گیا او دھر ہی گیا پھر
 گر رخصت یک آہ میں لی دل سے تو، یارو! دکھو گے کہ جادے گی زمانے کی ہوا پھر
 یہ دیدہ تر دے ہیں کہ گر جوش پر آویں دریا کو کہیں "تو مری اہروں میں بہا پھر"
 اے مصحفی رسوائی ہے ان باتوں میں ناداں
 جوں سایہ تو اس شوخ کے پیچھے نہ لگا پھر

۲۲۷

سرکھول کے، کافر! نہ نہا نہر کے اوپر ان باتوں سے آوے گی بلا شہر کے اوپر
 دکھو گے یہ سب سلسلے ہو جائیں گے برہم گرا گئی وہ زلفِ سیہ لہر کے اوپر
 بے طرح جھڑی باندھی ہے اس دیدہ تر نے طوفان نہ نازل ہو کہیں دہر کے اوپر
 یہ بھی کوئی غصہ ہے، مری جان کچھے ہے کم نجت پڑے قہر ترے قہر کے اوپر
 اے مصحفی ہے لذتِ دنیا سہم قاتل
 کس واسطے مرتا ہے تو اس زہر کے اوپر

۲۲۸

ہے اس کی آئے میں، خط و خال پر نظر کرتا ہے کب ہمارے وہ احوال پر نظر

انگلیوں سے کتنوں کو پا مال کر دیا
 گرد کیسے بہار دلِ داغ داغ کی
 اک حشر تازہ ہو دے گاد یوانِ حشر میں
 قلیاں ہوا ہے جب سے لبِ یار کا ندیم
 زرد کے خونِ دلِ شفقی اس کو کر دیا
 کچھ خدا کے واسطے اس چال پر نظر
 طاؤس کے نہ کیجے پرو بال پر نظر
 جب ہم کریں گے نامہ اعمال پر نظر
 مشتاق پوسہ رکھتے ہیں منہ مال پر نظر
 ٹک چشم تر کے کچھو رو مال پر نظر
 اتنا یہ دل غنی ہے، کہ بندے کی مصحفی
 نے چشم جاہ پر نہ زرد مال پر نظر

۲۲۹

یار! یہ دونوں اگر کم ہوں تو کم ہی بہتر
 راستی خوب تو ہے بیک نہ ہر جائے دل!
 سر بچا کر جو تری تیخ کالے ہاتھ پہ دار
 وصل میں ہجر کا دھڑکا ہی لگا رہتا ہے
 یک دو دم بیش نہیں گلشنِ ہستی کی بہار
 اور ناہم کوئی جان مری کیا سمجھے
 نہ ترا پیار بھلا اور نہ ستم ہی بہتر
 اس کی وہ زلف گرہ گیر تو خم ہی بہتر
 دے! اس ہاتھ پہ وہ ہاتھ قلم ہی بہتر
 ایسی شادی سے، دلا! ہم کو وہ غم ہی بہتر
 اس سے تو سیرِ گلستانِ عدم ہی بہتر
 کہ سمجھتے ہیں تری بات کو ہم ہی بہتر
 مصحفی، خارِ گلستاں میں کہاں ایسی بہار
 اشکِ گلگوں سے تری ہر مژدہ ہم ہی بہتر

Library
 Pratap College
 SRINAGAR

۲۳۰

منقل میں لائی جب مجھے تقدیر کھینچ کر
 تھا دیہی ہی حالِ مراتب تو رہرواں
 کیا جانیں یہ سلوک؟ مریدوں کو راہ پر
 ان کی بھی کچھ خبر ہے تجھے، دے جو مر گئے
 جلا دسر پہ آ گیا شمشیر کھینچ کر
 اُس کو سے لے گئے مری تصویر کھینچ کر
 لاوے نہ جب تلک کشش پیر کھینچ کر
 کوچے میں تیرے نالہ شہگیر کھینچ کر

اس خوش مزہ کے سامنے جو کوئی آ گیا
 پھر اس طرف کوئی نہ گیا جب کہ لے گئے
 مارا کمانِ ابرو سے اک تیر کھینچ کر
 اس کو سے میری لاش بہ تہہ ہیر کھینچ کر
 جانا مت چاہئے پافو میں کاہے کو مصحفی
 زنداں میں لے گئی مجھے زنجیر کھینچ کر

۲۳۱

لائی تو یاں تلک مجھے تقدیر کھینچ کر
 صانع نے ہاتھ سے قلم صنع رکھ دیا
 میں کس قطار میں ہوں، جہاں مجھ سے سیکڑوں
 مت کھینچ سر کو تیر کے یوں ورنہ تو میاں!
 پھر دیر کیا ہے؟ آئیے شمشیر کھینچ کر!
 اُس جن لایزال کی تصویر کھینچ کر
 مرمر گئے اذیت زنجیر کھینچ کر
 پچھتائے گا جگر سے مرے تیر کھینچ کر
 اس دشتِ پرخطر میں بہت ہم سے ناتواں
 رہ رہ گئے ہیں دامنِ رہ گیر کھینچ کر

۲۳۲

اس قدر بھی تو مری جان! نہ ترسایا کر
 دیکھ کر ہم کو نہ پردے میں تو چھپ جایا کر
 یہ بری خواہ ہے دلا! تجھ میں، خدا کی سوگند
 ہاتھ میرا بھی جو پہنچا تو میں سمجھوں گا خوب
 گر تو آتا نہیں ہے عالمِ بیداری میں
 اے صبا! اوروں کی تربت پہ گل افشانی چند
 ہم بھی اے جانِ من! اتنے تو نہیں ناکارہ
 ل کے تنہا تو گلے سے کبھی لگ جایا کر
 ہم تو اپنے ہیں، میاں! غیرے شرما یا کر
 دیکھ اس بت کو تو حیران نہ رہ جایا کر
 یہ انگوٹھا تو کسی اور کو دکھلا یا کر
 خواب میں تو کبھی اے راحتِ جاں! آیا کر
 جانبِ گورِ غریباں بھی کبھی آیا کر
 کبھی کچھ کام تو ہم کو بھی تو فرمایا کر
 تجھ کو کھنا جائے گا اے مصحفی! یہ غم اک روز
 دل کے جانے کا تو اتنا بھی نہ غم کھایا کر

یوں کہہ کے گیا دل تو مجھے یاد کیا کر
یکبار اڑا دینے میں کیا لطف ہے صیاد!
کیا ایسی حیا ہے، نہ تبسم، نہ لٹکا ہے
ظاہر نہ کہا کرتا، مرے قتل کو اس سے
کیا خوش ہے تری باد صبا! یہ بھی، پرے ہو
کیا ذکر ہے ہم، شیخ! تری باتوں میں آویں
بیٹھا ہوا غم میں مرے فریاد کیا کر
تو پوچھ کے ہم سے، ہمیں آزاد کیا کر
گا ہے تو ہمارا بھی تو دل شاد کیا کر
آنکھوں میں اشارہ سوے جلاد کیا کر
مت خاک ہماری کو تو، برباد کیا کر
تو اپنے مریدوں ہی کو ارشاد کیا کر
ڈرتا ہوں کہ تیرا کہیں سینہ نہ ترق جائے
اے مصحفی اس طرح نہ فریاد کیا کر

باندھ آیا تھا کمر وہ دشمن جاں کھینچ کر
میں بگا سر پیٹنے کو، رات جس دم لے چلی
آج اُس وحشی نے پھر نی راہ صحرا، ہم جسے
رحم کر گورِ غریباں کی بھی مشتِ خاک پر
کل جو پیکاں ساتھ اپنے دل سے نکلا مرا
اڑ نہ جاوے ہاتھ سے تیرے مرا یہ مرثیہ دل
کتنا پچھتاؤں میں ہم کل اس کا داماں کھینچ کر!
دل کو میرے خواہشِ زلفِ پریشاں کھینچ کر
کل بخواری لے گئے تھے تابہ زباناں کھینچ کر
چل نہ یوں دامن کو، اے سرورِ خراماں! کھینچ کر
یار پچھتاؤں مرے سینے سے پیکاں کھینچ کر
باندھو ٹک اس کے پرے طفلِ ناداں! کھینچ کر
کچھ نہیں معلوم ہوتا ہم کو جرمِ مصحفی
لے چلے میں یار کیوں اس کا گرِ بیاں کھینچ کر؟

کندن سے نورتن کی پسین دیکھ دُنڈ پر
از بس خضابِ دوست میں شدت سے شیخ جی
پھر آگیا ہے وہ بتِ کارِ گھمنڈ پر
رہتی ہے ان کے ہاتھوں سے آفتِ ارنڈ پر

اچھا ہو کس طرح سے مراد غر دل، کہ یاں
 کر دل کے آنے کو مرے صاف اینٹ سے
 ناخن سے نت خراش رہے ہے کھرنڈ پر
 موقوف کچھ جلا نہیں اس کی کھرنڈ پر
 اے مصحفی میں بیٹھ کے کیا داں غزل پڑھوں
 جائیکہ لاکھوں گردنیں ہلتی ہوں کھنڈ پر

۲۳۶

منہ سے برقعے کو مری جاں نہ اتارا آخر
 موج دریا کی طرح اٹھو سو اب کا ہیکو
 کام درپردہ کیا تم نے ہمارا آخر
 لوجی ہم نے ہی کیا تم سے کنار آخر
 اول عمر میں دیکھا اُسے جس نے یہ کہا
 ”کام آتش کا کرے گا یہ شرار آخر“
 جس سے دیں آنکھیں ملا اُس صنم کا فرنے
 اتنا گھورا کہ اُسے جان سے مارا آخر
 دوستان! مہنتی حسنتہ کا کیا کیجے علاج ق
 سوچ کر بہر خدا تم بھی تو کچھ بتلاؤ
 کار افتادہ بایں قوم، شمار آخر

۲۳۷

جس بت نے نہ باندھا کبھی زنار کمر پر
 شملہ دہی جو ہووے باندازہ شیخی
 اُس بت کے سبھی رہتی ہے تلوار کمر پر
 پھر دم ہے جو لٹکا سر دستار کمر پر
 کرنا نظر اُس کی، دم رفتار کمر پر
 اپنا بھی دھرے ہاتھ اگر یار کمر پر
 عاشق ہے تری زلف کا ہر تار کمر پر
 ہے پیچ گلے میں، سر دستار کمر پر
 اتنا ہے وہ آوارہ کہ جب دکھیں ہوں اُس کو
 اے مصحفی مؤچشم میں سوزن کے تیر ہے
 مت آنکھ کو سی اس کی تو زہار کمر پر

تیروں پہ تیر کھا کر زخموں پہ زخم اٹھا کر
 بے ٹھوکروں سے تیری مردوں کے دل کو صدمہ
 پیارے! یہ دشمنی ہے، کچھ دوستی نہیں ہے
 تم گھور کر جو دیکھا ظالم نے، ڈر کے مارے
 مت اُس چمن کے، یارو! تم گل کا رنگ پوچھو
 پیارے! یہ دیدہ بازی تم کو نہیں ہے اچھی
 آئے تری گلی سے ہم خون میں نہا کر
 محشر خرام میرے! تک راہ سے چلا کر
 پلکوں کو پھیر لینا، یوں انکھڑیاں میلا کر
 کل دوہیں پی گیا میں، آنکھوں میں آنسو لا کر
 آئے ہیں جس چمن سے ہم آشتیاں جلا کر
 منہ دیکھ آئے میں اپنا تک اک حیا کر

اے مصحفی یہ آنسو ضایع نہ ہونے پاویں
 پلکوں سے گر گریں تو دامن میں لے لیا کر

یہ دلی کا نقش اسوارا زمین پر
 قسم ہے سلیموں کی پیشیں زماں میں
 میں وہ سنگ رہ ہوں کہ جو بھوکروں میں
 فلک نے بوائے تین دؤر کھینچا
 زمین کٹ نہ جاوے مرے آنسوؤں سے
 میں آنکھوں کا تیری عجب رنگ دیکھا
 سر خضم ہو زیبِ فتراک ہے ہے!
 جو چاہے کرے فکر اچھی زمین میں
 جہاں سُم پڑا تیرے گھوڑے کا اس جا
 کیا بے ستوں میں، جو میں جا کے نالہ
 چلاشب وہ مجلس سے اٹھ کر تو وہیں
 گیا ہاتھ سے دل جو میرا، تو پھر وہ
 ق کلا عرش کو یاں اتارا زمین پر
 یہیں پر یوں کا تھا گزارا زمین پر
 پھرے ہر طرف مارا مارا زمین پر
 یہ حرکت ہوئی ناگوارا زمین پر
 چلے ہے سدا یہ دودھارا زمین پر
 نظارا فلک پر، اشارا زمین پر
 پھرے لو متا سر مہارا زمین پر
 نہیں ہے کسی کا جارا زمین پر
 ہوا جلوہ گر چاند سارا زمین پر
 بہا آب ہو سنگِ خارا زمین پر
 قیامت ہوئی آشکارا زمین پر
 پھرا لو متا جیسے پارا زمین پر

ترے کشتے کہتے ہیں آنکھوں سے تیری نظر کیجیو تک خدا را زمیں پر
کوئی مصحفی کو اٹھاتا نہیں ہے
پڑا ہے موا یہ بچارا زمیں پر

۲۴۰

گرا ب کے ہو جیے گل دسرو دامن سے دور
غیروں سے اختلاط رہا اُس کو تاسحر
ہر اک گلی میں ہو دیں اگر سیکڑوں کے خوں
کیا گردشِ فلک سے گلہ ہے، کہ لے گئی
چاہا تھا چٹکی لوں میں، کہ اتنے میں بول اٹھا
اے شمع! جاے رحم سے حال اُس پتنگ کا
مدفون کا تیرے کھوج نہ ثابت ملا، مگر
وہ نالہ کھینچے کہ جو پہنچے چمن سے دور
ہم ساری رات بیٹھے رہے انجمن سے دور
نامِ خدا کہ کچھ نہیں اس بانگین سے دور
ہم کو تو تیری چشم کی گردشِ دطن سے دور
”چل بے رکھ اپنے ہاتھ کو میرے بدن سے دور“
پابوس کی ہو س میں موا جو لگن سے دور
اک چنڈا استخوان تو پڑے تھے کفن سے دور

اُس بت کو مصحفی سے ملا دے مگر خدا

کیا لطف ہے جو ہو دے صنم برہن سے دور؟

۲۴۱

پتھر پہ جب گرے ترے ہاتھوں سے چھوٹ کر
اس آہِ شعلہ بار کو یارب یہ کیا ہوا ؟
غافلِ خبر لے جلد، کوئی تیری راہ میں
مدت سے شہرِ دل کا مرے بے چراغ ہے
رودے نہ کیونکہ شیشہ بھلا چھوٹ چھوٹ کر؟
اک بار رہ گئی جو ہوائی سی چھوٹ کر
کہتے ہیں، رہ گیا ہے ابھی سینہ کوٹ کر
کیا جانے لے گیا ہے اے کون لوٹ کر

مت مصحفی کے دل کو ٹپک اپنے ہاتھ سے

وہ آئنے نہیں کہ بنے پھر یہ لوٹ کر

زلف کا چھٹنا ترے رخسار پر ہے گٹھا کا جھومنا گلزار پر
 سیکڑوں کے دم میں ہو جاتے ہیں خون اُس گلی میں، سایہ دیوار پر
 اس عین میں اپنی ہستی کی مثال قطرہ شبنم ہے نوکِ خار پر
 مصحفی کرتا ہے کوئی نالہ فاش
 آئیں رکھ دیدہ خونبار پر



شاید ہوئی نہیں مری حاجت روا ہنوز سوے فلک دراز ہیں دستِ دعا ہنوز
 اس گل کو سینہ چاکِ عاشق سے کیا خبر؟ اس باغ کی لگی نہیں اس کو ہوا ہنوز
 اک دن ہلا دیا تھا کسی کی نگاہ نے آیا نہیں ہے تب سے مرادِ بجا ہنوز
 گو دوریوں میں تجھ سے، تو مجھ کو جدا نہ جان کم بخت دل مرا ہے ترا مبتلا ہنوز
 بیگانگی میں کیونکہ کروں، ہاے دل کے بیچ کرتی ہے سیرِ نگہ آشنا ہنوز
 دیکھا تھا ایک دن کہیں اس گل کو باغ میں آوارہ چمن ہے نسیم و صبا ہنوز
 ہاتھوں سے اُس کے رنگِ خاٹا گیا، دے ترپیں ہیں خوں میں کشتہ رنگِ حنا ہنوز
 لے دیدہ خوب روئے کہ اس نو بہار میں ہر اک پلک سے تیری نہیں خوں، بہا ہنوز
 دیکھا تھا مصحفی نے کہیں اس کو ایک دن
 پھرتا ہے کوچہ کوچہ وہ سرپٹتا ہنوز

ہے دلبروں میں تو ہی عاشقوں کا اک خونریز لہو بھرا ترادامن ہے ہم کو دستا دیز

ہو جیسے جام بلور میں بادۂ گلگوں
 اٹھا غبار تو وہ بھی ہوا مشابہ خط
 لگیں نہ کیوں لبِ محشوقِ دل میں عاشق کے؟
 شفا نصیب مرے کیونکہ ہو کہ اے یارو!
 گیا تھا اے مجھے دل، رات کو بے جاناں میں ق
 جو داں میں بیٹھ گیا پڑھ کے شہِ درد آمیز
 پکڑ کے ہاتھ یہ کہنے لگا کہ اے ظالم
 یہ کون جائے نشستن ہے، مہِ صفحہ بر خیز

۲۴۵

بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز
 اغیار کی مجلس میں جو تم جاتے ہوش کو
 باتوں میں لگائے ہی مجھے رکھتا ہے ظالم
 میں اپنی ہی کچھ زلیست سے جیتا ہوں دگر نہ
 اے غیرتِ خورشید! یہ روپوشی کہاں تک؟
 سادون کا سا گزر رہے، میاں! مجھ پہ تو ہر روز
 آرہتی ہے اس بات کی ہم تک بھی خبر روز
 وعدے وہی جھوٹے ہیں وہی، شامِ دسھر روز
 بندھ رہتی ہے قاتل کی، مرے خوں پہ کھر روز
 برقعے کو اٹھا، میری شبِ تار کو کھر روز
 اے مصحفی! اُس کوچے میں دل بسکہ لگا ہے
 جاتے نہیں اور کرتے ہیں ہم عزمِ سفر روز

۲۴۶

وہی ٹھوکر ہے اور وہی انداز!
 کس طرف کو کرم کیا؟ کوئی دم
 دیکھتے ہی پرِ کلاہ اس کا
 اس کا آہستہ بولنا ہے غضب
 قصۂ عشق ہے وہ طول و طویل
 اپنی چالوں سے تو نہ آیا باز
 آئیے بیٹھے نہ، بندہ نوازا
 ہوشِ عنقا کے کر گئے پرواز
 تس پہ ہے قہرِ نرمیِ آواز
 جس کا انجام ہے نہ کچھ آغاز

کہیں مطلوب کا نشان نہ ملا
 ہم نے عالم میں کی بہت تگ و تار
 رازِ دل کس سے کہیے حیراں ہوں
 نظر آتا نہیں کوئی ہمارا
 آنکھیں جب کھل گئیں، زمانے کے
 ہم نے دیکھے بہت نشیب و فراز
 نہیں معلوم آگے آگے ہمیں
 کیا دکھا دیں یہ طالعِ ناساز
 مرتبہ دیکھ کر سخن کا مرے
 رہے حیراں سبھی سخن پرداز
 جب سے ہم مانگنے لگے ہیں دعا
 دراجابت کا ہو گیا ہے فراز
 یہ بھی قسمت! کہ تیری مجلس میں
 ہم ذلیل اور غیر ہوں ممتاز
 تیری صورت کو جب سے دیکھا ہے
 خاک تو ہو گئے ہیں آئندہ سارے
 زلف جھک کر سلام کرتی ہے
 رخ کو، اور رخ کہے ہے عمر دراز
 میری تربت پہ آ، خراماں ہو
 سرکشی چھوڑ، اے بت طناز
 تیغ سے ایک کو نہ مارا ہاے!
 میں تو ہوں ان بتوں کا کشتہ ناز
 اے صبا! اس گلی میں گر جاوے ق
 کہیو میرا بھی تو سلامِ نیاز
 مصحفی لکھنؤ میں دلی سے
 آیا طے کر کے راہِ دور و دراز

لیکن اس خاک میں بھی اس نے کہیں
 کچھ نہ دیکھا بجز نشیب و فراز

۲۴۷

اچکا خط پہ سرمونہ گیا نازِ ہنوز
 دل و دیں لے تو چلے اب کہو کس کی خاطر
 کوچہ یار سے آئی ہے مگر صبحِ نسیم
 بے پردہ بال کیا، تو بھی قفس میں مجھ کو
 لگ گیا تھا کہیں ہاتھ اس کا ذرا مستی میں
 ان کے ہاتھوں سے کہاں جاؤں کہ اس مجلس میں
 ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط اندازِ ہنوز
 سرمہ آلودہ ہیں یہ چشمِ فسون سازِ ہنوز
 باغ میں گل کے جو ہیں بندِ قبا بازِ ہنوز
 چین دیتی ہی نہیں شوخی پر دازِ ہنوز
 پردہ دل سے مرے آتی ہے آوازِ ہنوز
 ذکر میرا ہی لیے جاتے ہیں غمنازِ ہنوز

گرچہ اس کو چے میں جاتا نہیں میں تو بھی دے
 کچھ نہ کچھ بات پڑھا رہتے ہیں عمار ہنوز
 ہوں میں اے مصحفی آئینہ نہ زنگ دے
 مجھ سے غافل ہے مرا آئینہ پرداز ہنوز

س

۲۲۸

روکش ہے ترے حسن سے، نے زہرہ نہ جلیں
 کچھ کم نہیں پھوڑے سے یہ دل میری بغل میں
 جس دن سے، میاں! عید کا تو چاند ہوا ہے
 با خاک برابر تو ہوئے ہاتھ سے تیرے
 اس سینے میں جو چاک ہے بے صرفہ دیا ہے
 دل لے گیا ہے ہاتھ سے کل میرے جو لڑکا
 کی حق نے عطا تیرے نیس صورتِ بقیں
 گر راتوں کو کھلتا ہے، تو ہے دن کو وہی ٹپیں
 روتے ہی گزرتے ہیں تیری یاد میں دن تیس
 ہم سوختہ جانوں کو، فلک! اتنا بھی مت پیس
 اس سینے میں کیا کام کرے سوزنِ ادریس
 ڈرتا ہوں کہ روانہ کرے، ہے وہ اک ابلیس

جاتے ہیں اگر پیرو جواں سیرِ چمن کو
 اے مصحفی جاویں، نہیں اس بات سے کیا ریس؟

۲۲۹

پہلو ہے مرا گرم بفرش پر طاؤس
 ہے شعلہ پر دو دل اپنا، کہ ہوا ہے
 اڑتے ہیں ان آہوں سے جو راتوں کو شرارے
 کیا نام رکھوں اس کا کہ یہ داغِ دل اپنا
 نیرنگی افلاک کو جس دن سے لکھوں ہوں
 سوہرے داغوں کی مزین ہے وہ سارا
 ہوں داغوں کی کثرت سے میں ہم بسترِ طاؤس
 کہ تاجِ خردس اور گئے افسرِ طاؤس
 آتا ہے ہوا بیچ نظرِ شکرِ طاؤس
 فلسِ پرما ہی ہے، نہ فلسِ پرِ طاؤس
 ہے خامہ مرا نقشِ کشِ پیکرِ طاؤس
 محتاجِ گواہی نہیں کچھ محضرِ طاؤس

یوں اس دلِ سی پارہ میں ہیں، داغِ بتاں کے
آنے کی ترے سن کے خبر، چمن میں
گلشن میں نہ رہتا وہ، اگر کوئی ذرا بھی
صوفی ہے تو ہنگامِ خوشی گر یہ کیا کر
کیا ذکر کرے پھر کوئی زیبائی کا اس کی
اے مصحفی رعنا نہیں محتاجِ تکلف
بالِ دپرِ طاؤس ہیں خود زلیخہ طاؤس

۲۵۰

نیرنگی ہے کس کی یہ چمن گسترِ طاؤس؟
گل کھاتے ہیں ازبس کہ ترے عشق میں، میں نے
کیوں آنکھ اٹھاوے کوئی آئینوں سے اس کے
رکھتا ہے جو کچھ، جوں زرِ گل اُس کو اڑا دے
کب نکلا میں نیرنگی رفتار سے اُس کی
شیطاں سے نہ غافل ہو کہ یہ تادیرِ فردوس
گروہ بتِ طناز ہو گلشن میں خراباں
فانی نہیں جس چیز کا محکم ہو علاقہ
طاؤس کا خوں مفت کیا، جس نے بنایا
اے مصحفی اک وضع نہیں رنگِ فلک کا
ہے دن کو پرِ زراغ تو شب کو پرِ طاؤس

۲۵۱

یار کرتا نہیں نگاہ، افسوس !
چشم پوشی سے اُس کی آہ افسوس

میں نہ دیکھا رخ اس کا آہ افسوس!
 تو نے میری طرف کو، اے گمراہ!
 ایک خط بھی نہ یار تک پہنچا
 دل مرا اُس کو چاہتا ہے، ولے
 جوں مہ عید چمپ گیا وہیں
 اُس کے جور و جفا سے دنیا میں
 کر گیا جھانک کر نگاہ افسوس!
 نہ غلط کی کہو بھی راہ، افسوس!
 مفت کا غد کیے سیاہ افسوس!
 اُس کو میری نہیں ہے چاہ افسوس!
 جلوہ کر کے وہ کج کلاہ افسوس!
 ایک عالم ہے داد خواہ افسوس!
 مصحفی دست و تیغِ خواباں سے
 ہو گیا قتل، بے گناہ افسوس!

۲۵۲

اٹھ گیا بن کے ہی یار افسوس!
 تادمِ نزع، اپنی آنکھوں کو
 دست اندازِ خلق سے لے گل!
 ہو گیا رازِ عشق فاش تمام
 اڑتے ہی اس کے تیر مژگاں کا
 نہیں قسمت میں تشنہ کاموں کی
 دیکھ کر مصحفی کو غرقِ بخوں ق
 جی کی جی میں رہی، ہزار افسوس!
 سقا تمہارا ہی انتظار افسوس!
 لٹ گئی تیری سب بہار افسوس!
 تجھ سے، اے چشمِ اشکبار افسوس!
 مرغِ دل ہو گیا شکار افسوس!
 تیری شمشیرِ آبدار افسوس!
 داغ ہے دل پہ اس کی صورت کا
 کیا ہی مارا گیا ہے یار افسوس!

۲۵۳

کیوں ترا مبتلا کیا؟ افسوس!
 مجھ سے، اے گردشِ فلک! تو نے
 کیا کہیں دل نے کیا کیا، افسوس!
 یار میرا جدا کیا، افسوس!

چھوڑ کر میری آشنائی کو اُس نے اور آشنا کیا، افسوس!
 آسنہ دیکھنا ہے، کیا معنی؟ تو نے ترک کیا کیا، افسوس!
 مصحفی اُس کے پان کھانے نے
 خوں مرا بر ملا کیا، افسوس!

۲۵۴

نقص طالع سے دیجے کس کو دوس
 اشک مژگاں پر آ کے کہتے ہیں
 یہ بھی قسمت کہ میں پریشاں ہوں
 چیت غافل کہ اب کوئی دم میں
 ہم سے وہ بھاگتا ہے لاکھوں کو س
 اپنی ہستی ہے کانٹے کی سی اوس
 اور زلفیں تری کریں پا بوس
 بجتا ہے کوچ کا یہاں سو کو س
 مصحفی اب تو گریہ کر موقوف
 آ سینوں کے خوں میں ڈوبے کو س

۲۵۵

کیوں نہ یہ زلف پھبے اب ترے رخسار کے پاس
 یہ اسیرانِ قفس لطف چمن کیا جانیں
 تجھ سے طمّاع سے پیارے بنے کیونکر سودا
 رستموں نے میاں ابرو سے تری منہ موڑا
 کہ طر حدار ہے زیندہ طر حدار کے پاس
 کون لیجاتا ہے ہم کو گل گلزار کے پاس
 جبکہ جز جان نہ ہو تیرے خریدار کے پاس
 دے ہیں ہیں کہ چلے جاتے ہیں تلوار کے پاس
 یہ اسیرانِ قفس لطف چمن کیا جانیں
 تجھ سے طمّاع سے پیارے بنے کیونکر سودا
 رستموں نے میاں ابرو سے تری منہ موڑا
 اب تلک چشمہ و سیلاب بھج جاتے ہیں
 جو مرے حال کو سنتا ہے وہ رو دیتا ہے
 حق تو یہ ہے کوئی کم ہووے گا ہم سا جاننا
 اُس کی ٹمک خاطر نازک ہی کا ڈر ہے ورنہ
 ایک دن روئے تھے ہم بیٹھ کے کہسار کے پاس
 ہاے اے جاؤں یہ غم کون سے غمخوار کے پاس؟
 شوق سے آپ چلے جاتے ہیں ہم دار کے پاس
 منہ تو سرگوشی میں لے جانا ہوں رخسار کے پاس
 مصحفی اک غزل اب اس سے بھی بہتر لکھ اور
 جا کے پڑھنی ہے ہم بیٹھ کے دو چار کے پاس

لوگ سب جمع ہیں اُس نگرں بیمار کے پاس
 جس نے رکھنا قفس کو مرے گلزار کے پاس
 بیٹھتا ہی نہیں تک، اپنے گنہگار کے پاس
 جا کھڑے ہوتے ہیں ہم، اس کے خریدار کے پاس
 دیکھتا ہوں اسے ہر دم ترے رخسار کے پاس
 جس کے تاجر بھی کمر بیچ ہو تلوار کے پاس
 دیکھتے کب تیں ہر دم تجھے اغیار کے پاس
 جس نے ہم کو نہ دیا بیٹھنے دیوار کے پاس
 کو لسا تحفہ کہ ہم نے گئے یار کے پاس؟
 کہ میں گھر مول لیا، خانہ خمار کے پاس

مصحفی چشم سے ساقی کی نہ رکھ تو صحبت
 بیٹھنا خوب نہیں صوفی کو میخوار کے پاس

ش

گل تو معلوم، لگے ہاتھ مرے خار ہی کاش!
 ایک ذرہ وہ دکھا دے مجھے رخسار ہی کاش!
 علف تیغ ہو لیکن یہ گنہگار ہی کاش!
 آہ کے غصے میں لگا دے کوئی تلوار ہی کاش!
 میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ہو دے مراد ہی کاش!
 کھول دے باد صبار خنہ دیوار ہی کاش!

نہیں دلدار کوئی، ہو دے دل آزار ہی کاش!
 جس کی میں حسرت دیدار میں جاں دیتا ہوں
 گرچہ عشاق ترے سارے ہیں گردن زدنی
 لطف سے اُس بتِ خوشخوار کے ہم درگزرے
 نظر آتا ہے مجھے دور سے جو طفلِ حسیں
 در گلزار تو کب منہ پہ مرے کھلتا ہے؟

مصحفی دیکھنا ہے اُس کے خریداروں کو
آج وہ جلوہ نما ہو سر بازار ہی کاش

۲۵۸

کرے ہے جوں جوں اپنے حسن کی وہ شوخ آرائش
تبسم اُس دہان تنگ میں کیونکر کہ رہ پاوے؟
مراد عشق کے گلشن کا اے یارو! وہ ببل ہے
جو نوکر سرو قد تیرے کے ہیں سرکارِ عالی میں
ہمارے عشق کی ہوتی ہے یاں دیسی ہی افزائش
کہ جس کے بیچ تنگی سے نہیں تنکے کی گنجائش
نہ آوے جس کو غیر از سایہ گل خوابِ آسائش
سوائے نقدِ غم ان کو ہے بالائی بھی پیدائش
نہیں کچھ مصحفی اتنا تو مفلس سوچتے کیا ہو
بطور امتحان کیجے کبھی اُس پر بھی فرمائش

۲۵۹

وقف، اے پیکِ نگاہ! دیدہ تر ہے درپیش
بزمِ ہستی میں کچھ آسودہ نہیں بیٹھے ہم
دل حیراں کی مرے دیکھو کیا صورت ہو؟
امتحان باتوں میں کرتے ہو ہمارا، اے واہ!
مثل آئینہ وہ حیرانِ تماشا ہے ترا
زلف درخسار کا اس آئینہ سیما کے خیال
دن ہیں برسات کے، اور رہ میں خطر ہے درپیش
جوں چراغِ سحری ہم کو سفر ہے درپیش
اب تو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے درپیش
کھینچے تیغ کو والدِ یہ سر ہے درپیش
جس کے صورت تری اے رشکِ قمر! ہے درپیش
اپنی آنکھوں کے غرضِ شام و سحر ہے درپیش
کیوں نہ رک رک کے گریں دیدہ ترے اباشمک
مصحفی دل کے مرے لختِ جگر ہے درپیش

۲۶۰

بھڑکے بے تپِ عشق کی دل میں غضبِ آتش
اے گریہ! چھڑک آ ب کہ ٹک جاوے دب آتش

کیا کام کیا تو نے؟ مرے دل کو جلایا!
 شاید کہیں گزرا ہے تو دامن کو جھٹک کر
 جھمکا تھا وہ اپنی ہی تو اس آتشِ دل کا
 کس ساعتِ بد ہوگی بنا خانہ دل کی؟
 جلنے کے سوا کام نہیں اس کو، رکھی ہے
 برق اس کے دم گرم سے کس طرح برآوے؟
 جل جائے گا عالم، مجھے مت خوف میں لاؤ
 کیونکر کہوں، بھراں میں ترے اب نہیں جلتا،
 انگارے سے دہکے ہیں مرے سینے میں اب تک

اے مصحفی پوچھ اس کی نہ کچھ نرمی و گرمی
 ظالم گہرِ لطفِ آب ہے، وقتِ غضبِ آتش

۲۶۱

دانستہ کیا جس نے مرا نام فراموش
 یاد آتا ہے جس وقت ترے کوچے کا جانا
 ہم سے سبقِ عشقِ مسلم نہیں ہوتا
 اللہ رے تری شوکت و شاں! دیکھ کے جس کو
 اک مرتبہ دیکھی جو تری چشم کی گردش
 میں ہوں وہ گرفتار کہ صیاد نے جس کو
 چھڑکا ہے نہ کہ اس نے مرے بختِ جگر پر

اے مصحفی کیا بھیج کے خط یاد دلاؤں
 اس نے تو کیا مجھ کو بہ ابرام فراموش

جنت کی تمنا ہے نہ گلزار کی خواہش
 دل دام میں زلفوں کے جو پھڑکے ہے تو پھڑکے
 منہ موڑ نہ قاتلِ اِدلِ کمِ ذبح سے میرے
 جی دوڑے ہے اس کا تونٹ اک تازہ ہوس پر
 بوسے کی طلب ہم بھی کریں اس کے لبوں سے
 مت جانو موئے پرگئی زامہ کی بزرگی
 ہے ظلم اُسے مرہم کا فور لگانا
 رہتی ہے یہیں اک ترے دیدار کی خواہش
 کام آتی ہے کیا مرغِ گرفتار کی خواہش
 ہے اس کے تئیں اور بھی اک وار کی خواہش
 ہو ایک تو کہیے دلِ بیسار کی خواہش
 نکلی ہو کبھی اس سے جو دو چار کی خواہش
 ہے ویسی ہی اب تک اُسے دستار کی خواہش
 جس زخم کو ہو مرہم رنگار کی خواہش

ہم بھی نہیں رکھتے ہیں دریغ اس سے سراپا
 اے مصحفی ہے یوں ہی اگر یار کی خواہش

ص

رکھتا ہوں میں تجھ سے جی سے اخلاص
 کیا جانے وہ قدرِ صافیِ دل
 دشمن کو بھی دوست جانتے ہیں
 دشمن تمہیں کون جانتا ہے ؟
 اے مخلص بے ریا کسی کے
 رکھتا ہے وہ دشمنِ محبت ق یوں اور تو ہر کسی سے اخلاص
 ہرگز نہیں اور کسی سے اخلاص
 ہے اس کو تو اُرسی سے اخلاص
 ہے اپنے تئیں سبھی سے اخلاص
 تم بانٹتے ہو سبھی سے اخلاص
 موقوف کیا ابھی سے اخلاص
 کیا جانے کیا خطا ہے اس کی
 جو ترک ہے مصحفی سے اخلاص

پاس اپنے تو، اے یارو! نے سیم نہ زرِ خالص
تیرے لبِ شیریں کا وہ نرخ نہیں پاتی
کیا عیب ہمارے کو، بتلاوے کوئی یارو
قطرات سے آنسو کے، ہیں تارِ نظر روشن
یا اشکِ مصفا ہیں، یا خونِ جگرِ خالص
ہر چند فروشنہ رکھتا ہو شکرِ خالص
ہیں عاشقِ صاف اُس کے رکھتے ہیں نظرِ خالص
میں اُس میں پروئے ہیں از بس کہ گہرِ خالص
اٹھ مصحفی مسجد سے میخانے میں آیا ہے
پیمانے میں اے ساتی بے لا کے تو بھرِ خالص

ض

کچھ خط ہی نہیں فداے عارض
لغزش سے نظر نہیں ٹھہرتی
پھر گل کی طرف کبھو نہ دیکھے
جوں زلف ہوں گو کہ دل پر لیشاں
ہے زلف بھی مبتلاے عارض
الشرے تری صفاے عارض
بلبل کو جو تو دکھاے عارض
جانے ہے تری بلاے عارض
خالی ہے ہمیشہ جاے عارض
میں دل نہ دیا سواے عارض
کم حوصلہ تھا، کسی کو جوں خال

مُنہ پیٹتا دیکھ مصحفی کو

دل نے بھی کہا کہ ہاے عارض

دیکھ آئیے میں اپنی وہ بہارِ عارض
مل گئے خاک میں گل چہرہ ہزاروں ایسے
پیار کی نظروں سے ہوتا ہے نثارِ عارض
کہ نہ جھاڑا کسی نے ان کا غبارِ عارض

آنہ صدقے گیا تھا ترے مکھڑے کے میاں
 زلف کو دیکھ کے تیری مجھے رشک آتا ہے
 گل کا یہ منہ ہے کرے حسن کا اس کے دعویٰ؟
 اب دے عارض کے تلے ہاتھ دھرے ہوتے ہیں
 عالم نیم رخی کو تری تصویر کے دیکھ
 کیا برے لوگ ہیں وہ بھی جو مرے گلرو کا
 اس میں کاہیکو ستھے یہ نقش و نگارِ عارض
 کہ میسر ہے اُسے بوس و کنارِ عارض
 ہر دم ہونہ سکیں جس کے دو چارِ عارض
 کبھی گل تکیوں پہ تھا جن کا قرارِ عارض
 مل گئی خاک میں سب گل کی بہارِ عارض
 نگہ گرم سے کرتے ہیں فشارِ عارض
 مصحفی مجھوں کس کا میں جو رہتی ہیں سدا
 پتلی آنکھوں کی مری آنہ دارِ عارض

ط

۲۶۷

کس دن لکھا تھا آپ کو میں عاشقانہ خط؟
 بغداد حسن بھی ہے عجب جاگہ جس کے بیچ
 ہم کب سزاے نکبت بادِ بہار تھے؟
 کھینچا ہے بس کہ سرفلک بحرِ اشک نے
 دے دن گئے کہ پیتے تھے جامِ شرابِ درخ
 افزاں! کہ نامہ بر کے مجھے اضطراب سے
 جو سو سو گالیاں مجھے دیتے ہو بے نقط
 دیتے نہیں خلیفہ کو اک جرعه آبِ شط
 ایدھر بھی ہو گئی رہِ پیکِ صبا غلط
 ہے نسرِ طائر اُس میں شنادرِ لبانِ بط
 اپنی معاشِ خونِ جگر پر ہے اب نقط
 مہلت ہوئی نہ اتنی کہ دے لوں قلم کو قط
 محشوش ہاتھ آیا تھا دیوانِ مصحفی
 لکھتے ہوئے چلے گئے ہم بھی غلط سلط

۲۶۸

رکھتا ہے بس کہ ہاتھ گریباں سے اغلاط
 جوں گل ہے چاکِ جیب کو داماں سے اغلاط

کیا جانے خواب بند کیا کس کی چشم نے!
 جوں گل سوائے شبِ نیم الماس ریز ہا
 مذہب میں اپنے دوستی تنگ کفر ہے
 دے دن گئے کہ تھا دلِ صد چاک کو مرے
 بن سازش اس کی بزم میں پاوے نہ بار شمع
 کرنا ہمیں ضرور ہے درباں سے اختلاط

امرد پرست تو نہیں اتنا میں مصحفی
 پریش دکم ہے فرقہ نسواں سے اختلاط

ظ

۲۶۹

عالم ہے مرے بیاں سے محفوظ
 سینے پہ لگی سناں جو اُس کی
 کیا جانے وہ لذتِ قفس کو؟
 تو ساتھ نہ ہو تو، ہم نہ ہو دیں
 ہم لذتِ زخم پر مریں ہیں
 بلبِل کی فناں تو بے اثر ہے
 اک زخم بھی کارگر نہ آیا
 جو مردہ پسند لوگ، ہو دیں ق

میں عشق کی داستاں سے محفوظ
 دل خوب ہو اسناں سے محفوظ
 جو مرغ ہو آشیاں سے محفوظ
 سیرِ گل دگستاں سے محفوظ
 وہ ہوتے ہیں امتحاں سے محفوظ
 کیا ہو دے گل اس فناں سے محفوظ
 ہوں کشتے ترے کہاں سے محفوظ؟
 اے مصحفی رفتگاں سے محفوظ

میں عیسیٰ وقت ہوں تو ہرگز
 ہوں دے نہ مری زباں سے محفوظ

میں کیا گریہ، دن اور رات شروع
میری تربت پہ کوئی شعر پڑھو
یار مل کر وہیں جاتا بھی رہا
میں گیا بزم میں اُس کی تو، بہ غیر
دیکھیں پایانِ محبت کیا ہو
عشق کی پڑھتے ہیں جو شخص حدیث
پھر ہوا موسمِ برسات شروع
نہ کرو مصحفِ آیات شروع
کرنے پائے بھی نہ ہم بات شروع
کیں وہیں اس نے اشارت شروع
ہیں ابھی عشق کی آفات شروع
دے نہیں کرتے ہیں مشکلات شروع

مصحفی دیکھیے کیا ہو؟ اس نے
کی ہے غیروں سے ملاقات شروع

ہر ایک کی معاش کی ہے اک وضع
ہے سروِ چین اگرچہ خوش ڈول
اب تک دمِ آخری میں میرے
ہے گل کا قماش سرخ اور زرد
تدبیر و تلاش کی ہے اک وضع
پر تیری تراش کی ہے اک وضع
نالے کی خراش کی ہے اک وضع
بلبل کی قماش کی ہے اک وضع

اے مصحفی دیکھ، ماہِ نو میں
اُس زین کی قاش کی ہے اک وضع

جن کے مکاں چین ہیں دے لوٹیں بہارِ شمع
ہم غمزدوں کی بزم میں کب ہے گزارِ شمع؟

تاریک گوہرِ ادرِ عدم، جا دیں گے چلے
کیا صبح ہوتے بجلی پڑی اس پہ کیا ہوا؟
صحت اگر یہی ہے تو اس انجمن کے پنج
ہے رشک مجھ کو اس کے نصیبوں پہ، کیا ہوں
بے داغ ایک تارِ گریباں نہیں مرا
ہر شب تصویرِ رخ پر نور میں ترے
منعِ قلق بہ تیغ بھی عاشق کو ہے محال
روکش نہ مجھ سے دشمنِ کم مایہ ہو سکے
لے کر گیا ہوں داغِ سہی قاتلاں، بہ خاک
دیکھا تھا اُس کو پردہٴ فانوس سے کہیں
شوخی تو دیکھ، ہاتھوں سے بکھڑا چمپا لیا
پردانہ سرپٹک کے لگن ہی میں مر گیا

کچھ دے نہیں ہیں ہم کہ کریں انتظارِ شمع
کیوں سرد ہو گیا نفسِ شعلہ بارِ شمع؟
کچھ گل کھلا رہے گا، دلِ داغدارِ شمع
پروانہ کس طرح سے ہوا ہے تارِ شمع
گر سوختہ میں ان کو بنا یا ہے تارِ شمع
تا صبح میری آنکھیں رہیں ہیں دوچارِ شمع
کچھ سرکٹے سے کم نہ ہوا اضطرابِ شمع
کیا آگے آفتاب کے ہے اعتبارِ شمع
بکجو مرے مزار پہ روشن قطارِ شمع
تھمتے نہیں ذرا مرثہٴ اشکبارِ شمع
لے کر گیا میں رات جو اُس کو دوچارِ شمع
ایسے کہاں نصیب کہ ہو ہمکنارِ شمع

دیکھا ہے جب سے اُس مہتاباں کو مصحفی
کچھ زرد ہو گیا ہے تبھی سے عذارِ شمع

غ

۲۷۳

باندھے ہیں جب کمر سے مرا خوش خرام تیغ
یوں بے دریغ فزح کیا کس کو جو تری
لڑنے لگی ہیں پھر تری آنکھیں ہر ایک سے
کہتے ہیں یوں کہ قطع ہوا و ہوس کرو
کیا جانے کس کو قتل کیا! آج مضطرب

کرتی ہے خونِ بے گتہاں، گامِ گام تیغ
تا قبضہٴ بھری ہے لہو سے تمام تیغ
چلتی ہے دوستوں میں پھر اب صبح و شام تیغ
دیکھیں ہیں یہ جو برِ رخِ ماہِ سیام تیغ
آتا ہے ہاتھ میں وہ لیے بے نیام تیغ

صیاد نے کیا ہے عجب ظلم اختراع
 اس کی ہر ایک وضع کے کشتے ہیں ہم، کہ ہے
 کیا رحم تجھ کو میری جوانی پر آگیا؟
 کرتا ہے جاے دانہ نہاں، زیرِ دام تیغ
 دستِ کشیدہ خنجر و طرزِ سلام تیغ
 لی وقتِ قتل تو نے جو کل تمام تھا آتیغ
 کیا جانے کس کے خون کا وہ پیاسا ہے مصحفی
 رکھنے لگا ہے ہاتھ میں اپنے مدام تیغ

۲۷۴

کبھی جو غصے کے وقت اس کے ہاتھ آئی تیغ
 اگر یہ ہاتھ ہیں تیرے، تو ایک دن ہم کو
 نہ بچ کے آیا کوئی اس کے ابرو مزہ سے
 تو اس نے کھینچ کے میرے ہی اک لگائی تیغ
 اگر یہ ہاتھ ہیں تیرے، تو ایک دن ہم کو
 نہ بچ کے آیا کوئی اس کے ابرو مزہ سے
 اسے بھی سخت تمنائے سرخ پوشی تھی
 دیکھا ہوا کہ مرے خون میں نہائی تیغ
 وہ خانہ جنگ پھنکیتوں میں ہے بڑا ہتھ پھٹ
 سر اس کا دوہی کیا جس کے اک لگائی تیغ
 میں چاند روزے کا دیکھے تھا شب کھڑا سرِ بام
 کہ اتنے میں ترے ابرو نے لاد کھائی تیغ
 وہ بیچ چوک کے کل مصحفی سے بگڑا تھا
 لپٹ کے یاروں نے ہاتھ اس کے بے چھائی تیغ

۲۷۵

جب اس نے قبضہ پکڑا ہاتھ میں اسٹھائی تیغ
 ہمارے ساتھ بڑی اس نے کج ادائی کی
 میں شب جو سربفلک کھینچنے کا قصد کیا
 قیامت ایک، غریبوں کے سر پہ لائی تیغ
 تری کمر پہ میاں جس نے کج بندھائی تیغ
 تو کہکشاں نے مجھے دُور سے دکھائی تیغ
 کہ قتل کر مجھے دامن میں کل چھپائی تیغ
 جب اس نے سر پہ مرے پیارے لگائی تیغ
 چمک کے سر پہ مرے برق سی کچھ آئی تیغ
 اٹھایا سر جو میں گا ہے، تو دستِ قاتل سے

سنا ہی ہو گا یہ قصہ، کہ مر گیا قابیل ق جب اُس غریب کے ہا بیل نے لگائی تیغ
مقامِ عشق میں ایسے ہی خون ہوتے ہیں عجب نہیں ہے جو بھائی پہ کھینچے بھائی تیغ
کئے وہ کیونکہ نہ دل میں کہ مصحفی شبِ دوش
میں خالی دے گیا وار اس نے جب چلائی تیغ

۲۷۶

مرے سینے کا بن سرخی نہیں داغ
فلک پر بھی ترے خالِ جبیں نے
ہوئے تھے جل کے خاکِ تر جہاں ہم
ترے بندِ خا کا کشتہ ہے دل
برنگِ لالہ جس پہلو کو دیکھو
دھلا یا دستِ دتِ تیغ اُس نے تو کیا، بچ
برنگِ لالہ ہے یہ آتشیں داغ
کیا ہے ماہ کو، اے مہِ جبیں! داغ
عجب کیا ہے وہاں کی موزیں داغ
تبھی تو یہ کہیں خوں ہے کہیں داغ
ہمارے دل کا ہے پہلو نشیں داغ
رکھے ہے خون کے اب تک آستیں داغ

مراد دلِ مصحفی خاتم بنا ہے

ہے اس خاتم پہ نیلم کا نگین داغ

۲۷۷

آتا ہے عجب سچ سے وہ کا ندھے پہ دھرے تیغ
بیٹھے ہیں ہو س کشتہ کئی آج سرِ راہ
قاتل جو لگانا ہے تو ٹک ہٹ کے لگانا
اے صیدِ دل! اُس کو چے سے جاوے گا کہدِ مرکب
کیا جانے علمِ قتل کو اب کس کے کرے تیغ!
جی دینے پہ، مت لایو ظالم تو درے تیغ
ڈرتا ہوں ترا خون میں دامن نہ بھرے تیغ
مڑگاں کے درے تیر ہیں، ابرو کی پرے تیغ

اے مصحفی اُس گل کی نہ ہو طبعِ شگفتہ

جب تک کہ مرے خوں میں وہ نگین نہ کرے تیغ

ف

۲۷۸

تھے جو جنوں زدہ، گئے زنجیر کی طرف
ہر اک کشش میں اُس کی کھنچا جا ہے جی مرا
ہاتھوں سے اپنے ایک بن آیا جو کچھ تو ہم
جب کر چکا تمام تو پھر، آہ رہ گیا
قاصد جواب خط کا مرے خاک لائے گا
مشتاق دید میں ہی نہیں تیرے تیر کا
دلی پہ ردنا آتا ہے کرتا ہوں جب لگا
سب عقدے کھول دیجو اس کے توائے صبا
یوں قتل کرنے ڈالیے باتوں میں میری جاں
جب لعل لبک اپنے تو ہوتا ہے درفشان
مانی نے ہاتھ سے قلم صنع رکھ دیا
اپنی ہی تیغ کاری کی تعریف اس نے کی
رسوا کریں ہیں یا ر مجھے در نہ مصحفی
اپنا مزاج تو نہیں تشہیر کی طرف

۲۷۹

دیکھا ہے جبکہ اس بت خود کام کی طرف
ہم اُس شکار گاہ کے صیاد ہیں جہاں
ادروں نے جاتھوں سے منہ اپنے بھڑائیے
خاطر کو میل ہی نہیں آرام کی طرف
آیا نہ پر بھی اڑ کے کبھی دام کی طرف
کم ظرف ایک ہم ہی گئے جام کی طرف

گردش تمھاری چشم کی دیکھیں کدھر کو ہو؟
 پروانہ وار تو جو نہ آیا تو جل گیا
 یہ آنے میں آنکھ ہی پھرنے پہ کی نگاہ
 آغازِ خط میں حسن کا کھاتے نہیں فریب
 ترکیب والے اور بھی دلی میں ہیں، ولے
 جو اس گلی سے گزرے ہے دیکھے ہے بار بار
 میرے نوشتے پر نہ منسو، دیکھو ٹک میاں!

تکتی ہے ساری بزم اسی جام کی طرف
 میں دیکھ کر چراغِ سرِ شام کی طرف
 دیکھا مری بھی گردشِ ایام کی طرف؟
 مدِ نظر جنھوں کے ہے، انجام کی طرف
 غالب ہے دلبرانِ خوش اندام کی طرف
 در کی طرف گئے تو گئے بام کی طرف
 اپنے رقیب کے بھی سرا انجام کی طرف

دیکھا جو بچتہ میوہ کوئی میں نے مصحفی

دل لے گیا مجھے طمعِ خام کی طرف

۲۸۰

زلفیں رہیں مکھڑے پہ کھل، اک اس طرف اک اس طرف
 میں ہوں وہ میکش، اے مناں! مجلس میں جس کی سورتیاں
 ساعد کا میرے پشت درو، کہنی تک سب داغ ہے
 گرتیری یکتائی کرے شمشیرِ غیرت کو علم

موتی رہے کانوں میں ڈھل، اک اس طرف اک اس طرف
 کف پر لیے ہیں جامِ مل، اک اس طرف اک اس طرف
 کھاتا رہا ہوں بسکہ گل، اک اس طرف اک اس طرف
 ہو جاویں دوہیں جزد و کل، اک اس طرف اک اس طرف

جادوں کدھر؟ اے مصحفی، تیغیں نکالے ہاتھ میں

ابر در میں قاتل کے تل، اک اس طرف اک اس طرف

۲۸۱

افنی سیاہ ہے تری زلف
 سنبل پہ پڑے ہے آنکھ کس کی؟
 رخسار تر ہے گل ولیکن
 گردِ گل مارِ حلقہ زن ہے

یا مری ایک آہ ہے تری زلف
 تاپیشِ نگاہ ہے تری زلف
 اُس گل کی گیاہ ہے تری زلف
 یا ہالہ ماہ ہے تری زلف

کیوں کر کوئی اس سے بچ کے نکلے مارِ سرِ راہ ہے تری زلف
دل چاکی و خستگی پہ میری باشا نہ گواہ ہے تری زلف
آنکھ اس سے بندھی ہے مصحفی کی
زنجیرِ نگاہ ہے تری زلف

۲۸۲

ساتھ ساقی کے گیا اپنا تو مے پینے کا لطف اس سے مرنا ہی بھلا، اب کیا رہا جینے کا لطف
سبزہٗ تو خیز خط کا حسن کچھ پنہاں نہیں لعل سے لب سے ترے پیرا ہے اس مینے کا لطف
تو نے مٹہ پھیرا اور اس کا نور سا جاتا رہا تھا تری صورت ہی تک اے یار آئینے کا لطف
ہم تو عاشق پیشہ ہیں کیا جانیں ان باتوں کو آہ! ایسے معشوقوں کے پوچھا چاہیے کیسے کا لطف

صبح کے مانند ہے چاکِ گریباں تک بہار
مصحفی پنہاں نہیں اس شوخ کے سینے کا لطف

ق

۲۸۳

کس سے کہیے آہ! کیا ہوتا ہے عشق؟ کچھ نہ پوچھو بد بلا ہوتا ہے عشق
ماجرائے عشق تو مجھ سے نہ پوچھ سخت کا فرما جرا ہوتا ہے عشق
کام بیگانے سے کچھ اس کو نہیں آشنا سے آشنا ہوتا ہے عشق
اس کا مارا کوئی بچتا ہی نہیں ہاے تیرے خطا ہوتا ہے عشق
نظریں کس پر ہیز سے کرتی ہیں سیر جب تلک باہم چھپا ہوتا ہے عشق
فسق کو کہتے نہیں ہم لوگ عشق یعنی عشقِ با صفا ہوتا ہے عشق
گو کہ بے عشقی میں گزرے سال و ماہ عاشقوں سے کب جا ہوتا ہے عشق

عشق مت کر عشق مت کر مصحفی
مان اے ناداں برا ہوتا ہے عشق

۲۸۴

کھیل جاتے ہیں جان پر عاشق جان دیتے ہیں آن پر عاشق
کوئی ان گالیوں سے ٹلتے ہیں ہم ہیں تیری زبان پر عاشق
خواری ان عاشقوں کی، وہ جو ہوئے تجھ سے ناقدردان پر عاشق
تازہ آفت تو ایک یہ ہے کہ ہم ہوئے اس نوجوان پر عاشق
جان دینے کو سود جانتے ہیں ہم ہیں اپنے زبان پر عاشق
اس قدر گرتی ہے کہ تو یہ برق ہے مرے آشیان پر عاشق

مصحفی گرتو، مرد کامل ہے
دل نہ رکھ اس جہان پر عاشق

۲۸۵

کسی پر میں نہ یاں از خود کیا عشق کچھ آ پھی آپ پیدا ہو گیا عشق
یہ سب چہلپیں ہیں اس کی ہی طرف سے تکلف بر طرف کیا حسن، کیا عشق
کیا رسوا عبث یاروں نے واللہ مجھے اک دیکھنے کا اس سے تھا عشق
کیا بندہ بتوں کا مجھ کو اس نے ہے یار و بخت کا فرما جبر عشق

نہیں دل بستگی ہر گز کسو سے
مگر بے مصحفی اک شعر کا عشق

۲۸۶

عشق میں اس کے ہوئے ہیں بسکہ ہم رسواے خلق رات دن اکٹراٹھایا کرتے ہیں ایذاے خلق

خلق سب مجھ کو برا کہتی ہے تیرے عشق میں
 گو کہے، میرے تئیں بھی کب ہے اب پرواے خلق؟
 ہلے جس کوچے میں نالے کی ہمیں رخصت نہ تھی
 اب اسی کوچے میں ہے آٹھوں پہر غوغاے خلق
 ایک یوسف جلوہ گر ہے مصر کے بازار میں
 تپہ اس کے ساتھ ہے یہ گرمی سوداے خلق
 مصحفی کے سر پہ رہو سایہ تیری زلف کا
 آفتاب حشر میں جس دن کہ ہو دے جائے خلق

ک

۲۸۷

وے شخص جو کہتے ہیں کہ ہے ذاتِ خدا ایک
 دیکھیں تو بتاں کو بھی بھلا آ کے ذرا ایک
 ان خانگی معشوقوں سے نسبت نہیں اس کو
 وہ خانہ بر انداز تو ہے طرفہ بلا ایک
 ایمان سا جاتا رہے ہے شیخ کا وہیں
 ہوتی ہے جو پانچوں میں نماز اس کی تفسیر
 اس کوچے میں آئے تھے کفن باندھ کے سر سے
 جو یار، سواں ان میں سے توحیدانہ بچا ایک
 قاتل ہے تجھے تیغ کا گرا اپنی بھر دسا
 تادوی کرے مجھ کو تو ایسی ہی لگا ایک
 شاید کہیں سر کھینچا مرے سرورِ داں نے
 جو آج گلستاں کی طرف فتنہ اٹھا ایک

جب مصحفی ریختہ گو ہو گیا خاموش
 مذکور ہوا سب میں کہ اس فن وہ تھا ایک

۲۸۸

روتے روتے سو گیا ہے یہ دلِ رنجور ملک
 لے فناں! اس وقت تو تو مجھ کو رکھ معذور ملک
 زخم پر میرے نمک چھڑکا مرے جراح نے
 کیا غضب ہوتا، جو رکھتا مرہم کا فور ملک
 اب ملک خمیازہ کھینچیں ہیں پڑے اس باغ میں
 سو گئے تھے ہم بزیرِ سایہ، انگور ملک
 آئینہ کیا، جس کو دل چاہے تمہارا دیکھیے
 پر میاں! ارکھے ہماری بھی طرف منظور ملک

اب تلک زگر کی آنکھیں ہیں خجالت سے جھکی
 بو سے لے لے بے ادب کھودیتے ہیں رونق تمام
 داموئی تھیں باغ میں وہ زگر مسخوڑ تلک
 آدے ہے اس طفل کے چہرے پہ جو ہی نور تلک
 مردوزن کا حشر ہے کوچے میں اس کے مصحفی
 ماجرا کہیے گا کم ہونے تو دے یہ شور تلک

۲۸۹

کہاں ہم اور وہ رونا سحر تلک
 ادھر آدیکھ چشم خونفشاں میں
 یہ باتیں ہو چکیں بس چشم تر تلک
 بہارِ لالہ ہے داغِ جگر تلک
 وہ اب تلوار کھینچے کیوں نہ آدے؟
 دریاغ اس سے نہیں یاں ہم کو سرتک
 چہ جائے غیر یارب اس گلی میں
 مجھے ہے رشک اپنے نامہ بر تلک
 نہ اڑ جاویں گے اب تو چھوڑ صیاد
 رہے دام و قفس میں بال و پر تلک
 چہ جائے زلف اس آئینہ رُو کو
 خیالِ سایہ ہے موئے کمر تلک
 گرے ہے مصحفی کوئے بتاں میں
 کوئی اب ہم سے پہنچا جا ہے گھر تلک؟

۲۹۰

شب شوق لے گیا تھا میں اس کے گھر تلک
 گر ہم کو تلک گئی ہیں کبھی ہچکیاں تو ہم
 پر غش سا آگیا وہیں، پہنچے جو در تلک
 ڈرنا ہوں میں یہ گم نہ کرے آپ کو کہیں
 آٹھ آٹھ آنسو روئے ہیں دود پر تلک
 پروانہ کیا اڑے ہے چراغاں میں، تو نہیں
 پھر جعد کو ہوتی ہے رسانی کمر تلک
 صحرائے کشتگاں میں ترے کل گیا تھا میں
 پہنچا جو کوئی شعلہ ترے بال و پر تلک
 پھیلاؤ بھرا شک کا اپنے میں کیا کہوں
 دیکھوں تو لالہ زار ہے حدِ نظر تلک
 وے دن کدھر گئے کہ میں مکھ مکھ کے خطِ شوق
 پہنچی ہے موجِ گرہ یہ مری بحر و بر تلک
 جاتا تھا آپ گرہ یہ کناں، نامہ بر تلک

تیزی میں نوکِ شترِ مژگاں کی کیا کہوں دل میں اگر چھپے تو وہ پیرے جگر تلک
شب اس کی بزم میں جو گئے ہم تو مصحفی
ایسے جمے کہ واں سے نہ اٹھے سحر تلک

۲۹۱

لاوے تو لاوے اس کے تئیں میرے گھر تلک پہنچا تو ہے یہ نالہ مقامِ اثر تلک
کالے کی لہر ہووے نخل جس کے سامنے اللہ رے تیری زلف کا چھٹنا کمر تلک
گودل میں بال ہے ترے، ہو جائے گا درست پہنچا اگر یہ شیشہ کسی شیشہ گز تلک
لنگی ہے تیری تیغِ تغافل، عجب ہے یار گرموجِ خوں نہ گزرے دو عالم کے ستر تلک
ہو جاں گے تیلیوں ہی پہ آنسو توڑے کی بوند گر کام کر گئی توفِ دل چشمِ تر تلک
آنسو وہ لعلِ بیش بہا ہے، کہ جو ہری قیمت میں جس کی دیتے ہیں لعل و گہر تلک
اپنا چراغِ عمر سہرِ شام ہو گیا جلنے کا اس کے کام نہ پہنچا سحر تلک

جاتا ہے گر تو یار کے کوچے میں مصحفی
چل میں بھی تیرے ساتھ ہوں اس گز تلک

گ

۲۹۲

کہتی ہے نمازِ صبح کی بانگ اٹھ صبح ہوئی ہے کچھ دعا مانگ
دیکھا میں چہار دانگِ عالم پر ہاتھ لگا نہ کچھ بھی اک دانگ
سیمیں بدن اس کا، چاندنی میں ڈرتا ہوں گپھل نہ جاوے جوں رانگ
ٹوٹا جو ہمارا شیشہ، دل پہنچے گی فلک تک اس کی گل بانگ
بہروپ ہے یہ جہاں کہ جس میں ہر روز نیا بنے ہے اک سانگ

کرتا ہوں سوال جس کے در پر آتی ہے یہی صدا کہ ”پھر مانگ“
 دلی میں پڑیں نہ کیوں کہ ڈاکے؟ چوروں کی ہر ایک گھریں ہے سناںگ
 لے شوخ یہ خونِ مصحفی ہے
 چل بیچ کے نہ آتے جاتے یوں لانگ

۲۹۳

اس نے دیکھا صاف کیا اس دیدہ پر خونِ کارنگ
 اس قدر کا ہے کوچہ اس جوان کا زرد ستھا
 لالہ خود رو کی جا کر دیکھ نک اس کے بہار
 جس طرح ابر سیہ سے جلوہ فرما ہوا شفق
 کب حناے بستر کے باندھے سے حاصل ہو وہ بطف؟
 نیم سہل کی طرح خون میں تڑپا کر رہ گیا
 گرچہ موسو بار دھویا اس نے آبِ گرم سے
 کچھ مکدر سا نظر آیا مجھے جیوں کا رنگ
 عشقِ لیلیٰ نے کیا ہے ہاے یہ مجنوں کا رنگ
 جیسے کنڈن سا جھمکتا ہے پڑا ہوا مول کا رنگ
 یوں سی سے ہے نمایاں اس لبِ میگوں کا رنگ
 گوارٹ کر یا پھر باندھیں مرے مضمون کا رنگ
 آخر آخر یہ ہوا پیارے ترے مفتوں کا رنگ
 دامنِ قاتل سے پر چھوٹا نہ میرے خون کا رنگ
 آہ پر سخت جگر کو کر دیا تو نے جو نصب
 مصحفی کیا تھا یہی اس مصرعِ موزوں کا رنگ

۲۹۴

رکھتی ہے جو عارض کی ترے جلوہ گری رنگ
 دیکھا ہے تجھے جلوہ کناں جب سے چمن میں
 روکش ترے ہونٹوں سے جو ہوتا ہے وہ شاید
 جو نالہ کہ آغشتہ بخوں سینے سے نکلا
 تربت پہ مری ہم نفساں عود جملانا
 یار وادیم آخر ہے مرا یا اس کے مارے
 دیا تو کہاں پادے میاں جو رو پری رنگ
 ہر گل کا اڑاتی ہے نسیمِ سحری رنگ
 ہے تشنہ خون اپنا عقیقِ جگری رنگ
 پایا نہ میں اس میں بھی بجز بے اثری رنگ
 یعنی ہوں میں مقتولِ لباسِ اگری رنگ
 کیوں زرد نہ ہو جیسے چراغِ سحری رنگ؟

رکھتی نہیں ہرگز تری نازک کمری رنگ
 رکھتی ہے ترے تیر کی پھر کیوں یہ سری رنگ؟
 اب کیونکہ نہ ہو حسن کا تیرے سفری رنگ؟
 رکھنا نہیں ایسا کوئی گل برگ تری رنگ
 زخموں میں چرایا ہے یہ خونِ جگری رنگ
 ہے بزم نشینانِ جہاں کا سفری رنگ
 ہو جاوے سبک و دہی عقیقِ جگری رنگ

اے مصحفی جو گل کہ اگا خاک سے میری
 لایا نہ وہ آخر کو بجز بے ثمری رنگ

ل

۲۹۵

بھر جادیں گے روتے روتے جل تھل
 مجھ کو بھی اُسی جگہ تو لے چل
 جس نے کہ کیا ہے مجھ کو بیکل
 دیکھا نہ بخواب فرشتے مٹل
 مجھ کو بھی تو ذبح کر لے اوّل
 دل منتشر و حواسِ مختل
 نکلے ہی نہ تھا کبھی ترا بل

اے مصحفی اب سزا کو پہنچا
 اس کوچے میں تو، پھر آئیوکل

اُمڈے ہیں نین سے آج بادل
 اے عشق! جہاں ہے یار میرا
 یارب! کہ نہ چین سے وہ سووے
 نت اپنی تو بورے پہ گزری
 گر قتل کرے ہے عاشقوں کو
 کیا فکر کریں کہ ہے ہمیشہ
 سیدھا ہوا بارے مار کھا کر

دامن کے تئیں ذرا اٹھا چل
یعنی یہ ہے عاشقوں کا مقتل
ہے عشق وہ بحرِ بے سر و بن
آخر ہے نہ جس کا کچھ، نہ اول
کچھ اٹیٹھے ہی جائے ہے وہ ہم سے
اللہ رے تیری زلف کا بل
صنہل کا درخت ہے ترا قد
اور ہاتھ ہیں جیسے شاخِ صنہل
کیا سرے کی کچھ سیاہی کم تھی؟
آنکھوں میں دے آئے ہو جو کا جل

یہ حضرت مصطفیٰ کا سر ہے
پاؤں کے تلے تو اس کو مت مل

چپ، بس بہت ہوئی تری فریاد مبتذل
اب آپ کو نہ کر دلِ ناشاد مبتذل
آیا نہ مرغِ تازہ، کبھی تیرے دام تک
کھینچا بھی کوئی تو نے تو صیاد مبتذل
آگے صفائے عارض و قد کے ترے میاں!
ہے حسن و جلوہ گل و شمشاد مبتذل
بیدار یہ پڑا ہے کہ پاؤں میں خلق کے
ہوتا ہے تیرا کشتہ بیداد مبتذل
اے خوں نہ جوش کیجیو اس نو بہار میں
صد جا ہوا ہے نشترِ فصّاد مبتذل
ہو مرغِ دل نہ طائرِ زنگِ حنا کی طرح
ہاتھوں میں تیرے طفلِ پر نیراد مبتذل
یاروں کی فکرِ تازہ کی عالم میں دھوم ہے
مضمون باندھتے نہیں استاد مبتذل
اور ہی ادا ہے تیغ لگانے میں یار کے
ہے وضعِ قتل کی ترے جلا د مبتذل
پہنچے ہے کب وہ داد کو عاشق کی دوستان
ہوتا نہ خوب شیوہ بیداد مبتذل

دنیا نہ جائے دید ہے موند آنکھیں مصطفیٰ
پاتا ہوں میں بہت یہ غم آباد مبتذل

آکر ہماری خاک پہ اس نے چڑھائے گل
آخر کو جذبِ عشق نے یاں بھی کھلائے گل

گریہ روش ہے تیری تو دامن کی جھونک سے
ہے دیدنی بہار، جنوں کی مرے کہ میں
آیا تھا صبح، بند کھلے کون باغ میں
پھڑکے نہ کیونکہ فصل بہار آتش جنوں
خوبانِ مہنتہ دوست کے ملنے سے درگزر

پامالِ ناز ہو دیں گے سب تختہ ہائے گل
ٹکڑے جگر کے رکھے ہیں سر پر بجائے گل
ہو آج چاک چاک ہے جیبِ قباے گل
دامن جھپکتی آتی ہے ہر دم ہواے گل
آتے ہے ان کے رنگ میں بڑے دفائے گل

ہم کو چین میں جانے سے کیا ربط مصحفی
نے آشناے بلبل و نے آشناے گل

۲۹۹

گو نہ ہاتھ آئے ہمارے ترے رخسار کا پھل
بند کر لب کہ نتیجہ ہے دعا کا دشنام
میوہ خانہ اس حسنِ زبس شیریں سے
غیر از سببِ رنخاں نہیں درکار مجھے
گو کہ وہ تلخ تر از طعمِ سہم قاتل ہو
دیکھتا تو ہے مرے تپ کو وے یہ ڈر ہے

ہم نے نظروں سے چنا گلشنِ دیدار کا پھل
دوستی چھوڑ کر کہاں دشمنی ہے پیار کا پھل
اس کے خواہندہ نہیں کھاتے ہیں بازار کا پھل
باغباں تجھ کو مبارک رہے گلزار کا پھل
کامِ عشاق میں میٹھا ہے غنیمتِ یار کا پھل
ہاتھ کہیں جاوے سپولوں میں نہ غمخوار کا پھل

مصحفی قبضے میں رکھوں گا میں اس ابرو کو

زور ہی ہاتھ لگا ہے مرے تلوار کا پھل

۳۰۰

کر دیا اس کی کمر نے ہم کو بہیاری خیال
گر خیال اس کا کبھی آیا ہے اپنے خواب میں
یاد آتا میکہ میں راتوں کو جب بیدار تھا
دہ برہن زادہ ہووے کیونکہ یار اپنا، کہ ہے

بیٹھے بیٹھے ہو گئے ہیں ہم گرفتارِ خیال
خواب میں بھی ہم رہے ہیں ناز بردارِ خیال
سختی مری آنکھوں کی پتلی خالِ رخسارِ خیال
باندھنا مشکل کمر سے اس کی زناںِ خیال

جس گھڑی رفتار کا تیری تصور بندھ گیا
پھر رہی آنکھوں ہی میں پھرتی وہ رفتارِ خیال
دیکھیے سوداے کاکل سے بچے گا کیونکہ دل؟
بے طرح پیچھے پڑا ہے اس کے آثارِ خیال
اُس کے آنے کا بھی اب وہ بے وفامانچ ہوا
ہم غنیمت جانتے تھے جس کا دیدارِ خیال
ہو چکے وہ دن جو وہ رشکِ قمر تھا رو برد
مصحفی اب میں ہوں تنہا اور شبِ تارِ خیال

۳۰۱

دھویا گیا تمام ہمارا غبارِ دل
گریے نے دل سے خوب نکالا بخارِ دل
اتنا نہیں کوئی کہ خبر اُس کی آ کے لے
کب سے بچھا پڑا ہے چراغِ مزارِ دل
دل جس گھڑی کہ ہونے لگے صدقے یار کے
اس وقت اپنی جان ہی کیجے نثارِ دل
صبر و قرار کب کا ہمارے وہ لے گیا
سمجھے تھے جس کو مایہ صبر و قرارِ دل
تیر و کہاں کو لے کے وہ نکلا ہے ہاتھ میں
اُس بت کو پھر ہوئی ہے ہوائے ثکارِ دل
کہتے ہیں داغِ عشق کسے، ہم کو کیا خبر
اک قطرہ خونِ گرم تو ہے ہم کنارِ دل
ہونٹوں تک آتے آتے ہوئی وہ بھی سرد، آہ!
اک آہِ سرد سختی جو مری غمگسارِ دل
مانندِ لالہ اس چمنِ دہر میں مرا
یہ داغِ تازہ ہے سببِ افتخارِ دل
بجور ہوں میں کیونکہ کروں ضبطِ گریہ، آہ!
نے اختیارِ چشم ہے، نے اختیارِ دل
دل داغِ غم سے جل کے ہوا خاک، یا نصیب!
لائی یہ رنگِ تیرگی روزگارِ دل
آتا ہے جی میں، پہلو میں دل کو چھپا رکھوں
یاں تک کہ وہ کیا ہی کرے انتظارِ دل
رازِ دل اپنا کس سے کہوں ہاں مصحفی
ملتا نہیں کوئی مجھے تو راز دارِ دل

۳۰۲

یوں پڑا رہتا ہے اس ابرو سے خمدار میں بل
جیسے ہوتا ہے پرانی کسی تلوار میں بل

پیچ پر پیچ ہی کھاتا ہے جو دیکھے ہے اُسے
 بیٹی ہی جاتی ہے کچھ اس کے بدن سے کافر
 جو سہی سر و گلستانِ خوش اندامی ہیں
 دل اُبھتا رہتا صبح ہمارا، شب کو
 پیچ پگڑی کے تری رشک سے بل کھاتے ہیں
 اینٹھی ہی جاتی ہے کچھ زلف تری عاشق سے
 ہاتھ اے بہلہ نہ رکھ اُس پہ کہ میں ڈرتا ہوں
 ہیں پڑے بسکہ تری پٹی دستار میں بل
 اُس برہمن بچے کے بسکہ ہے زنار میں بل
 ہر قدم چلتے ہوئے کھاتے ہیں رفتار میں بل
 پڑ گیا اس کے جو پھولوں کے دریا میں بل
 جب سے دیکھے ہیں ترے طرہ طار میں بل
 تب تو پڑتا ہے میاں اس کے ہر اک تار میں بل
 پڑ نہ جاوے کہیں موئے کمر یار میں بل

مصحفی جبکہ وہ مستانہ قدم رکھتا ہے
 کیا غضب پڑتے ہیں اس کی فی میخوار میں بل

م
 ۳۰۳

جب واقفِ راہ دروشِ ناز ہوئے تم
 نسبت تمہیں کیا تازہ نہالانِ چمن سے
 میں تم سے نہ بولوں گا کبھی اے لبِ تشنہ!
 وہ خاک مرقع ہوئی اے دیدہ خونبار!
 مرغانِ چمن کرتے ہو کیوں ہرزہ درائی؟
 پہنے سے میاں جامہ گل دوز کے بر میں
 عالم کے میاں خانہ بر انداز ہوئے تم
 اب نامِ خدا سرور سرفراز ہوئے تم
 اُس بن بہ تبسم بھی اگر یار ہوئے تم
 جس خاک کے صفحے پہ چمن ساز ہوئے تم
 کیا قہر ہوا کچھ جو خوش آواز ہوئے تم
 طاووس صفت اور بھی طناز ہوئے تم

اے مصحفی مرغانِ چمن رہ گئے خاموش
 جب باغ میں جاز مزہ پرواز ہوئے تم

۳۰۴

ہر چند ہے وہ نورِ نظر و بروئے چشم
 تس پر بھی چمن دیتی نہیں جستجوئے چشم

تم اس میں اپنا پھول سا مکھڑا نہ دیکھیو
 آتی ہے آنے سے میاں مجھ کو جوئے چشم
 جب دیکھتا ہوں گل کو تو اُس مو کمر بغیر
 جھمکیں ہیں آب اشک میں گلبرگِ نختِ دل
 بن دیکھے روئے خوب کے رہتی نہیں کبھی
 کیا کیجیے یہی پڑی اپنی تو جوئے چشم
 پیارے جو سوطر ح کا ادا فہم ناز ہو ق
 سمجھے تو سمجھے وہ ہی تری گفتگوئے چشم
 یعنی کہ اُس کی چشم کو دیکھا ہی کیجیے
 ہے مصحفی مری تو یہی آرزوئے چشم

۳۰۵

بے نام و نشان بہت رہے ہم
 کچھ بات چلی تھی شمعِ رو کی
 اب جاتے ہیں اس جہاں کو، تم میں
 شب گھر سے وہ ماہِ رو نہ نکلا
 اس بت کی کمر کبھو نہ دیکھی
 کیوں سوئے عدم ابھی سے جاویں
 تم جاؤ چلے کہ تم سے پیچھے
 مرزاں کی صفوں میں کل مقابل
 جاتا ہے اچٹ دل اپنا دوہی ق
 اب چلیے کہیں کو لکھنؤ سے
 اے مصحفی! یاں بہت رہے ہم

۳۰۶

ایک سے آنکھیں لڑا بیٹھے ہیں ہم
 ان دلوں پھر جی چلا بیٹھے ہیں ہم

جب بہار آئی ہے گل کے سامنے
 دیکھ کر آشفۃ اس کی زلف کو
 بے حواسی سے شب اس کی بزم میں
 بن بلائے در پہ تیرے بار ہا
 چھپر مت، ہر دم نہ آئینہ دکھا
 دیکھ کر آنکھوں کو اس کی مصحفی
 ان دنوں سرمہ سا کھا بیٹھے ہیں ہم
 کر گریباں چاک، جا بیٹھے ہیں ہم
 در کے مارے منہ چھپا بیٹھے ہیں ہم
 حال دل اپنا سنا بیٹھے ہیں ہم
 جب ہوئی ہے صبح، آ بیٹھے ہیں ہم
 اپنی صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

۳۰۷

جب تک کہ میں ہوں، رہو میرے دربر و چشم
 دیکھا ہے جب سے رخنہ دیوار کو ترے
 کب چھوڑتا ہے دامنِ مڑگاں سے داغِ خوں؟
 جانا میں تیرے رخنہ دیوار سے کہ یار
 سرخی سی اب تلک نظر آجائے ہے مجھے
 یاں تک کیا میں گریہ کہ خواباں کے عشق میں
 مت مجھ سے منہ چھپاؤ اے آرزوئے چشم
 رہتا ہے آفتاب کا اودھر ہی روئے چشم
 جب تک نہ موجِ گریہ کر شست و شوئے چشم
 تجھ کو بھی چین دیتی نہیں جستجوئے چشم
 اے گریہ تو نے خوب نہ کی شست و شوئے چشم
 ساتھ آبرو دے اپنی، گئی آبروئے چشم
 نرگس نہیں یہ تربتِ یوسف پہ مصحفی
 تھا خوب روئے خاک پر اس کی علوئے چشم

۳۰۸

یوں چلتے ہیں لوگ راہِ ظالم؟
 اوروں کی طرف تو دیکھتا ہے
 ہے راست تو یہ کہ میں نہ دیکھا
 کچھ رحم بھی ہے؟ تری جفا سے
 کوئی چال ہے یہ بھی آہِ ظالم؟
 ایدھر بھی تو کر نگاہِ ظالم؟
 تجھ سا کوئی کجکلاہ، ظالم؟
 اک خلق ہے داد خواہ، ظالم؟

کس واسطے بولتا نہیں تو؟ کیا مجھ سے ہوا گناہ ظالم؟
 اے مصحفی دل کہیں نہ دیجے
 ہوتی ہے بری یہ چاہ ظالم

۳۰۹

ہے خطِ یار، شب کو نیا لکھ رکھیں گے ہم
 مارے صفا کے دل میں ٹھہرتا نہیں وہ حسن
 ہیں یادگارِ عالم فانی یہ دونوں چیز
 پر مبتذل ہوا ہے تو اے شوخ بعد ازین
 اہم نہیں سمجھ میں کہ کہتے ہیں کس کو عشق؟
 عتابِ اشک سے تپِ دل دور ہو گئی
 قاصدِ تو صبح آئیو، جا لکھ رکھیں گے ہم
 کاغذ اور پر یہ حسن و صفا لکھ رکھیں گے ہم
 اُس کی جفا اور اپنی وفا لکھ رکھیں گے ہم
 ہر جانیوں میں نام ترا لکھ رکھیں گے ہم
 اک پرزے پر یہ حرفِ جدا لکھ رکھیں گے ہم
 کتنی مفید ہے یہ دوا لکھ رکھیں گے ہم

کرنا نہیں اسے قلم اندازِ مصحفی
 یہ ریختہ ہوا ہے نیا لکھ رکھیں گے ہم

۳۱۰

غنچے نے ترے لب سے لیا دامنِ تبسم
 لاکھوں کو کیا صید تری جنبشِ لب نے
 زلفوں میں اچنبھا نہیں کچھ اُس کی بنا گوش
 گلِ رشک سے جلتے ہیں، جو کرتا ہے چمن میں
 جس گھر میں ہو خورشیدِ رخِ یار کا جلوہ
 کون آج تری بزم میں آیا ہے جو ساقی!
 اندازِ نزاکت ہے حد اس غنچہ دہن کا
 اس زیرِ لب خندہ کے کشتوں میں ہوں جس کا
 اور آنکھوں سے سیکھا گلِ بادامِ تبسم
 گلشن میں ہزاروں کا ہوا دامنِ تبسم
 یاں کرتی ہے نت صبحِ تیرے شامِ تبسم
 چولی کے مسکنے میں وہ اندامِ تبسم
 موجود ہے واں تابہ لبِ بامِ تبسم
 مہنتی ہے صراحی، کرے ہے جامِ تبسم
 کیونکر نہ رگِ گل پہ رکھے نامِ تبسم
 نزدیک ادا فہوں کے ہے نامِ تبسم

اے مصحفی میرے دلِ ناساد کی خاطر
ایجاد کیا اس نے بہ دشنام تبسم

۳۱۱

سننے پائے نہ دہن اس کے سے دشنام تمام
تو وہ گل ہے کہ گلستانِ جہاں میں پیارے
میں ہوں اس کفر کے صدقے کہ اب اس صیاح
بے تکلف تری آنکھوں سے اُسے کیا نسبت
کوئی صیاد نہیں سوے چمن رو کرتا
میں وہ گردن زدنی ہوں کہ تماشے کو مرے
کہیو ساقی سے کوئی جاوے جو میخانے میں
اتنا بے قدر تو ہوں میں کہ کسی نے ہرگز
جنش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام
محو ہیں تیری ہی سچ دھج کے گل اندام تمام
لے گئی زلف تری رونقِ اسلام تمام
کیونکہ سوزن زدہ ہے دیدہ بادام تمام
اس برس ٹوٹے پڑے ہیں قفسِ ودام تمام
شہر کے لوگ کھڑے ہیں بہ سرِ بام تمام
کہ دعا دیتے ہیں تجھ کو یہ مے آشام تمام
اُس کے منہ سے نہ سنا ہو گامِ انا تمام

مصحفی اتنی سمیت ہے کہاں کا لے میں
زہر کی گانتھ ہے وہ زلفِ سیہ فام تمام

۳۱۲

جوں شمع، داغِ غم نے جلا یا بدن تمام
وہ مرغِ نیم بسلِ نازِ بتاں ہوں میں
ہیں کشتہ اس کی تیغ کے کتنے پر اس طرح
مژگانِ چشمِ یار کی خنجر زنی نہ پوچھ
اس کے بدن سے حسن ٹپکتا نہیں تو پھر
شیریں بہت چڑھی تھی سراس کے سوا فرش
از لبس کہ دل رکھے ہیں وہاں کتنے مار کر

نکلی نہ دل سے پر ہوسِ سوختن تمام
رنگیں ہے جس کے خون سے صحنِ چمن تمام
لو ہو میں شورِ بور ہے کس کا کفن تمام
ہیں معرکے میں عشق کے وے صفِ شکن تمام
لبریز آبِ درنگ ہے کیوں پیرہن تمام ؟
کھا آپ زخمِ تیشہ ہوا کوہن تمام
لو ہو سے بھر رہا ہے وہ چاہِ ذقن تمام

ہم کو قسم ہے یار کی لکنت کی مصحفی
گراؤں کے منہ سے ہم نے سنا ہوسخن تمام

۳۱۳

ہوتا نہیں ہے یار کا جور و ستم تمام
کاغذ نہ آیا داں سے کبھی ہائے لے نہ دیکھا
سودا نہ کیونکہ کیجیے ابرو سے یار سے؟
اس بت کدے میں ہے کوئی تجھ سا بھی جلوہ گر
سو بار تو نے وعدہ کیا اور نہ پھر ملا
دامدگاہ کی رہ سے کبھی پھر بھی کر گزر
اس منجھلے میں کاشکہ ہو جاویں ہم تمام
خط لکھتے لکھتے گھس بھی گیا یاں قلم تمام
تیغ و لایتی کی طرح ہے وہ خم تمام
حیراں ہیں جس کی شکل کے نت یہ صنم تمام
تیری تو یار جھوٹی ہی نکلیں قسم تمام
چشم پر انتظار ہیں نقش قدم تمام

وہ شخص دل گداختہ ہوں میں کہ مصحفی
ٹپکے ہے گفتگو سے مری درد و غم تمام

۳۱۴

وہ دن گئے کہ ہم کو کبھی تھا ریا سے کام
پیدا کیا ہر ایک کو اک کام کے لیے
باد صبا سے بیش ہے واں اپنی رفتگی
اتنا جو ہم سے رہتے ہو بیگانہ میری جاں
ملک ان بتوں کی چشم کی گردش تو دیکھیو
خالف ہیں تند خوئی سے تیری جوابل ہوش
اپنی مرادیں مانگنی ساری گئے ہیں بھول
کیا کیجیے کہ اب تو پڑا ہے خدا سے کام
اس کو جفا سے کام ہے، ہم کو وفا سے کام
تس پر بھی ہائے ہم کو ہے باد صبا سے کام
شاید پڑا ہے تم کو کسی آشنا سے کام
خانہ خراب، کرتی ہیں کس کس ادا سے کام
تو دیکھ تو کہ لیتے ہیں کس التجا سے کام
شام و سحر ہے اب ہمیں تیری دعا سے کام

خالی کروں ہوں رنجیتہ کہہ دل کو مصحفی
نہیں سے مدد ہے نہ کچھ مر جا سے کام

یا ترستے ہیں نفس میں باغ تک جانے کو ہم
لائے گردش میں تو اپنے سر کے پیمانے کو ہم
جوں جس دغا شک پھر آندھی ہیں جل جانے کو ہم
دیکھتے ہیں جبکہ پائے شمع پروانے کو ہم
بوسہ لینے کو رقیب، اور گالیاں کھانے کو ہم
روزی اک شان سے جاتے ہیں ویرانے کو ہم
صبح کو دیویں اگر چھڑیں اس افسانے کو ہم

یا تو گل دیتے تھے چن کر خویش و بیگانے کو ہم
مے اگر پی ہم نے بن ساقی تو خونِ دل پیا
یار دامن سے ترے کوئی شعلہ بھڑکا چاہیے
اپنا سر رکھنا قدم پر تیرے، یاد آتا ہے یار
کچھ تولے شیریں لبو! انصاف بھی درکار ہے
فوجِ طفلان بہ قفا اور اشکِ گلگوں در جلو
شمع آساقصہ سوزِ دل اپنا ہے دراز

مصطفیٰ ہرگز کسی کی بات کو سنتا نہیں
کب تلک سمجھاویں یارب ایسے دیوانے کو ہم

میں بہ کنجِ قفسِ فغاں میں ہم
کرتے گردِ فرقِ جسم و جاں میں ہم
ایک پردہ سادر میاں میں ہم
آگ رکھ دیں گے آشتیاں میں ہم
یاں رہے مہر کے گمان میں ہم
تیر رکھتے ہیں جب کہاں میں ہم
تنگ آئے تھے اس مکان میں ہم
رخنہ کر دیں گے آسماں میں ہم
روتے ہیں موسمِ خزاں میں ہم
طاقت اس جسمِ ناتواں میں ہم

کیا کریں جا کے گلستاں میں ہم
جاننے آپ سے جدا تجھ کو
ہیں تجلی ذات کے تیری
گل کا یہ رنگ ہے تو اب اک دن
داں تغافل نے اپنا کام کیا
آسماں کو نشانہ کرتے ہیں
مر کے نکلے نفس سے، خوب ہوا
گر یہی آہ ہے تو دیکھو گے
شاخِ گل کے گٹے سے لگ لگ کر
باغ تک جاتے، ہاں اگر پاتے

مصطفیٰ عشق کر کے آخر کار

خوب رسوا ہوئے جہاں میں ہم

کچھ اس قدر نہیں سفر ہستی و عدم
 شیخی تو دیکھ رات گلتاں کو لے گیا
 ملنے کا ہم سے تو نہیں لے آرزوے جا!
 وہ آفتاب چہرہ کہیں ہو گیا تھا صبح
 چھوٹے نہ دام زلف سے اُس صید بند کے
 شبنم سے آنسوؤں کی مرے دیکھو صفا
 کب اعتدالِ قدر کو ترے پہنچے ہے میا!
 گر پانو اٹھائیے تو یہ عرصہ ہے دو قدم
 ٹکڑے جگر کے آپ میں دامن میں کرہم
 اک روز ہو چکیں گے اسی آرزو میں ہم
 ہیں اس چین میں سبرے کی مڑگاں ہنوز ہم
 سر کو پٹک پٹک کے موئے طائرِ حرم
 بلسل! تجھے بہ پاکئی دامنِ گلِ قسم
 ہر چند سرو بھی ہے بخوش تاملی علم

کیونکر نہ حرف اس کے بھلا پیچدار ہوں
 لکھتا ہے مصحفی صفتِ زلفِ خم بہ خم

صیاد نے ہمیں نہ کیا صید، ہے ستم
 کاغذ یہ میری چشم سے آنسو ٹپک پڑے
 اگلی پڑے ہے اب تو ترسی تیغِ خوش غلاف
 کیا سراٹھا دیں اب کہ مہ نو کو دیکھ کر
 بے صرفہ کیجیو نہ گریباں کو میرے چاک
 آئے تھے شوقِ دام میں اڑا شیاں سے ہم
 جب کر چکا میں نامہ بصد آرزو رقم
 آگے تو اس قدر تو نہ تھا مائل ستم
 دھوکے میں تیغِ ابرو کے مارے پڑے ہیں ہم
 ناموسِ عشق کی ہے تجھے اے جنوں قسم

نومید مصحفی سے نہ ہو یا رو وقتِ نزع
 تم نے سنا نہیں ہے کہ اک دم ہزار دم

نقشِ نگیں ہے دل میں تو اپنے بتاں کا نام
 ہوتا ہے دل شگفتہ کب اُس بن، مرے حضور
 گو یاد ہو دے ان کو نہ مجھ خستہ جاں کا نام
 آکر کے لو ہزار کوئی گلتاں کا نام

بتلاؤ کہ بھول گیا ہوں میں، بوجھ کر
 عنقا کی طرح کوچے میں عزت نشیں ہوں، لیک
 یاں خار و خس کے آتشِ گل ہے سُرائے میں
 جانا تنقا میں بہار ہے، کل باغبان سے
 یارو! کسی کو یاد ہے اُس دل ستاں کا نام
 مشہورِ روزگار ہے مجھ بے نشاں کا نام
 مرغِ چمن تو لیجیو مت آشیاں کا نام
 منہ زرد ہو گیا مرا سنتے خزاں کا نام
 سردے چکانہ مصحفی اس بات پر، میاں!
 مت لیجیو ہر کسی سے کبھی امتحاں کا نام

۳۲۰

جب تک کہ تری گالیاں کھانے کے نہیں ہم
 جتنا کہ یہ دنیا میں ہمیں خوار رکھے ہے
 ہو جادیں گے پامال، گزر جادیں گے جی سے
 آنے دوائے جس کے لیے چاک کیا ہے
 جب تک کہ نہ چھڑ کے گا کلاب آپ وہ آکر
 جادیں گے صبا باغ میں گلگشتِ چمن کو
 اٹھ کر ترے دروازے سے جانے کے نہیں ہم
 اتنے تو گنہگار زمانے کے نہیں ہم
 پر سترے قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم
 ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم
 اس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم
 پر تیری طرح خاک اُڑانے کے نہیں ہم
 اے مصحفی خوش ہو گا نہیں ہم سے وہ جب تک
 سرکاٹ کے نذر اس کی بھجانے کے نہیں ہم

۳۲۱

سراپنے کو تجھ پر فدا کر چکے ہم
 تو سمجھے نہ سمجھے ہیں، ساتھ تیرے
 خدا سے نہیں کام اب ہم کو یارو!
 میں پوچھا "مرا کام کس دن کرو گے؟"
 حقِ آشنائی ادا کر چکے ہم
 جو کرنی تھی اے بے وفا کر چکے ہم
 کہ اک بت کو اپنا خدا کر چکے ہم
 تو یوں منہ پھر کر کہا "کر چکے ہم"
 تماشا سے زلفِ دوتا کر چکے ہم
 گھر سے تو اب ان کو چیرے میں اپنے

تو جاوے نہ جاوے جو کرنی تھی ہم کو
سماجت تری اے صبا کر چکے ہم
نہ بولیں گے پیارے تری ہی سنیں گے
تو دشنام دے اب دعا کر چکے ہم
کہہو کام اپنا کسی سے نہ نکلا
بہت خلق کی التجا کر چکے ہم

لڑی مصحفی آنکھ جس سے کہ اپنی

پھر آخرا سے آشنا کر چکے ہم

۳۲۲

وہ چاندنی رات اور وہ ملاقات کا عالم
کیا لطف میں گزرا ہے غرض رات کا عالم
جاتا ہوں جو مجلس میں شب اُس رشکِ پری کی
آتا ہے نظرِ مجھ کو طلسمات کا عالم
برسوں نہیں کرتا تو کہہ دو بات کسو سے
مشتاق ہی رہتا ہے تری بات کا عالم
کر مجلسِ خواباں میں ذرا سیر کہ باہم
ہوتا ہے عجب ان کے اشارات کا عالم
دل ان کا نہ لوٹے کبھی پھولوں کی صفا پر
شبِ نیم کو دکھا دوں جو تری گات کا عالم
ہم لوگ صفات اُس کی بیاں کرتے ہیں، ورنہ
ہے وہم و خرد سے بھی پرے ذات کا عالم
وہ کالی گھٹا اور وہ بجلی کا چمکنا
دیکھا جو شبِ ہجر تو رویا میں کہ اُس وقت
یاد آ یا شبِ وصل کی اوقات کا عالم

ہم مصحفی قانع ہیں بخشک و تر گیتی

ہے اپنے تو نزدیک مساوات کا عالم

۳۲۳

کیا وصل کی شب کی میں کہوں رات کا عالم
وہ رات تھی یارب کہ طلسمات کا عالم
ہر چند کہ سمیں برناں خوب ہیں سارے
پر سب سے جدا ہے یہ تری گات کا عالم
اوقاتِ بسر، خونِ جگر کھا کے کروں ہوں
عالم سے جدا ہے مری اوقات کا عالم
کیا کام ہے دل پھر نا اُس رشکِ پری کا
تسخیر میں یاں اپنی ہے جنات کا عالم

اے مصحفی چل تو بھی قطب کو کہہ ہیں

آتا ہے بہت چھڑیوں میں میوات کا عالم

ایک عالم میں کیا تو در بدر میرے تئیں
دن میں سو سو بار جانا اس کے گھر میرے تئیں
دل گیا اس کی گلی میں، ظلم مجھ پر کر گیا
رو بروغیروں کے آنا، یہ کوئی انصاف ہے
وائے بے صبری کہ رک کر جب کبھی روتا ہوں میں
چپ ہی رہنے دو مجھے، پوچھو نہ کوئی میری بات
بعد مدت کے لگی ہے صبح ہوتے میری آنکھ

رہ سکا ہرگز نہ دل بن دیکھے اس کے، مصحفی
شوق نے آخر بنایا نامہ بر میرے تئیں

بوے گل لائی ہی آخر شور پر میرے تئیں
چندے اک آسودگی سے کیا ہی لگ جاتی تھی آنکھ
شب کوئی پیچھے یہ میرا دشمنِ حبانی نہ ہو
کر کے مجھ سے اختلاط آخر کو پچپتائے ہی تم
خوبیِ قسمت تو دیکھو، ہو گیا ان سے بھی بیر
مجھ کو ہے صیاد سے شکوہ کہ اس بے درد نے

سرمہ آسا خاک میں لے مصحفی میں مل گیا
کھا گئی کیا جانے کس کی نظر میرے تئیں

از بس کہ نہیں قرارِ جی میں
خط ہو کے ندانِ منہ پر آیا
سو گزریں ہیں باتیں یارِ جی میں
تھا اس کے جو کچھ غبارِ جی میں
لگتے ہی ہوا دوسارِ جی میں
جوں ناوکِ غمزہ اس نے پھینکا

ہے کہ بھرے ہیں سو ملولے
میں دیکھ کے تجھ کو رو دیا جب
سن ایک ہی سخن کدھر چلا تو؟
سوزن سے کوئی نکالے کیونکر؟
اک بارتیری گلی میں آوں
میں تجھ سے کہی سب اپنے دل کی
اے مصحفی! درد کا ادب کر
اوپر ہے جو کچھ سوارِ جی میں

۳۲۷

کوئی مے بند کرے، کوئی پری شیشے میں
سبز جامے میں ترا لطفِ بدن گر دیکھے
لختِ دل پھرتے ہیں یا ڈال گئی ہے لاکر
اس نے مانگی تھی مے سرخ ولیکن میں نے
ٹکڑے ٹکڑے جو ترق کر یہ ہوا، تھی ساقی
موم ہو جاوے وہیں دیکھے اگر پتھر بھی
خُم کے خُم ہو گئے خالی مرے مے پینے سے

مصحفی آج تو ساقی کی خوشامد ہے ضرور
بھر کے لایا ہے مے بے خبری شیشے میں

۳۲۸

اور اگر پھول و پان دیتے ہیں
ایک شب رہ ہمارے پاس، اے بت!
جان لینے میں اضطراب ہے کیا؟
ہم نے چاہا بہت کہ بیٹھیں ولے
ہم سمجھیں اپنا جان دیتے ہیں
ہم خدا درمیان دیتے ہیں
لیجیے مہربان دیتے ہیں
بیٹھنے آسمان دیتے ہیں؟

مے ہمیں ہیں کہ دستِ دشمن میں اپنا تیر و کمان دیتے ہیں
 ہم تو بیروں باغ ہی کب کے ق مصحفی اپنا جان دیتے ہیں
 بخت اُس کے کہ جس کو گلشن میں
 جاے یک آشیان دیتے ہیں

۳۲۹

پردہ اٹھا کے مہر کو رخ کی جھلک دکھا کہ یوں
 آتشِ گلِ چین کے بیج جب ہمہ سؤمہو شعلہ زن
 جو کوئی پوچھے، جانِ من! شوخی و حباوہ کس طرح
 شیشے کے بیجِ دختِ رز کرتی ہے شوخ چشمیاں
 نظریں ملائے گر کوئی تجھ سے کبھی تو حبانِ من!
 کبک و تدرو گر کریں آگے ترے خرامِ ناز
 باغ میں جا کے سرو کو قد کی بچک دکھا کہ یوں
 اپنے لباسِ سرخ کی اس کو بھڑک دکھا کہ یوں
 لمعہ برق کی طرح ایک جھمک دکھا کہ یوں
 تو بھی ٹک اپنی چشم کی اس کو بھڑک دکھا کہ یوں
 اس کے سینے تو دوڑے آنکھیں تنک دکھا کہ یوں
 اپنی خرامِ ناز کی ان کو لٹک دکھا کہ یوں
 راتوں کا تجھ سے جاگنا گر کوئی پوچھے، مصحفی
 چشمِ ستارہ باز ہیں، اُس کو فلک دکھا کہ یوں

۳۳۰

اور سب تم سے ورے بیٹھے ہیں
 پھٹ چکا جب سے گریباں تب سے
 شیشہ مے کی طرح، اے ساقی!
 قتل کا کس کے ارادہ ہے جو آپ؟
 ایک ہم ہیں کہ پرے بیٹھے ہیں
 ہاتھ پر ہاتھ دھڑے بیٹھے ہیں
 چھڑ مت ہم کو، بھرے بیٹھے ہیں
 ہاتھ قبضے پہ دھڑے بیٹھے ہیں
 مصحفی یار کے گھر کے آگے
 ہم سے کتنے نکھر بیٹھے ہیں

۳۳۱

دنیا میں تیری شکل کا ہومے سو کوئی انساں کہہاں؟
 دل جو تماشا دوست تھا، پاتا نہیں اُس کی خبر
 یہ چشم کی گردشِ کدھر، یہ شوخیِ مژگاں کہہاں؟
 کیا جانے ہو کر رہ گیا وہ غمزدہ حیراں کہہاں؟

دیکھ اس کو جوں ہی غش کیا یہ کبھی نہ جانا ہم نے پھر
 بیمار تیرے عشق کا، چنگا ہو پیا ہے! کس طرح؟
 عیش و طرب کیسے ہوا، غم آ کے ہم پہر سلو ہوا
 رنگینی عشق اور ہی رکھتی ہے آب و تاب کچھ
 اس دم کہ ساقی وقفہ ہے، دے لے تو کوئی جام
 تنہا کون ایسا کشتی، سچ بات کہہ کس سے ٹھنی؟
 شمشیر و ابرو کی ترے کرتے خسریداری دے
 گلیوں کے اندر دھوم ہے میرے جنوں کی ہر طرف
 میری طرح جائے میں تم ہرگز نہ ٹھہرو اک گھڑی

یہ تو گناہ ہرگز نہ تھا تیری خرد پر مصحفی
 دل تو نے اب جا کر دیا افسوس لے ناداں کہاں؟

۳۳۲

ایک ددگالیاں اُس شوخ کی کھا رہتے ہیں
 مثلِ خورشید ترے کوئے ہم، اے غیرتِ ماہ!
 رہنے والوں نے ترے کوچے کے کیا دیکھا ہے
 بس کہ وہ طفل کچھ ان روزوں میں کھل کھیلا ہے
 دن کے ہوتے تو کہاں بار ہمیں اُس کوئیں
 نہیں معلوم کہ کیا ہم سے ہوتی ہے تقصیر
 مجھ کو یہ سوچ ہے جیتے ہیں دے کیونکر یا رب

جی رہو یا نہ رہو اُس کی گلی میں جانا
 مصحفی ہم کوئی ان باتوں سے کیا رہتے ہیں؟

ساقی کہا؟ تم کس طرف؟ مجلس کدھر؟ جاناں کہاں؟
 یہ تو مرض ہے لادوا، اس درد کا درماں کہاں؟
 منہ بند کر بیٹھے ہیں ہم، اب دے لبِ خنداں کہاں؟
 رونا مسلم ابر کا، پر چشمِ خوں افشاں کہاں؟
 کیا جانے لے جاوے مجھے، پھر گردشِ دوراں کہاں؟
 لو ہو میں بکھر آیا ہے تو ظالم ازہر و اماں کہاں؟
 سودا زدوں کو ہم سے اب سر ہے تو پھر ساماں کہاں؟
 اس عشقِ شہر آشوب کو اب کیجیے پنہاں کہاں؟
 دیکھا ہے یک، لے دوستو! تم نے اسے عریاں کہاں؟

اپنا جو روز مقرر ہے سو پا رہتے ہیں
 شام کو جاویں تو پھر صبح کو آ رہتے ہیں
 مجھ سے کس واسطے دے آنکھیں ملا رہتے ہیں؟
 بند جائے کے بھی گر دیکھو تو وا رہتے ہیں
 پر کبھی چوری چھپے رات کو جا رہتے ہیں
 آپ کچھ اب تو نہایت ہی خفا رہتے ہیں
 اپنے معشوقوں سے جو شخص جدا رہتے ہیں؟

آنسوؤں سے بس کہ یاں رہتا ہے کارِ آستیں
 دیکھتا ہے جب اُسے اس دیدۂ خونبار پر
 جس طرح ہوشاخِ گل پر غنچہ گل خوشنما
 روتے روتے جا رہے ہم حلقہ گرداب میں
 سلکِ گوہر ہو گیا ہے تارِ تارِ آستیں
 حلقِ بسمل ہو نہیں سکتا دوچارِ آستیں
 اُس کی ساعد پر ہے تکیوں سے بہارِ آستیں
 اک ذرا یوں ہی کیا تھا کل فشارِ آستیں
 دیکھ کر طوفاں کو میرے اشک کے اے مصحفی
 ابرِ دریا بار ہوتا ہے نثارِ آستیں

ابرو سے کہہ، میاں! نہ کرے تیغِ رانیاں
 عشقِ بیاں میں کس سے کہوں کیا کیا حصول
 ہم لطفِ سیرِ باغ کو کیا جانیں، ہم صنفیر!
 نظارہ دوست ہے یہ دل اتنا کہ نت اسے
 منہ موڑ دیں گی ورنہ مری سخت جانیاں
 تھیں میرے تئیں خدا کو یہ شکلیں دکھانیاں
 ہم نے تو کیں قفس میں سدا پر فشانیاں
 وہی دیدہ بازیاں وہی آنکھیں لڑانیاں
 رکھتا ہوں تیرے عشق کی کتنی نشانیاں
 اے مصحفی تو عشق میں رسوا بھی ہو چکا
 پر بے حیا، گسّیں نہ تری شعرِ خوانیاں

جس طرح سب جہان میں کچھ ہیں
 لختِ دل کچھ گرے ہیں دامن میں
 یہ جو بسمل پڑا تڑپتا ہے
 ہے زمینِ فتنہ گر، ابھی شاید
 ہم بھی اپنے گمان میں کچھ ہیں
 مژدۂ خوں نشان میں کچھ ہیں
 حسرتیں اس کی حبان میں کچھ ہیں
 گردشیں آسمان میں کچھ ہیں

کم نہ جانو انہیں یہ طفلِ سرشک
دیکھو گے ایک آن میں کچھ ہیں
تم جو نت امتحاں کرو ہو مرا
خوبیاں امتحان میں کچھ ہیں
مصحفی دے تو داغِ دل کی خبر
پھول اس گلستان میں کچھ ہیں

۳۳۶

ہم سے کیا کرو نہ میاں ہم ٹھٹھولیاں
ہم اُس تمام ناز کے کشتوں میں ہیں کہ ہاے!
ٹک کسماتے ہوتی ہیں سو سو جگہ سے چاک
ہم دل بہ کف نہادہ تبھی اُس کے گرد تھے
اک ہم ہی خالی ہاتھ چلے اس چمن سے ہاے
سنتے بھی ہو، جو بولتے ہیں لوگ بولیاں
مر مر گئی ہیں جس کی اداؤں پہ لولیاں
ان خوش چھبوں کی ہاے بے یتنگ چولیاں
وہ جن دنوں کہ کھیلے تھا لڑکوں میں گولیاں
گل چیں تو سہول لے گئے بھر بھر کے جھولیاں
اس غش کے بیچ مصحفی ٹھنڈا رہی ہو گیا
اس نے تو اپنی آنکھیں بھی ہے نہ کھولیاں!

۳۳۷

حیراں ہوں اپنے کام کی تدبیر کیا کروں؟
شورِ جنوں ہوا ہے گلو گیر کیا کروں؟
ناگفتنی ہے حالِ دلِ ناتواں مرا
دل مانگتا ہے مجھ سے مجھے بھی دیے بنے
دیکھا جو مجھ کو نزع میں قاتل نے یوں کہا
بن دیکھے اس کے دل کو تسی نہیں مرے
لے یارو! دردِ دل کی مرے بات ہے کدھب
پوچھا میں مصحفی سے ”ہوا کیوں تو در بدر؟“
حباتی رہی ہے آہ سے تاثیر، کیا کروں
ہے ٹوٹی حباتی پانو کی زنجیر، کیا کروں؟
آتی ہے شرم میں اُسے تقریر، کیا کروں؟
اتنی سی چیز پر اُسے دلگیر، کیا کروں؟
”اُس جاں بلب پہ کھینچ کے شمشیر، کیا کروں؟“
نقاش اس کی لے کے میں تصویر، کیا کروں؟
مت پوچھو، تم سے اُس کی میں تقریر، کیا کروں؟
بولا کہ ”یوں ہی تھی مری تقدیر، کیا کروں؟“

اب نت کی ہے تری جفا کون؟
 تو شوق سے گالیاں دے ہم کو
 یہ عقدہ دل ہے سخت عقدہ
 سو بار گیا میں اُس کے در پر
 کس واسطے پھر کے تیغ باندھی
 جی جائے تو ہے چلا و لیکن
 ہم بہ کے چلے ہیں بحرِ غم میں
 ہر چند سب آشنا ہیں لیکن
 تجھ ساتھ کرے، میاں وفا کون؟
 ان باتوں کا ماننے ہے برا کون؟
 دیکھیں تو کرے ہے اس کو وا کون؟
 پوچھا نہ کسی نے یہ بھی: "تقا کون؟"
 جیتا ہوا اب یہاں رہا کون؟
 معلوم نہیں کہ لے چلا کون؟
 اب ہاتھ پکڑ تھما رکھے کون؟
 اس وقت میں اپنا آشنا کون؟

ہے مصحفی اور بزمِ خواں
 اس بزم میں اس کو لے گیا کون؟

کیا کہیے کہ کیا ہے یہ دلِ زارِ بغل میں
 آتا ہے یہی دل میں جو ملتا ہے وہ تنہا
 تسبیح پہ دینداروں کی مت بھول کہ یہ لوگ
 سامانِ مرے قتل کا کچھ کم نہیں اس پاس
 میں حسرتِ آغوش میں مر رہی گیا، ہاے!
 اے مصحفی! مت آپ سے اس دل کو جدا کر
 شیشے کے تئیں رکھتے ہیں میخوارِ بغل میں
 اک حق نے دیا ہے ہمیں آزارِ بغل میں
 لے بھاگیے کافر کو کہیں مارِ بغل میں
 خرقے کے تلے رکھتے ہیں زناارِ بغل میں
 غنچہ جو کمر میں ہے تو تلوارِ بغل میں
 اک رات بھی آیا نہ مری، یارِ بغل میں

آتا ہے دوڑ دوڑ جو یہ بے سبب نہیں
 جاؤ گی بیٹھو "اوبے" ہمارا لقب نہیں
 آنکھوں میں تیری شرم نہیں کچھ ادب نہیں
 وہ حوصلہ کہ تھا ہمیں آگے سواب نہیں
 دیکھو گے ایک دم میں کہ یہ جاں بلب نہیں
 اے دوست سیم و زر کی ہیں کچھ طلب نہیں
 پر کیا کروں کہ بات بھی کہنے کا ڈھب نہیں
 دنیا کے بیچ وصل ہی کی جب کہ شب نہیں

بن حکم کیونکہ بزم میں اس کی قدم رکھوں
 عاشق تو ہوں میں مصحفی، پر بے ادب نہیں

۳۴۱

وہی نت کی آہ دزاری، وہی اضطراب تجھ بن
 ہر قطرہ مے گلوں میں ہے زہر ناب تجھ بن
 سر پیٹتے پھر میں ہیں یاں شیخ و شاب تجھ بن
 کھولی کبھی جو ہم نے، پیارے! کتاب تجھ بن
 یاں سو خرابیاں ہیں، خانہ خراب! تجھ بن
 گر میں کبھی پیسا ہو یک قطرہ آب تجھ بن

کب مصحفی کو، پیارے! جینا بھلا لگے ہے
 جو دم ہے زندگی کا سو ہے عذاب تجھ بن

۳۴۲

جو تیرے ملنے والے ہیں سبھی غمناک رہتے ہیں

نہ تنہا ہم ہی مثل گل گریباں چاک رہتے ہیں

ہر اک دورے میں حسن و عشق کا ہنگامہ برپا ہے
 اگر جامہ سنہیں تو خاک ہی پنڈے کو مل بیٹھے
 زبیں ہم کو نہایت شوق سے امر و پرستی کا
 گلی کو چوں میں پی پی مے، انھیں بدستیاں کرنیں
 ہزار آلودہ دامن ہوں سنہیں ڈران کو محشر کا
 پڑا ہے شیخ صاحب کو مزہ لکڑی چبانے کا
 کسی کو وہ نہاں گل رو تو کیا بوجھ بھی نہیں دیتا
 جواب نامہ کب لکھتا ہے وہ اے مصحفی ہم کو
 عبتِ خط بھیج کر ہم منتظر برداک رہتے ہیں

۳۴۳

آتشِ غم میں بس کہ جلتے ہیں
 وہ ہی دشت اور وہی گریباں چاک
 دیکھ تیری صفائے صورت کو
 جوششِ اشک ہے وہ آنکھوں میں
 دیکھ عارض کو تیرے گلشن میں
 شوخ چٹمی بتاں کی مجھ سے نہ پوچھ
 دیکھو شیخ جی کی حیا کو ملک
 شمع ساں استخوان پگھلتے ہیں
 جب تلک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں
 آنے منہ سے خاک ملتے ہیں
 جیسے اس سے کنویں اُبلتے ہیں
 سیکڑوں رنگ گل بدلتے ہیں
 کہ یہ نظردوں میں دل کو چھلتے ہیں
 اب کوئی دم میں یہ پھسلتے ہیں
 بن لیے کام دل کا اس کو سے
 مصحفی ہم کوئی نہکلتے ہیں

۳۴۴

دن کو تو سن لو میری میں کچھ بات اگر کہوں
 ہاں اس کا ڈر نہیں نہ سنو رات اگر کہوں

ہر بیت میں کنا یہ ہے ہر شعر میں ادا
 چپ ہی بھلی ہے، فائدہ کیا ہے، سنے ہے کون؟
 کہتا ہے ہو کے چیں بہ جبیں ”چل بے! دور ہو“
 پھر دُور کیا ہے درسِ اشارات اگر کہوں
 میں اپنے دردِ دل کی حکایات اگر کہوں
 میں اُس سے گاہے بہر ملاقات اگر کہوں
 آنکھیں جھکی ہی رہتی ہیں کچھ، ان کو مصحفی
 برحبا ہے ابرِ موسمِ برسات اگر کہوں

۳۴۵

عاشق کو ترے چاہیے کیا ہار گئے میں
 اللہ کے نزاکت! کبھی کہتا ہے اگر پان
 یہ تو کہو کس کے ہو، میاں، خون کے پیاسے؟
 لازم ہے کہ مقتل کی طرف تب مجھے لیجائیں
 ہے دل میں کروں یار کے کوچے میں گدائی
 جب زور سے زاہد کے میں اک دھول لگائی
 بانہوں کے تئیں ڈال دے، اے یار! گلے میں
 ہوتی ہے وہیں پیکِ نمودار گلے میں
 جو ڈالے ہوئے پھرتے ہو تلوار گلے میں
 جب طوق ہو مانندِ گنہگار گلے میں
 سیلے کے تئیں ڈال کے اک بار گلے میں
 سر پر سے اتر آ رہی دستار گلے میں
 اے مصحفی کیا مجھ کو کہیں اہلِ مذاہب
 تسبیح گلے میں ہے نہ زنار گلے میں

۳۴۶

کیجیے ظلم، سزاوارِ جفا ہم ہی ہیں
 تفتہ دل، سوختہ جاں، چاک جگر، خاکِ بسر
 سنہیں موقوف دعا اپنی تو کچھ بعدِ نماز
 یہ بھی کوئی طور ہے ٹکِ مبلوہ دکھا چھپ جانا
 وہ جو کہلاتے تھے زینِ پیش ترے یاروں میں
 نہ برہمن کی مشغوت ہے، نہ رہبان کی قدر
 کھینچے تیغ کہ مدت سے فدا ہم ہی ہیں
 کیا کہیں مصدرِ صدِ گونہ بلا ہم ہی ہیں
 بیٹھے اُٹھتے جو مانگیں ہیں دعا ہم ہی ہیں
 اور بھی لوگ ہیں ترسانے کو کیا ہم ہی ہیں؟
 جانِ من! اب تو ہمیں بھول گیا، ہم ہی ہیں
 اب تو اس میکدے میں نامِ خدا ہم ہی ہیں

عشوہ و ناز ترا ہم سے یہی کہتا ہے
 بے نواؤں کی طرح آکے ترے کوچے میں
 آدھی رات آئے ترے پاس یہ کس کا ہے جگر
 ”نہیں کرتے جو کبھی تیر خطا، ہم ہی ہیں“
 وہ جو کر جاتے ہیں اک روز صدا ہم ہی ہیں
 چونک مت اتنا کہ، اے ہوشربا! ہم ہی ہیں
 مصحفی ٹل گئے سب معرکہ عشق کے بیچ
 وہ جو ٹھہرے رہے ہیں ایک ذرا ہم ہی ہیں

۳۳۷

آتا ہے یہی جی میں فسر یاد کروں، روؤں
 کس واسطے بیٹھا ہے چپ اتنا تو اے ہمدم!
 یوں دل میں گزرتا ہے جا کر کسی صحرائیں
 اس واسطے فرقت میں جیتا مجھے رکھتا ہے
 رونے ہی سے ٹک اپنا دل شاد کروں، روؤں
 کیا میں ہی کوئی نوحہ بنیاد کروں، روؤں
 خاطر کو ٹک اک غم سے آزاد کروں، روؤں
 یعنی میں تری صورت جب یاد کروں، روؤں
 اے مصحفی آتا ہے یہ دل میں کہ اب میں بھی
 رونے میں تجھے اپنا استاد کروں، روؤں

۳۳۸

اب میرے تیرے اور ہے کیا یار! درمیاں
 تھا دل میں آنے کے تئیں توڑ ڈالے
 زلفوں سے اس کی ہم نے جو سودا کیا کبھی
 مر جاوے گر رقیب تو جاوے خلش تمام
 حلقوں کو تیری زلف کے اس وقت دیکھیے
 کل اس کی میری نظروں میں تلوار چیل گئی
 ہم روز عیش دیکھ چکے، صبح حشر بھی
 کیا اس کی چشم مست کی دیتا نہ کچھ بھی داد
 الا کہ قصرتن کی ہے دیوار درمیاں
 اتنے میں آگیا رخِ دلدار درمیاں
 دو دو پہر تلک رہی تکرار درمیاں
 اس گل کے میرے بے یی اک خار درمیاں
 جس وقت ہو وہ چاند سا رخسار درمیاں
 مارا کیا سو مفت دل زار درمیاں
 یوں ہی رہا جو وعدہ دیدار درمیاں
 ہوتا جو کوئی مردم ہشیار درمیاں

بگڑا ہی تھا وہ مجھ سے دے خیر یہ ہوتی
 نہیں اس کی صلح و جنگ سے خالی ہر ایک شب
 اہل مسئلہ آگئے دو چار درمیاں
 سوتا ہے ساتھ رکھ کے وہ تلوار درمیاں
 کب وہ جواب نامے کا بھیجے گا مصحفی
 قاصد کو کیوں کرے ہے عبت خوار، درمیاں

۳۴۹

از بس کہ چشم تر نے بہاریں نکال لیاں
 کیا جلنے ہے وہ طرہ مقطوع کس کے ہاتھ
 مڑگاں ہیں اشک سرخ سے پھولوں کی ڈالیاں
 آنکھوں میں کاٹتا ہوں میں نت راتیں کالیاں
 خط آئے پر بھی یار کا بدلا نہیں مزاج
 وہ ہی ادا و ناز ہے، ویسی ہی گالیاں
 صیاد! مپاہتا ہے جو بلسل کی زندگی
 کنج قفس میں رکھ تو گلوں کی پیالیاں
 کیا اعتمادیاں کے، دلا! عزل و نصب کا
 ایدھر تفسیریاں تو ادھر ہیں بحالیاں
 آنکھوں کا جوش اشک سے ابیاں وہ حال ہے
 جیسے کہ سیم خام سے پر ہوں کھالیاں
 میرا یہ طفل دل بھی حلقہ بگوش تھا
 اے شوخ! جن دنوں تیری زلفیں ستھیں بالیاں
 امر پرست حبان نہ کیوں دیں کہ مصحفی
 دل مرد ہو کے لیتی ہیں یہ چیرے والیاں

۳۵۰

اپنی تو ہر ہی میں کٹیں راتیں کالیاں
 اس کی کمر تو کاٹے کو پتی ہے اس قدر
 بانہیں گلے میں یار نے کب آکے ڈالیاں؟
 یہ ہم سے شاعروں کی ہیں نازک خیالیاں
 دیواروں میں ہیں رخنے تو غروں میں جالیاں
 از بس کہ اس نے کتنوں کی جانیں نکال لیاں
 لو ہو کعبہ راے ہاتھ، حنائی نہ بوجھو
 پانو کی سرخیاں، ترے ہونٹوں کی لالیاں
 کرتی ہیں خون سیکڑوں تجھ کو بتاؤں کون
 پر دیکھتے ہی کچھ مرے آنکھیں چرا لیاں
 کل کر رہا تھا غیر سے نظروں میں گفتگو

اے مصحفی تو ان سے محبت نہ کیجیو
ظالم غضب ہی ہوتی ہیں یہ دلی دالیاں

۳۵۱

اوروں کی دید بازیاں نظروں میں ڈالیاں
میرے جنوں کے خوف سے ہر صبح باغ میں
دیوانہ کون رقص کرے ہے جو ہر طرف
طوطی شکر شکن ہے، لب یار! کچھ تو بول
معتوق تنگ چشم ملا ہم کو ہم نشیں!
دل میں خیال زلف سے طوفاں نہ کیونکہ ہو
دیکھا جو ہم نے اُس کو تو آنکھیں نکالیاں
جوں شاخ بید کانپیں ہیں پھولوں کی ڈالیاں
لڑکے بجاتے پھرتے ہیں گلیوں میں تالیاں
کیدھر گتیں وہ اب تری شیریں مقالیاں
باور نہیں تو دیکھ لے برقعے کی جالیاں
اکثر گھٹائیں اُٹھتی ہیں ایدھر سے کالیاں
کرتی ہیں خون سیکڑوں عاشق کے مصحفی
جس دقت پان کھاتی ہیں یہ چوڑے دالیاں

۳۵۲

”کچھ ہنساری بھی تمہیں فکر ہے اب یا کہ نہیں؟“
اپنا سا ہم نے تو اس دل کو بہت سمجھایا
وہ قیمت! کہ جو کی دھل کی گاہے درخواست
دسترس ہی جو نہ ہوا اُس پہ تو ناچار ہی ہے
جوں ہی یہ بات کہی اس سے تو بولا کہ ”نہیں“
اُس کی خاطر میں بھی کیا جانے کچھ آیا کہ نہیں
در جواب اس نے یہی نامے میں لکھا کہ ”نہیں“
کونسی ورنہ مرے دل میں تمنا کہ نہیں
وہ ابھی برق کی سی جھمکی دکھا جاتا رہا
مصحفی غرے سے تو نے اے دیکھا کہ نہیں؟

۳۵۳

دل! تری بقراریاں کیا تھیں؟ رات دے آہ وزاریاں کیا تھیں؟

تیرے پہلو میں اُس کی مڑگاں سے
 سرمہ دینے میں اُس کی آنکھوں کی
 اپنا عاشق نہ تھا تو آسنے میں
 جی کے دشمن سہلا یہ بتلا تو
 اپنی قسمت میں، آہ کس سے کہوں
 مصحفی مگر نہ تھا تو عاشقِ زار
 پھر تو یہ حباں نثاریاں کیا تھیں

۳۵۴

سدا خمیازہ ہی کھینچا، سدا کرتے رہے آہیں
 قیامت تو غضب یہ ہے کہ یارِ جس کو ہم چاہیں
 غنیمت جان گلگشتِ چین، زارِ بہشتوں میں
 سرِ رہ روک کر گرا اُس کا ہم بیٹھے تو کیا حاصل
 نشاں ہرگز نہ دلی میں رہا صاحبِ کمالوں کا
 عباتِ رسم ہے ہیبت! اقلیمِ محبت کی
 تو کس کی یادیں، اے مصحفی! جوں ابر روتا ہے؟
 کہ بجلی کی طرح کوندیں ہیں، اے ظالم! تری آہیں

۳۵۵

کہتے ہیں ہر دُعا جس کو جہاں میں وہ نہیں
 اتنا پرہیزِ عبت کرتے ہو اس عاجز سے
 بگیا آنکھوں سے دل آب ہو، کیا جانے کدھر
 لالہ پُر مردہ، گل افسردہ، ہے زنگسِ بیمار
 وہ جو اک چیزِ ترحم تھی بستاں میں وہ نہیں
 تم جو کچھ سمجھے ہو سو اپنے گماں میں وہ نہیں
 اشک تو ہیں مژدہ اشکِ فناں میں وہ نہیں
 رنگ اس باغ کا ایامِ خزاں میں وہ نہیں

وہ جو اک نازِ خرامش میں تری نکلے ہے خوش خرامی روشِ آبِ رواں میں وہ نہیں
 مصحفی بے رخی گل سے سبھی نالاں ہیں
 کون وہ مرغِ چین ہے کہ فغاں میں وہ نہیں

۳۵۶

کون کافر یہ کہے ”دیدار کی خواہش نہیں“
 حال پر اس تشنہ جاں کے اک نگاہِ لطف ہو
 کیا دکھاتے ہو ہمیں مرگان و ابرؤ دم بدم
 اس پہ یہ موئے پریشاں بس ہیں سایے کے لیے
 جب تلک ہیں تازہ و تر داغِ پینے کے، صبا!
 فائدہ کیا ہے کہ اب صحرا سے آویں سوئے شہر
 جی تو چاہے ہے و لیکن یار کی خواہش نہیں
 مجھ کو ساقی ساغرِ سرشار کی خواہش نہیں
 یاں کسی کو خنبر و تلوار کی خواہش نہیں
 اس سرِ شوریدہ کو دستار کی خواہش نہیں
 ہم اسیروں کو گل و گلزار کی خواہش نہیں
 دین و دنیا سے گئے گھر بار کی خواہش نہیں
 ہو چکا دل سیرِ چین سے بہت، اے مصحفی
 اب بجز مردن کچھ اس بیمار کی خواہش نہیں

۳۵۷

یا نہ ہوتی سستی کبھی اک مژہ تر پانی میں
 آج بے طرح تو روتا ہے چلا، اے قاصد!
 کیوں نہ اس رشک سے میں ڈوب مروں یار وادہ شوخ
 گریہ یاں تک میں کیا ہے کہ کھڑے ہیں احباب
 جھاڑے بال اس نے نہا کر تو گریں یوں بوندیں
 آسماں پر وہ دکھائے وہ ہیں دن کو تارے
 نیچ دریا کے بھی ہوتی نہیں کم سوزشِ دل
 گریہ عاشق کو نہیں مانعِ نظارۂ یار
 یا پڑے بہتے ہیں اب لختِ جگر پانی میں
 میرا مکتوب کہیں کیجو نہ تر پانی میں
 جاتا ہے پیرے کو شام و سحر پانی میں
 کوئی تازانہ کوئی تابہ کمر پانی میں
 تو کہے ٹوٹ پڑی سلکِ گہر پانی میں
 جھانکے ہو کر عرقِ آلودہ اگر پانی میں
 گرچہ رہتے ہیں کھڑے دو دو پہر پانی میں
 سچ ہے ماہی کو سب آتا ہے نظر پانی میں

ہم نہ کہتے تھے کہ اے مصحفی تو اتنا نہ رو
عاقبت ڈوبا ہی ان آنکھوں کا گھر پانی میں

۳۵۸

کھولی زلف اس نے جو نہیں تا بہ کمر پانی میں
رنگ گریے کا نہیں ایک ترے عاشق کے
سیر دریا کو جو اس بن میں کبھی جاتا ہوں
داغِ دل وہ نہیں جو سینے سے منک ہوئے
طرح مچھلی کے پڑا پیرے ہے یہ طفلِ سرشک
کشتہ عشق کے مٹا ہے کوئی خوں کا نشان
ابھی سرپیٹ چلے جاویں گے سب ماہی گیر
یہ وہ آنکھیں ہیں کہ گھڑیاں کے پیالے کی طرح
مصحفی آج جو آنکھوں سے گریے آنسو گرم
آتشِ دل نے کیا شاید اثر پانی میں

۳۵۹

ہم سمجھ کر تو نہانے کو اتر پانی میں
دیدہ تر میں عجب کیا ہے جو لہراے وہ زلف
کبھی دیکھی کبھی ہے دریا پہ چیراغاں کی بہار؟
دیدہ تر سے ہو جو یاے رموزِ فلسفی
گریے کے ہاتھوں سے کیا دل کی پھر آبادی ہو
اشکِ جاری کے مرے منع کی اب وہ ہے مثال
بھر گریہ سے نہ نکلیں کبھی یہ چشم پر اشک
شکلِ آغوش ہے ہر ایک لہر پانی میں
سانپ کا بھی کہیں ہوتا ہے گزر پانی میں
یوں جھکتے ہیں مرے لختِ جگر پانی میں
ماہِ نو کم ہو تو دیکھیں ہیں بشر پانی میں
طرحِ یونان کی، ڈوبا یہ نگر پانی میں
جیسے بہتے کو کہے کوئی ٹھہر پانی میں
نت رہیں جوں صدفِ پُر ز گھر پانی میں

جھلکے ہے یوں وہ بدن جامہ شبہم سے تمام
شعلہ رو آگے ترے حسن کے ہو کر کے عرق
ہم نے کیا دیکھا کہ جس دن سے کھلیں یہ آنکھیں
قلزمِ عشق کا ڈوبا کوئی ہاتھ آتا ہے
آئی رواتک کی ناگہ تو وہیں بیٹھ گئے
ہم سے کچھ ہو نہ سکا فکیر دگر پانی میں

مصطفیٰ اتنا بھی بے صرفہ نہ رو، خانہ خراب!

ایک عالم کے تئیں غرق نہ کر پانی میں

۳۶۰

عجب کیا ہے پریشانی کرے تاثیر پانی میں
ڈبو دے لے کر اپنے کاغذِ تصویر پانی میں
یہاں ایسی ہزاروں بہ گئیں تعمیر پانی میں
کہ لہروں سے کھینچی ہیں جا بجا شمشیر پانی میں
کروں کیا بن نہیں آتی ہے کچھ تدبیر پانی میں
بہاڑے بھاڑ کر سب نسخہ اکسیر پانی میں
پڑھے جیسے پری خواں دعوتِ تسخیر پانی میں
جو ماہی کی طرح کرتا ہوتا شبگیر پانی میں
کہ پیل مست کھینچے جس طرح زنجیر پانی میں
نہ پھینکے بارِ دیگر حبالِ ماہی گیر پانی میں
میں خوں رو کے کھینچیں سیکڑوں تحریر پانی میں
نظر آتا ہے عکسِ ماہ جوں کفگیر پانی میں
ملا رکھا ہے ہم رنگی سے اس نے شیر پانی میں
ہوے ہیں مردمِ آبی تلکِ نسخیر پانی میں

جو کھولے بال اپنے وہ بت بے سپیر پانی میں
مصور گر ترے چہرے کی دیکھے رنگ آمیزی
فلاطون گریہ کیا کرتا ہے یوناں کی خرابی پر
یہ دریا یا کہ اک رزمیہ صورت نگاراں ہے
مجھے دم لینے کب دیتا ہے یہ طوفان گریے کا؟
مہوس رنگ کندن سا تراگر اک جھلک دیکھے
بھنور سے عکسِ مہ نے گرد اپنے خط سا کھینچا ہے
وہ مجھ خشکی رواں کی سختی منزل کو کیا جانے
مرادریاے نیل گریہ اس شورش سے بہتا ہے
اگر اے ماہی دریاے خوبی! تجھ کو ہلک دیکھے
نہ دکھی ایک دن صورت یہ اُس نے، گرچہ پلکوں سے
مشبک کر دیلے بس کہ اُس کو تیری پلکوں نے
صفا اس کی بنا گوش اور موتی کی میں کیا لکھوں
نہ اس کی ناوکِ مٹرگاں کا کشتہ اک فقط میں ہوں

نہ تھا میں مصحفی اتنا گنہ گار اس کا، کیا کہیے
ڈبویا مجھ کو چشم تر نے بے تقصیر پانی میں

۳۶۱

ہماری طرف آپ کم دیکھتے ہیں
تو آئے نہ آئے دے ہم تو ہر شب
بہت جھوٹے وعدے کیے تو نے ہم سے
ہمیں جستجو کس کی درپیش آئی؟
بہت دیکھا دنیا کو جاتے ہیں، یارو!
یہی خط نویسی ہے ہر دم کی اس کو
بھروسا ہے کیا دم کا، یعنی کہ یاں کی

دے آنکھیں نہیں اب جو ہم دیکھتے ہیں
تری راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں
سہلا یہ بھی تیری قسم دیکھتے ہیں
عرب ڈھونڈتے ہیں عجم دیکھتے ہیں
ذرا اب تو ملک عدم دیکھتے ہیں
تو ہاتھ اپنے اک دن قلم دیکھتے ہیں
ہوا مختلف دم دم دیکھتے ہیں

پڑے ہے نظر عیب ہی پر انہوں کی
مہنر مصحفی یار کم دیکھتے ہیں

۳۶۲

یا تو رہتا تھا وہ رخ شام و سحر آنکھوں میں
جس پہ کی ایک نظر ہو گیا وہ دیوانہ
لے گیا آنکھ ملا دل کو مرے سب کے حضور
رنگ گریے کا ہم ان یاروں کو دکھلا دیں گے
کر کے صورت کو تری یاد میں لے لنت جگر
اک گھڑی یاد سے بھولانہ خیال رخ دوست
ہم سے ساغر کشی شب کا تم اخفانہ کرد
میں نظر بھی نہ کروں ان پہ کبھی، گرمہ و سال

یا اب اک جھپکی کو تر سے ہے نظر آنکھوں میں
اس پری زاد کی جادو ہے مگر آنکھوں میں
کر گیا وہ بت کافر تو ہنر آنکھوں میں
آن جھمکا جو کوئی لنت جگر آنکھوں میں
اتنا رویا ہوں کہ آیا ہے جگر آنکھوں میں
یاں وہی شکل رہی آٹھ سپر آنکھوں میں
نشہ مے کا ہے اب تک بھی اثر آنکھوں میں
پتلیاں بن کے رہیں شمس و قمر آنکھوں میں

گر یہ آنکھیں ہیں تو اک روز بلا لادیں گی اس قدر جان مری بسر نہ کر آنکھوں میں
 مصحفی! کسبیوں کا منہ نہ تک، اے خانہ خراب! ق در نہ رتجے گا اگر کر گئے گھر آنکھوں میں
 ہیں یہ دے لوگ کہ دل کے تئیں لے جاتے ہیں
 بہ کنایت، بہ اشارت، بہ نظر آنکھوں میں

۳۶۳

عشق ہے، آفت و بلا تو نہیں! اس کا مارا کوئی جیا تو نہیں
 دل کی تڑپوں میں آن نکلے ہے دیکھیو کشتہ ادا تو نہیں؟
 پوچھتا کیا ہے حال دل کا مرے او میاں! تجھ سے کچھ چھپا تو نہیں
 توجہ اس کی گلی میں جاتا ہے کہیں، اے دل تیری قضا تو نہیں؟
 یعنی عاشق ہو اور ہر حباتی اب تلک ہم نے یہ سنا تو نہیں
 یوں جو تو، منہ پھرائے بیٹھا ہے کیوں میاں! تجھ سے کچھ خفا تو نہیں
 بات پر اس کی میں جو بولا کہ کیا؟ کہا کچھ ذکر آپ کا تو نہیں
 کس طرح سجدہ کیجئے اس کو ہے وہ بت بت ہی کچھ خدا تو نہیں
 شیشہ دل کو بیچتے ہیں ہم اک نگہ پر، گراں بہا تو نہیں
 سودا اچھا ہے گر میاں صاحب! لے چکو تم تو کچھ برا تو نہیں

مصحفی! سچ تو کہہ، تو رووے بے کیوں؟
 کچھ کسی نے تجھے کہا تو نہیں؟

۳۶۴

قراں میں نہ کسی کی ہم فال دیکھتے ہیں اپنے ہی چاکِ دل کا احوال دیکھتے ہیں
 سرورِ رواں کی اپنے ہم چال دیکھتے ہیں ہوتا ہے ایک عالم پامال دیکھتے ہیں
 کیا کیا ہمائے دل میں آتا نہیں، جب اس کی لپٹی ہوئی کمرے اک شال دیکھتے ہیں

فتنے نے جن سے آگے ہرگز قدم نہ رکھا
 بہتے ہیں اس گلی میں ہر سولہو کے نالے
 معشوقِ سادہ رو پر دل دے گزرتے ہیں ہم
 یاد دل کو دیکھتے تھے پہلو میں اپنے ہر دم
 ان مشروں کو اس کے دنبال دیکھتے ہیں
 رنگِ زمانہ اور سی اس سال دیکھتے ہیں
 نے زلف دیکھتے ہیں نے خال دیکھتے ہیں
 یا ہم اب اس کی جاگہ اک بھال دیکھتے ہیں
 اے مصحفی تجھے کیا رونے کی خو پڑی ہے
 آنکھوں پہ تیری اکثر و مال دیکھتے ہیں

۳۶۵

مستی میں تیرے دل سے اگر نالہ کروں میں
 گر سحر طرازی کے اوپر آؤں تو دو ہیں
 اے لختِ جگر! تیری مدد ہو مے تو شاید
 سینہ مراد اغوں سے گلستان ہوا ہے
 ہر لبِ گرو سا غریب نالہ کروں میں
 جو نقش کہ کھینچوں اے گوسالہ کروں میں
 مڑگاں کے حوالے کوئی پر کالہ کروں میں
 ہے وقت کہ سیرِ چمنِ لالہ کروں میں
 اے مصحفی اتنا بھی غنیمت ہے جو گاہ ہے
 دل خوش بہ سخن سازیِ دلالہ کروں میں

۳۶۶

کیونکہ ہر گل کے تئیں چاک گریباں دیکھوں
 کیا مصیبت ہے کھلے آنکھ تو رونا آوے
 خط تو لکھا ہے یہ تدبیر بتا، اے قاصد!
 کاش سوتا ہی رہوں میں کہ نہ ہیں چاہتا دل
 درجبت پہ بھی زہار نہ رکھوں میں قدم
 یہ بھی قسمت ہے کہ جب اس کی گلی میں جاؤں
 لا رکھو آگے مرے کوئی مرقع ہی ذرا
 ہائے ان آنکھوں سے یہ رنگِ گلستاں دیکھوں
 اور جو جھپکے تو وہیں خواب پریشاں دیکھوں
 صورتِ یار کو میں کبھی کسی عنوان دیکھوں
 ہر سحرِ اسٹھ کے رخِ گبر و مسلمان دیکھوں
 گر ذرا چیں بہ چیں صورتِ یاراں دیکھوں
 تلخیِ غمیر و ترش رویِ درباں دیکھوں
 تائیں اس میں تو بہم صورتِ یاراں دیکھوں

کہتے ہیں جس کے تئیں وصل کا دن دنیا میں
چشمِ ترگوشتہ بہ امیدِ ترحم رکھوں
ہے جن آنکھوں سے دیکھا ہوں میں رے شبِ وصل
ہر بنِ موہِ مرے داغِ تھا، دل میں اس کے
ہے وہ دل کہ جسے میں نے بغل میں پالا
مصحفی شہر سے دلِ سمعتِ تنگ آیا ہے
جی میں آتا ہے کہ ٹھک جا کے بیاہاں دیکھوں

۳۶۷

دنیا سے دوں کی اپنے تئیں چاہ ہی نہیں
کرنے ہلاکِ تشنہ لبی مجھ کو لے گئی
یا تیرگی سے روے ہوا ہو گیا سیاہ
بیٹھے ہیں چپکے کس سے سرِ حریفِ دا کریں
لکھا ہے اس نے خط میں ہر اک شخص کو سلام
اتنے بہ خود گئے ہیں کہ اس انجن کے بیچ
اے دل! شبِ فراق سے مت ڈھونڈ روشنی
ملنے کی تیرے ہم کو بہت آرزو ہے، یارا
اے مصحفی ہر اک کو سخن کا غور ہے
طرزِ سخن سے پر کوئی آگاہ ہی نہیں

۳۶۸

ہے نت سرِ شوریدہ مرا چاکِ قفس میں
کم عمری میں جو دیکھے ہے حسن اس کا کہ ہے
بیابا ہوں نظارۂ گلشن کی ہوس میں
یہ طفلِ غضب ہونے کا دوچار برس میں

ہوں شانہ نہ چھوڑوں گا کبھی ہاتھ سے ان کو
 اغلب ہے کہ فریاد سے اک لحظہ نہ چپ ہو
 مڑگاں پہ مرے لختِ جگر جھسکیں ہیں جیسے
 جوں شمعِ سحر اتنا نہیں عمر کا وقفہ
 زلفوں کے تری بال اگر آگئے بس میں
 اس دل کو اگر تعبہ کر دیجے جس میں
 دیکھا نہیں یوں ربط کہیں شعلہ خس میں
 یاں کام ہے اپنا تو تمام ایک نفس میں
 اے مصحفی، افسوس! ہے ان لوگوں سے شطرنج
 جو فرق نہیں کرتے کبھوپیل و فرس میں

۳۶۹

اب مرغِ دل اپنا تو ہے صیاد کے بس میں
 دیکھا نہ کبھی تو نے، میاں! آنکھیں اٹھا کر
 پھرتا ہے ادھر زلف میں شانہ تو ادھر دل
 نیات اگر یہ ہیں تو دیکھو گے زمانہ
 خواہی اسے ہاتھوں میں رکھے خواہ نفس میں
 ان کو جو موئے جنبش مڑگاں کی ہوس میں
 اک لاگ چلی جاتی ہے جوں دزدِ بس میں
 اس سے بھی بتر ہوئے گا ایک ادھر برس میں
 وہ ہوشِ ربائی نہیں آوازِ حبس میں
 سوزِ مزے پہناں ہیں مرے تارِ نفس میں
 اے مصحفی مشکل ہے غزل ایک سی کہنا
 اک بیت کہیں اچھی بھی ہو جاتی ہے دس میں

۳۷۰

نہ ہر دم ہر گھڑی اس ذلت و خواری پہ روتا ہوں
 الٹ کر گر پڑا سا غمِ راکل دستِ ساقی سے
 میں تھا آزادہ دل، اپنی گرفتاری پہ روتا ہوں
 تبھی تو طالعوں کی میں نگوں ساری پہ روتا ہوں
 مجھے وقت و دواعِ دوستداراں یاد آتا ہے
 مرادِ زلفوں کے حلقوں سے ہرگز چھٹ نہیں سکتا
 میں اس بیمار کی پر پیچ بیماری پہ روتا ہوں
 زمانہ سیم و زر سے مصحفی ایسا تھا کب خالی؟
 نہ اپنی مفلسی عالم کی ناداری پہ روتا ہوں

جو عاشق ہیں مضمون نیا باندھتے ہیں
جو کرتے ہیں زلفوں کو اس کی حائل
میں کب سرمہ آنکھوں میں اس کی دیا ہے
خدا جانے نکلیں گے کب گھر سے باہر
غلط ہے کہ زلفوں سے اس کی بندھا ہے
فلک کی خبر کب ہے ناشاعروں کو
بلا پر خسر د ہیں یہ خوشخوار لڑکے
گلی میں تری آنے جانے سے، اے گل!
وہی ایک معنی ہیں اس نہ ورق میں
ہم اس باغ سے اب تو رخت سفر کو
جو جیتے ہیں تو مصحفی آشیانہ
کسی شاخ گل پر پھرا باندھتے ہیں

اگرے برق عالم سوز! یہ ہیں تیری اچلیاں
گل اپنے دور پر اہن پر اس گلشن میں نازاں تھا
کوئی ہندوستان میں کم کسی کی داد کو پہنچا
قیامت ماجر اس ناچ میں گزرا سحر ہوتے
ملایا خاک میں یوں نو خطوں کو تیرے عارض نے
بچا شمشیر ابرو اور کند زلف پر چپیں سے
تو ہم کو ٹھہرنے دیں گی نہ یک جادل کی بیکلیاں
پیشدر رہ گیا دکھیں جو کرتے کی ترے کلیاں
موے لاکھوں ہی عاشق اور ہزاروں ستیاں جلیاں
کہ اک عالم کو کافر لولیاں پامال کر چلیاں
کسو نے ے کے جیسے چینٹیاں تلووں تلے ملیاں
نہ پوچھو کیسی کیسی آفتیں سر سے مرے ٹلیاں
نہیں آساں ملاے مصحفی دیدار عصمت کا
پھرا ہوں ڈھونڈتا مدت ملک میں شہر کی کلیاں

آرام سے اک دن کبھی ہم بیٹھے نہ گھر میں
 صدقے ہوں میں پیالے ترے دانتوں کی چمک کے
 کیا تو بھی مری طرح سے عاشق ہے کسی کا؟
 اے لختِ جگر، روز تری راہ سب کوں ہوں
 وعدہ نہ کیا وصل کا، باتیں ہی بنائیں
 اے آئنے بہر چہند کہ تو سادہ نما ہے
 اے مصحفی اتنا کبھی کوئی سووے ہے غافل
 اٹھ صبح ہوئی صرف ہے کیا خواب سحر میں

شاید کہ ہم سے سپرنگ ہیں یار کی بھپریں
 دل کی طرف کو پلکیں جوں ہی یار کی بھپریں
 کس کا بیان تجھ سے کروں؟ تیرے عشق میں
 کہہ کس سے رشتگی ہوئی پیدا؟ کہ ان دنوں
 لایا کبھی نہ رُو بہ شفا عشق کا مرض
 لُوٹے مزے اسی نے یہاں، جس ذبح کے
 گہہ سرخ، گاہ زرد ہوا سب ہوا کا رنگ
 ٹھہرا نہ ایک وضع پہ تیرا مزاج، شوخ!
 دل گم ہوا مرا تو تری زلف کی لٹیں
 مرگاں کی فوج نے وہیں گھوٹے اٹھا دیے
 کس کی مریض ہے یہ کہ کچھ دیکھتا ہوں میں
 گرا گیا زمانہ کبھی فسر بھی پہ ٹک

کچھ ان دنوں میں آنکھیں لگیں یار کی بھپریں
 نوکیں جگر میں پیرتیاں خصار کی بھپریں
 کیا کیا نہ حالتیں کہ دل زار کی بھپریں
 طرزیں تمام ہیں تری رفتار کی بھپریں
 سو صورتیں اگرچہ اس آزار کی بھپریں
 چھریاں گلے پر اس بتِ خوشنوار کی بھپریں
 کیا کیا ہوائیں اب کے چمن زار کی بھپریں
 سو وضع بندشیں تری دستار کی بھپریں
 سینے میں ڈوری ڈوری طرح مار کی بھپریں
 باگیں جدھر کو ٹک نکسے یار کی بھپریں
 آنکھیں چمن میں نرگس بیمار کی بھپریں
 دیکھو گے صورتیں درو دیوار کی بھپریں

کافر تو ہو گئے تری زلفوں کو دیکھ کر از بس کہ نیتیں اولی الابصار کی پھریں
اے مصحفی زمانہ بیک وضع ہی رہا
کج غویاں نہ چرخِ ستم گار کی پھریں

۳۷۵

پیچھے لگی وہ زلفیں دلِ زار کے پھریں یاں تک کہ آخرش کو اے مار کے پھریں
من بعدِ مرگ میرے مرے دل کی خواہشیں اک عمر گردِ آرزو سے یار کے پھریں
رم خوردہ صید کون ہے وہ جس کے شوق میں زلفیں تری کندیں بغلِ مار کے پھریں
مارِ سیاہِ زلف کو دیکھا جو حلقہ زن نظریں نہ گرد اس گلِ رخسار کے پھریں
کیا کیا نہ ماہِ پارہ تری آرزو کے بیچ پرے میں منہ پھلے شبِ تار کے پھریں
دمِ عشق کا بھری تھیں جو دو چار حسرتیں وہ پاس بھی نہ آدِلِ بیمار کے پھریں
تھا قصدِ سیرِ عرش ان آہوں کو شبِ ولے جب واں تلک پہنچ نہ سکیں ہار کے پھریں
گر اس نے گل رکھا کبھی چیرے پہ بلبلیں جوں پیچ گردِ چہرہ گلزار کے پھریں
کیا کیا نہ حورِ چہرہ کہ بالوں کو کھول کر
گردِ مزارِ مصحفی زار کے پھریں

۳۷۶

نے حرمِ قفس نہ شناساے باغ ہیں ہم اپنی بے نصیبی کے ہاتھوں سے داغ ہیں
اک دن ہم اس چمن سے اٹھالیں گے آشیاں ببل کے چھپوؤں سے بہت بے دماغ ہیں
لائے ہیں پائے چرخِ جواں خیم سے آبلے یہ ایسے کس کی راہ میں گرم سراغ ہیں
ہاتھوں سے جل رہا ہوں میں کس کے جو مصحفی
سیمے کے داغ جیسے کہ روشن چراغ ہیں

کب ہیں نگرس کی بہ این شوخ ادائی آنکھیں؟
 ایک تو ہر مژہ اس شوخ کی روگرداں ہے
 سخت دیکھا میں الم ان سے، بہت بہتر تھا
 سادگی ان کی مجھے ذبح کرے ہے یارو!
 بے بھر ہوتے ہیں محتاج عبث عینک کے
 کھول کر آنکھیں ذرا سیر جہاں کر کہ یہاں
 ایک دن اس کی کفت پائے ملیں ستھیں میں نے
 حسن گو پر نہ نشیں ہوئے پر کھ جاتے ہیں
 یارب اپنی بھی کبھی رخنہ دیوار کی طرح
 ایک دن در پر کھڑے اس کو بھی دیکھا تھا

مصطفیٰ کو نہ رہی طاقتِ نظارہ دریغ

اس نے سیں دیکھ تری تنگ قبائی آنکھیں

حرکات اس کی سے نکلیں ہیں ادائیں لاکھوں
 کوچہ زلف میں اک رات میں حبا نکلا تھا
 باز آتے نہیں ہم تو بھی زیاں کاری سے
 شیشہ دل کو مرے یار نہ پتھر پہ پٹک
 ناز بردار بتاں ہم تو رہے تائب گور
 ہو جے ہرگز نہ دلا! عفو خدا سے نو مید

مصطفیٰ خوابِ عدم سے کوئی اب اٹھتا ہے

گواہ آن کے عیسیٰ سے جگائیں لاکھوں

کیوں نہ لوں وصل کی شب تیری بلائیں لاکھوں
 میں تیرے واسطے مانگی ہیں دعائیں لاکھوں
 وائے قسمت کہ شفا مجھ کو میسر نہ ہوئی
 گرچہ کی ہیں مرضِ دل کی دوائیں لاکھوں
 بیٹھے بیٹھے جو ہیں شب سینے پہ ناخن مارا
 پردہ دل سے مرنے نکلیں صدائیں لاکھوں
 کشتہ ہوں اس کی میں برہم زدنِ ترگاں کا
 گردشِ چشم میں ہیں جس کی ادائیں لاکھوں
 مصحفی رنگِ گل اک وضعِ کس طرح ہے
 روز اس باغ میں چلتی ہیں ہوائیں لاکھوں

وہی آہ و فغانِ دُزاریاں ہیں
 وہی راتیں وہی بیداریاں ہیں
 نہ نامِ عشق لے ناداں کہ اس میں
 بہت رسوائیاں اور خواریاں ہیں
 میں حیراں ہوں کہ کیوں تنے میں گل کے
 ترے تنے کی وضعیں ساریاں ہیں
 کہیں ہیں جس کو خواباں پان کھانا
 ہمارے حق میں دے خوشخواریاں ہیں
 مرے، ان نوں نہالوں نے، بدن پر
 زبس پھولوں کی چھڑیاں ماریاں ہیں
 جدا، جس نقش کو دیکھوں ہوں اس میں
 ہزاروں رنگ اور گل کاریاں ہیں
 مسل کی رنڈیوں کا کیا کروں ذکر
 جہاں گرم ان کی صحبت داریاں ہیں
 وہی ٹھٹھے وہی چہرلیں ہیں باہم
 وہی چنچیں، وہی کلکاریاں ہیں
 نہ پوچھ اے مصحفی احوالِ دل کا
 کہ اس دل کو کئی بیساریاں ہیں

نہ تنہا دل میں سونشتر چھبے ہیں
 تر ہر مؤہبہاں خنجر چھبے ہیں
 زمیں کو کھودے تو اس کے نیچے
 ہزاروں مردلیں اور در چھبے ہیں

فقیروں کو بچشمِ کم نہ دیکھو
کہ تھے دایہ طفلی میں وہ بھوں دیکھ
اگر سینے کو میرے چاک کیجے
نہ چادر پوشوں کو تو سرسری دیکھ
جھلکتا ہے وہ رخ برقعے سے سارا
کیا تھا دفن ہم کو جس جگہ واں
کہ ان میں اولیا اکثر چھپے ہیں
ابھی اس تیغ کے جوہر چھپے ہیں
تو اس میں مثل گل دفتر چھپے ہیں
کہ رعنا قدس چادر چھپے ہیں
چھپائے کب پری پیکر چھپے ہیں
انگائے زیرِ خاکستر چھپے ہیں
بہر سو مصحفی کا تذکرہ ہے
کوئی ایسے سخن پرور چھپے ہیں

۳۸۲

چقیں پلکوں کی جب اٹھا دی ہیں
تر پا آگے ہیں گرتیرے
میرے پیچھے بلائیں زلفوں کی
سرفراہ پر نہیں موقوف
اس نے کل دیکھتے ہی میری طرف
چل بے ناصح! کہ میں گریباں کی
قصر دل کا خراب ہے، غم نے
یوں بھڑکتے ہیں استخوان میرے
شاہدِ گل سے آج نرگس نے
کہ نہ تو مصحفی کے وصف میں یہ ق
اس نے ایسی تو سیکڑوں غزلیں
موت کے ریلے میں بہا دی ہیں

شمشیر جنگ یعنی مرزا محمدی خاں
بخشش میں ہاتھ جس کا ہے جیسے ابر نیساں
مجلس تمام اس کی ہے اس لیے گلستاں
اس برج قوس کا ہے وہ آفتابِ تاباں
اک دن میں جا جو نکلا سوے تحریر و دوزاں
تا قطع کر سکیں وہ اس کی سنجافِ داماں
ہو مٹھنی سا شاعر جس بزم میں غزل خواں
”کالے طوطی نوا سنج“ وہ بلبیلِ خوش الحان!
سننے ہی جس کو ہو دیں سب سامعین حیراں

خورشیدِ اوجِ خوبی ماہِ سپہرِ احساں
برش میں تیغ جس کی ہے جیسے برقِ خاطر
جوں گلِ شگفتگی میں باغ و بہار ہے وہ
اس کے جلوس سے ہے سب پالکی کی زینت
کیا زرقِ برق اس کی پوشاک کا بتاؤں
زرِ بفت و مہر و مد کو مقراض کر رہے تھے
کیونکر نہ ہر طرف سے تحسین بلند ہوئے
جب مدح کہہ چکائیں دل نے مجھے کہا یوں
اک مجھ کو اس زمیں میں اپنی غزل سنا دے

تب دل سے یوں کہا میں کیا چاہیے بہت خوب
اتنے میں لب تک آیا یہ مطلعِ نہایاں

لے آنکھوں سے لگاؤے گل تیرا طرفِ داماں
دل ہل گئے ہزاروں جوں ہی ہلے وہ مڑگاں
یہ عمل بھی کسی کا تھا تکتہ گریباں
مکھڑے کو چاندنی میں آیا جو کر کے افشاں
ہاتھوں سے تیرے گل کا ٹکڑے ہوا گریباں
میں سر کے بال اس کے دیکھے تھے کل پریشاں
کچھ گل کھلا ہے گا یہ اختلاطِ چسپاں

گر اس روش سے ہو تو سوئے چمنِ خسراں
گردش میں چشم کی تھی، گردشِ فلک کی ساری
خون گشتہ دل کو میرے مت چشم کم سے دیکھو
شرمندہ ہوتا ہے آنکھیں لگے چپرانے
یہ بھی کوئی روش ہے؟ لے جامہ زیب! ادھر دیکھ
اب تک تو اس میرے، یارو! ہوئے نہیں جمع
اس گل کی تنگ پوشی کر رہے یہی تو اک دن

یہ شاعری نہیں کچھ بے شک کہ ساحری ہے
اے مٹھنی وہ سمجھے اس کو جو ہوزباں داں

ہم نہ وہ تاب و توان رکھتے ہیں
 یہ نہ جانو نہیں عاشق پیشہ
 خوش قدراں اور بھی خوش جلوہ ہیں لیک
 مجھ میں اور اس میں ہے اک الفت صاف
 عشق ہے ہم کو، کہ اب تک تجھ سے
 بولتے آپ نہیں ہم سے کبھی
 کانپتے پانو وہاں رکھتے ہیں
 ہم بھی اک آفتِ جاں رکھتے ہیں
 پانو اس دھج سے کہاں رکھتے ہیں
 بدگماں اور ہی گماں رکھتے ہیں
 اپنی خواہش کو نہاں رکھتے ہیں
 منہ میں کہنے کو زباں رکھتے ہیں
 مصحفی گر وہ لگا دے کوئی تیر
 ہم دل اپنے کا نشان رکھتے ہیں

ملاحپا ہو تم تو بہا نے بہت ہیں
 حدیثِ سر زلف کیا کوئی سمجھے
 تہی دست جانے کا یاں سے نہ غم کھا
 بھڑکیو سمجھ کر مک لے آتش گل !
 کہوں غیر مجلس میں کیا تجھ سے دل کی !
 کوئی میں نکلتا ہوں دریاے غم سے
 نہیں آدمیت کا دلی میں چرچا
 لگا تیر کوئی جسے چلے پریا !
 بتوں کے تحشم کا کیا ذکر کیجے
 تری زلف کس کس کے پانو پڑے گی
 زمانے کا دیکھا ہے میں نے بہت کچھ
 زمانے کا مشکوہ نہ کر ہم سے، ہم دم !
 جگہ سیکڑوں ہیں، ٹھکانے بہت ہیں
 کہ اس بات کے شاخسانے بہت ہیں
 زمیں کے تلے تو خزانے بہت ہیں
 کہ اس باغ میں آشیانے بہت ہیں
 کہ یاں لوگ اپنے بگانے بہت ہیں
 ابھی اس میں جھکھولے کھانے بہت ہیں
 جدھر دیکھو بھڑوے زمانے بہت ہیں
 کہاں ہاتھ میں لے نشانے بہت ہیں
 خدائی کے یاں کارخانے بہت ہیں
 سہ زنجیر اک اور دوانے بہت ہیں
 مجھے یاد ایسے زمانے بہت ہیں
 سخن اور کہہ کچھ فسانے بہت ہیں

اٹھ اے مصطفیٰ کیا یہی در ہے تجھ کو؟
پیشکے کو سر آستلنے بہت ہیں

۳۸۷

ہے بسا گلِ عذار آنکھوں میں کیا سماؤں بہار آنکھوں میں
جیسے شیشے میں ہے، جھلکتا ہے رنگِ رخسارِ یار آنکھوں میں
رات جاگا ہے تو کہناں، جو تری اب تلک ہے خسار آنکھوں میں
دمِ شمشیر سا چمکتا ہے سرمہ ان ابدار آنکھوں میں
کام کر جاتی ہیں تری آنکھیں چپکے چپکے ہزار آنکھوں میں
اس نے اک جہانِ ولی سے دکھلا دی گردِ شمسِ روزگار آنکھوں میں
لالِ ڈوروں سے اس پری روکے ہے قیامت بہار آنکھوں میں
تیرے ہاتھوں سے آرہی ہے جاں اے دلِ بقیار! آنکھوں میں
رات از بس کہ کر رہا تھا، ہجوم شوقِ دیدارِ یار آنکھوں میں
تارے گن گن کے مصطفیٰ کاٹی
میں شبِ انتظار آنکھوں میں

۳۸۸

یار بن شغلِ مے و جام کے نزدیک نہیں عمر گزری کہ میں اس کام کے نزدیک نہیں
اک طرف شمع کہ یاں تیرگی طالع سے نورِ مہ اپنے در و بام کے نزدیک نہیں
تہمتِ بوسہ عاشق کے ہوں آلودہ دریغ! وے لبِ سادہ کہ دشنام کے نزدیک نہیں
کیا مصیبت ہے کہ جی نکلے ہے اور اس ساعت کوئی اس تیرہ سراغِ بام کے نزدیک نہیں
میوہِ پختہ کا طالب ہوں میں اس باغ کے بیج ہاتھ میرا شمرِ خام کے نزدیک نہیں
کونسا طائرِ بگرفتہ اجل، اے صیادا! اس گلستاں میں ترے دام کے نزدیک نہیں

دردِ دوری کی اذیت کو وہی سمجھے
جو کوئی اپنے دل آرام کے نزدیک نہیں
نت دعا ہی میں رہا ہاتھ مرا یا قسمت!
اب تلک زلفِ سیہ فام کے نزدیک نہیں
جب کے لئے راحتِ جاں! تجھ سے ہوا ہے تو جدا
دل مرا راحت و آرام کے نزدیک نہیں
مصطفیٰ خاص تو سمجھیں ہیں کھلا رتبہ شعر
قدر اس چیز کی گو عام کے نزدیک نہیں

۳۸۹

میں جب اس کو خنجر بکف دیکھتا ہوں
فلک گرہنسا تا ہے مجھ پر کسی کو
نہ یہ فے زمیں ہے، نہ فے آسماں ہے
ادھر کو ہے رخ کس کی مرگاں کا یارب
جب آتا ہے مرگاں پہ آنسو میں اپنے
ترا مستِ نظارہ مارا پڑا ہے
اگرچہ میں ہمتِ بلندی سے اپنی ق
وے مصطفیٰ ہو ہے میری تسلی
جو گاہے کلامِ سلف دیکھتا ہوں

۳۹۰

چہرہ اتر رہا ہے، نقشے بگڑ گئے ہیں
ہم جن کی دوستی پر دیتے تھے حبان اپنا
تلوارِ سج کے جب وہ نکلا ہے گھر سے باہر
تیری صفائے دندان کے آگے ہو کے عاجز
جب شہرِ دل سے پیائے بتم نے سفر کیا ہے
پھر ان دنوں تو تیرے لپٹن سے جھڑ گئے ہیں
قدرتِ خدا کی ہم سے دے رات لڑ گئے ہیں
کشتوں کے ہر گلی میں ستھرا و پڑ گئے ہیں
دانٹوں میں اپنے موتی تنکے پکڑ گئے ہیں
بستے نگر ہزاروں پل میں احسبڑ گئے ہیں

وے جو مریض تیرے جیتے تھے کل ذرا ایک —
 روتا پھروں ہوں تنہا میں قافلے میں یارو!
 جبے پھر لے اس کی پلکوں کا رخ ادھر کو
 واں اس نے گر لیا ہے خمیازہ منہ پھرا کر
 کہتے ہیں آج اُن کے پھر دم اکھڑ گئے ہیں
 منزل پہ میرے ساتھی مجھ سے بکھڑ گئے ہیں
 سینے میں آسماں کے سوراخ پڑ گئے ہیں
 یاں میرے چاکِ دل کے ٹلنے ادھر گئے ہیں
 اے مصحفی میں روؤں کیا کھپلی صحبتوں کو
 بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

۳۹۱

دیکھا جو دستِ غیر میں اس کا سر آستیں
 دستِ ستم کو تو نے جو کوتہ کیا تو سہیر
 کیا خوب دن تھے وے کہ جو گلشن سے ہر سحر
 ساعدہ جان تو کہ وہ شوخِ دوپٹہ باز
 تاہم نہ دیکھیں گوہرِ دنداں کی آب و تاب
 اس تیری ساعدہ ورقِ نقرہ دشن کو ہشوخ!
 جس طرح کہکشاں میں ستارے ہوں جلوہ گر
 نکلا پڑے کپڑوں سے وہ اس کا کیا عجب
 رویا بہت میں رکھ کے وہیں منہ پر آستیں
 خواہی دراز خواہ تو، کوتہ کمر آستیں
 چن چن کے پھول لاتے تھے ہم بھر بھر آستیں
 رکھتا ہے میرے قتل کو خنجر در آستیں
 جنتے بھی ہیں جو آپ تو منہ پر دھر آستیں
 ایسا نہ ہو چنت سے کرے مسطر آستیں
 یاں اشکِ خوں سے کھتی ہیں سوا خگر آستیں
 ساعد سے مجھ پہ کھینچے اگر خنجر آستیں
 اے مصحفی تو ایک غزل اور بھی تو ٹانک
 تیرے قلم کی ہے ابھی پُر گوہر آستیں

۳۹۲

پہنے ہے بر میں جامہ وہ جب چن کر آستیں
 دل نہ خمی اُس کے رنگِ حنا کا ہے دیکھ تو
 رکھتا ہوں اشکِ سرخ سے شاہد در آستیں
 تنکوں سے اور ہوتی ہے زیب آور آستیں

آگے ہی تیرے ہاتھوں سے ہم مر رہے ہیں جاں!
 کر ذبح مجھ کو، اے مرے قاتل! تو شوق سے
 جب خاصہ کھانے بیٹھے ہے وہ، اس کے خوان پر
 تو دم بدم چڑھائے ہے یہ کس پر آستیں
 پر بے شعور خوں میں نہ اپنی مہر آستیں
 آکر ملک ہلاتے ہیں اپنا سر آستیں
 اے مصطفیٰ! تو کس لیے رہتا ہے گریہ ناک؟
 آنکھوں پہ دیکھتا ہوں تری اکثر آستیں

۳۹۳

بے وفایان جہاں کس سے وفا کرتے ہیں؟
 اور تو شغل کچھ آتا نہیں ہم کو لاچار
 تجھ سے ہم شاد بہت رہتے تھے اے کنجِ قفس!
 منہ چھپایا جو کل اس نے تو میں منہس کر بولا
 دیکھیے صبح ہو کیا؟ شام بنے کیا جی پر؟
 جس پہ کی اس نے نظر چپٹ اے دوہیں مارا
 ماہ و خورشید کا پھرنا نہیں دن رات عبث
 جستجو میں تری ہم، اے گل تر! مدت سے
 ہم لگے جاتے جو ہیں ان سے، برا کرتے ہیں
 رات دن بیٹھے ہوئے گریہ کیا کرتے ہیں
 وقتِ رخصت ہے اب ہم تجھ کو دعا کرتے ہیں
 ”آپ کیا مجھ سے بھی پردے میں چھپا کرتے ہیں؟“
 ہم اسی سوچ میں دن رات رہا کرتے ہیں
 قدر انداز کوئی تیر خطا کرتے ہیں
 آپ کو تجھ پہ، مری جان! فدا کرتے ہیں
 جوں صبا ہر طرف آوارہ بھپرا کرتے ہیں
 مصطفیٰ ایک غمزل اور بھی کہہ، کیونکہ میاں
 قافیہ تجھ سے بہت خوب بندھا کرتے ہیں

۳۹۴

صبح اٹھ ہم جو درِ خانہ کو داکرتے ہیں
 بعد مرنے کے بھی ہے دائر و سائر بلبیل
 ان کو سمجھا کہ ترے کوچے کے رہنے والے
 کیا نصیب ان کے بھی اچھے ہیں جو خنجر کے تلے
 شام تک تیری ہی پھر راہ نکا کرتے ہیں
 تب تو پر اس کے گلستاں میں اڑا کرتے ہیں
 ہم پہ دن رات منت آوازے کسا کرتے ہیں
 اپنے قاتل کی طرف دیکھ رہا کرتے ہیں

سبب گریہ کہیں کیا یونہیں ہم کی پل میں
 نو بہار آئی ہے اب گل کی طرح ہم بھی نسیم!
 شوق تو دیکھ کہ جس وقت تو سو جاتا ہے
 طرفہ عزت ہے ہماری بھی گلی میں تیری!
 باغ میں آ کر ترے شوق ہم آغوشی میں
 زنجیر جنبش لب تو نہیں دیتا ہے ادب
 لے خبر اپنی ذرا جلد کہ یاں یاروں میں
 خود بخود آبلہ سے پھوٹ بہا کرتے ہیں
 دھبیاں کر کے گرمیاں کو ہوا کرتے ہیں
 ہم یہ آنکھیں ترے تلووں سے ملا کرتے ہیں
 گالیاں جو کوئی دیتا ہے سنا کرتے ہیں
 صبح اسٹھ پھول بھی خمیا زے لیا کرتے ہیں
 دُور سے ہم تجھے نظروں میں دھا کرتے ہیں
 تیغ ابرو پہ تری خون ہوا کرتے ہیں

تمہی جہاں مصحفی سوختہ جاں کی تربت
 پھول لالے کے کئی واں سے اگا کرتے ہیں

۳۹۵

شب ہے اور آشنا کی باتیں ہیں
 حسن کی سرزمین کا ہے مذکور
 کیوں نہ ہر بات پر کوئی غش ہو
 مجھ سے اور اتنا تلخ بولے تو!
 اس کی شرم و حیا کا نام نہ لو
 ہم ہیں اور شب ہے اور وہی تا صبح
 میرے نامے کو وہ نہیں پڑھتا
 عشق کے ابتدا کی باتیں ہیں
 واں کی آب و ہوا کی باتیں ہیں
 تیرے ناز و ادا کی باتیں ہیں
 یہ بھی پیارے! خدا کی باتیں ہیں
 کہ یہ شرم و حیا کی باتیں ہیں
 تیری زلف رسا کی باتیں ہیں
 جس جگہ مدعا کی باتیں ہیں

یار نے مصحفی کا خون کیا!
 نہ غلط، یہ حنا کی باتیں ہیں

۳۹۶

اس زلف میں عرق کے قطرے لٹک رہے ہیں
 یارات اندھیری میں تارے چٹک رہے ہیں

بیزاری اس چمن میں پھیلی ہے بس کہ ہر سو
 گل دستِ باغباں سے دامن جھٹک رہے ہیں
 ہم سے ملائیاں ہیں ہمک جس نے اپنی آنکھیں
 ہم اک نگہ پہ اس کی برسوں اٹک رہے ہیں
 آیا ہے آخر شب کون اس چمن میں یارب!
 جیسے سپندر مجر غنچے چٹک رہے ہیں
 اے مصحفی وہ کوئی آتا ہے گھر سے باہر
 ہم آسماں سے اس کے کیوں سر پٹک رہے ہیں

۳۹۷

بال زلفوں کے جب سنوارے ہیں
 دشمن جاں ہوئے ہیں عالم کے
 اس کے اعضا کی کیا کروں تعریف
 جیسے سانپے میں ڈھال اتارے ہیں
 کیوں نہ چپاتی سے میں لگا رکھوں
 داغ چپاتی کے مجھ کو پیارے ہیں
 وصل سے ان کے تو نہ ہو نومید ق یہ جو کئی شب نما شراے ہیں
 مصحفی کیوں نہ ہاتھ آویں گے
 ایسے کیا آسماں کے تارے ہیں؟

۳۹۸

کبھی جو یار کی پلکیں دو چار ہوتی ہیں
 وہ دام ہے تری زلف ہزار خم صیاد
 دکھاتی ہیں ہمیں سیرِ شگوفہ بادام
 تو برھپاں سی کلجے کے پار ہوتی ہیں
 کہ جس کو دیکھ نگاہیں شکار ہوتی ہیں
 دے آنکھڑیاں جو کبھو پر خمار ہوتی ہیں
 میں بس کہ کانپتا رہتا ہوں وصل کی شب بھی
 کب ایک جان کی عاشق کے اس کو پروا ہے
 بہار آئی کہاں ہے؟ قفس میں اے صیاد!
 یہ بلبلیں تو عبث بیقرار ہوتی ہیں
 جو چہلیں باغ میں فصل بہار ہوتی ہیں
 خدا کرے کہ مرے اور ترے ہوں روزِ وصال

انہیں کو دیکھ کے دل مصحفی پھلتا ہے
جو صورتیں کہ ذرا آبدار ہوتی ہیں

۳۹۹

بلبل کے چہچہوں سے آزار کھینچتے ہیں
شب باز کا تماشا یہ ہے جہاں جو دیکھو
ابرو کو ان کی گرہم کہتے ہیں راست خم ہے
دیتے ہیں دل میں میرے پکیاں اچوک خواباں
جو وادی طلب میں دن رات قطرہ زن ہیں
دشت جنوں سے جب میں نگاہ اٹھ چلوں ہوں
ساتی بغیر جب ہم جاتے ہیں سیر کرنے
کیا نارسا ہیں طالع ان کے جو اس صہنم کی
میری اور آسماں کی ہے پیل کی لڑائی
دو چار نالے ہم بھی ناچار کھینچتے ہیں
پردے میں آپ بیٹھے وے تار کھینچتے ہیں
اس بات سے وہ کٹ کر تلوار کھینچتے ہیں
چٹکی سے تیر کا جب سو فار کھینچتے ہیں
پلے پر آبلہ سے کب خار کھینچتے ہیں؟
دامن پکڑ کے میرا سب خار کھینچتے ہیں
خمیا زہ ہی چمن میں ہر بار کھینچتے ہیں
موے کر سمجھ کر زناں کھینچتے ہیں
گو لوگ درمیاں میں دیوار کھینچتے ہیں

وہ ہم سے گر خفا ہیں، تو ہم بھی مصحفی اب
لوہے کی درمیاں میں دیوار کھینچتے ہیں

۴۰۰

زبس کہ زلف کا تھا شب خیال میرے تنیں
خاک کی طرح کروں میں بھی اس کی پا بوسی
ہوا وہ دشمن جاں مالے بدگمانی کے
تن نزار سے ہوں ننگ اپنی ہستی کا
زبس کہ سوکھ کے کاٹا ہوا ہوں میں غم سے
بھلا تو ساتھ تو چلتا مرے جنازے کے
تمام روز رہا ہے ملال میرے تنیں
خدا نے دی نہیں اتنی مجال میرے تنیں
کسی نے گر کبھی پایا بحال میرے تنیں
کیا ہے بخت نے چینی کا بال میرے تنیں
کہیں ہیں لوگ زمیں کا ہلال میرے تنیں
نہ آئی موت بھی روز دھال میرے تنیں

خدا ہی جانے یہ کیا رنگ ہے کہ صبح سے آج
 کہے ہے کیک تری چال پر نظر کر کے
 میں کیا سوال کروں اس سے سخت حیراں ہوں
 نگاہِ لطف جو اس کی کبھی ہوئی مجھ پر
 زبیں کہ مست سے ساغرِ تصوف ہوں
 قدم زمیں پہ نہ رکھے مجھے یہ حیرت ہے
 کبھی وہ ماہ بھی آئے گا، اب کے گزرا ہے
 یہ کیا سبب ہے جو آج اتنا منفرت تھا یا ہے !

اگرچہ مصحفی میں خارِ خشک ہوں لیکن
 کیا ہے سایہ گل نے نہال میرے تنیں

۴۰۱

ہم جن بتوں کی خاطر زناں باندھتے ہیں
 مضمونِ زلف از بس پیچیدہ ہے، ہم اس کو
 سادہ ہمارے آگے بے طرح منہ چڑھا ہے
 کیا خود نما ہیں، یارو! یہ جامہ زیب لڑکے
 اب تک اکڑو ہی ہے ان نازنیں بتوں کی
 دکھا ہے کیا جو ہر دم رفتار کو تمھاری
 تلواری تیری چلتی غیروں پہ کیونکہ دیکھیں
 تقلید سے نہ ہوئے نامرد مرد ہرگز
 آگاہ وے نہیں ہیں کیا فنِ شاعری سے

وے قتل پر ہمارے تلواری باندھتے ہیں
 سو بار کھولتے ہیں سو بار باندھتے ہیں
 رونے کا ہم بھی، یارو! اب تار باندھتے ہیں
 آئینہ رکھ کے آگے دستار باندھتے ہیں
 پنکا کرے اپنی بلدار باندھتے ہیں
 کبک درسی کی مشاعر رفتار باندھتے ہیں
 آنکھوں پہ اپنی پٹی ناچار باندھتے ہیں
 دکھا ہے ہیجڑے بھی ہتھیار باندھتے ہیں
 مضمون چرا کے میرے جو یار باندھتے ہیں

جی کیوں چلا نہ جاوے ہر شعر کی ادا پر
 اے مصحفی ہم اس کی رفتار باندھتے ہیں

کس مست کی لو ہوسی آنکھیں نظر آتی ہیں
 ہر لحظہ قدم رکھتے، پڑتی ہیں ترے پائو
 جب گھر سے تو نکلا ہے بن سٹن کے کبھی باہر
 کہنے کو تو چھوٹی ہیں زلفیں تری، پر تو نے
 دل یار کے چنگل میں پاتا ہوں سدا اپنا
 جانے کی خبر میں نے جب تیرے سنی ہے تب
 جب نام ترا منہ سے نکلا ہے مرے، وہ میں
 اک وضع جو ہوتی تو ہم اس کا بیاں کرتے

اب مصحفی حبرے سے نکلے ہے جو کم باہر
 ان روزوں کہیں اس کی آنکھیں مگر آتی ہیں

مخلوق ہوں یا خالق مخلوق نما ہوں
 ہوں شاہد تنزیہ کے رخسار کا پردہ
 ہے مجھ سے گریبان گل صبح معطر
 گوشِ شنوا ہو تو مرے رمز کو سمجھے
 ہستی کو مری ہستی عالم نہ سمجھنا
 ہوں سینہ عشاق میں سوزِ جگر و دل
 یہ کیا ہے کہ مجھ پر مرا عقدہ نہیں کھلتا
 معلوم نہیں مجھ کو کہ میں کون ہوں کیا ہوں
 یا خود ہی شاہد ہوں کہ پرے میں چھپا ہوں
 میں عطر نسیم چمن و بادِ صبا ہوں
 حق یہ ہے کہ میں سازِ حقیقت کی نوا ہوں
 ہوں ہست تو پرستی عالم سے جدا ہوں
 اور دیدہ معشوقاں میں کیا ناز و ادا ہوں
 ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

اے مصحفی شانیں ہیں مری جلوہ گری میں
 ہر رنگ میں میں منظرِ آثارِ خدا ہوں

از بس تری ادائیں مجھ کو کڑھائیاں ہیں
 میں چونک چونک اٹھوں ہوں ناگن سی تری زلفیں
 تم واں پڑے پھر وہو گلیوں میں بے خبر سے
 کیونکر کہ میں نہ باندھوں مضمون تازہ ہر دم
 جب دیکھتا ہوں تجھ کو آنکھیں بھراکتیاں ہیں
 جب آکے خواب میں بھی مجھ کو ڈراتیاں ہیں
 رفتار پر تمھاری یاں جانیں جاتیاں ہیں
 سو باتیں تیری آنکھیں مجھ کو سنبھالتیاں ہیں
 اے مصحفی تو اس کو مت دیکھ چوری چوری
 کم بخت یہ نگاہیں تہمت لگاتیاں ہیں

کوچے میں عافیت کے کہاں بیٹھتا ہوں میں
 آتا ہے جو کوئی تری مجلس میں، تجھ سے، یار!
 کیا ہو گیا ہے مجھ کو، جو اس عقل و ہوش پر
 کہتا ہے تیر غمزہ یہی مجھ سے ہر گھڑی
 فتنہ اٹھ ہے ایک جہاں بیٹھتا ہوں میں
 کہتا ہے یہ ادبے ”یہاں بیٹھتا ہوں میں“
 تیر بلا کی حباے نشان بیٹھتا ہوں میں
 ”ہاں پہلوے شکستہ دلاں بیٹھتا ہوں میں“
 راتوں کو لے کے تیر و کماں بیٹھتا ہوں میں
 پرے میں بوے گل کے نہاں بیٹھتا ہوں میں
 مضمون بے دماغی عالم پہ کر نظر
 دل رک گیا ہے سب سے مرا اب تو مصحفی
 دروازہ بند کر کے میاں بیٹھتا ہوں میں

ہم ترے کوچے سے ناحیاں چلے جاتے ہیں
 چال چلتا ہے مری جان اتو اٹھکھیلی سے
 جی تو کرتا نہیں جانے کو دلے جاتے ہیں
 دل ترے پانوتلے مفت ملے جاتے ہیں
 خاک کے بیج یہ موتی سے لے جاتے ہیں
 سامنے سے مرے احباب ٹلے جاتے ہیں
 ہم ترے کوچے سے ناحیاں چلے جاتے ہیں
 چال چلتا ہے مری جان اتو اٹھکھیلی سے
 انسوؤں کا مجھے اپنے ہے نہایت افسوس
 دیکھ زخمی مجھے اس تیغ کا ڈر کے مارے

جی میں کیا ان کے دم نزع گزرتی ہوگی؟
 کیا تماشا نظر آتا ہے انہیں حیراں ہوں
 میں ہی منہ دھانپ کے روتا نہیں کچھ میرے لئے
 ایک عالم کا گزر گاہ ہے دروازہ مرگ
 یاں سے جاتے ہوئے جو حسرتیں لے جاتے ہیں
 یا رکیوں خاک کے پرے میں چلے جاتے ہیں
 آنسو داں اس کے بھی برقعے میں ڈھلے جاتے ہیں
 جس میں ہو کر کے برے اور بھلے جاتے ہیں
 کیونکہ اس آتش سوزاں کے مقابل رہیے
 مصحفی اپنے تو تیر ہی جلے جاتے ہیں

۴۰۷

غیر کے گھر تو نہ رہ رات کو مہمان کہیں
 اب تلک غنچے کی گردن ہے جھکی خجلت سے
 رازِ دل اس سے کہا میں تو لے یہ ڈر ہے
 لے پریشانی زلفِ صم کا فرکیش!
 دل کی بے چینی سے میں سخت بتنگ آیا ہوں
 دھانی جوڑے نے ترے کھیت رکھا ہے مجھ کو
 منع کس واسطے کرتا ہے؟ میں تیرے صدقے
 دردِ دل جا کے میں کہہ لوں ابھی در کے نزدیک
 تانہ اس بات کا چرچا ہو، مری جان کہیں
 اس نے دیکھے تھے ترے گوے گرمیاں کہیں
 کہ مرے راز کو کہہ دے نہ وہ نادان کہیں
 کیجیو تو نہ مرے دل کو پریشان کہیں
 چین پڑتا ہی نہیں ہے اے اک آن کہیں
 سبز رنگ اتنے تو دیکھے نہیں میں دھان کہیں
 عید کے دن تو مجھے ہونے سے قربان کہیں
 ایک ساعت کو ہی اٹھ جاؤں جو دربان کہیں
 مصحفی ایک غزل اور بھی میں لکھتا ہوں
 یہ تو بیتیں کئی میں نے بہت آسان کہیں

۴۰۸

بال بکھرے ہیں کہیں، زلف پریشان کہیں
 قتلِ عاشق پہ کمر باندھ نہ آ، جانے دے
 یارو! از سہرِ خدا دیگی ہے یہ آن کہیں؟
 بانگین خوب نہیں اتنا، کہا مان کہیں
 جس کا دامن ہو کہیں اور گرمیاں کہیں
 ایسا دیوانہ رکھے جانے کا اپنے کیا ہوش

کیا فسوں پڑھ کے خدا جلنے کھلا دے مجھ کو
 تو تو اس شہر سے جاتا ہے ولے یہ ڈر ہے
 خلش دل کے ہیں آثار برے، ڈرتا ہوں
 کب تک کوہ و بیا باں ہیں پھروں میں؟ لے کاش!
 خط لکھا آپ نے میرے تئیں بے سرنامہ
 کیا کروں دردِ محبت کا دوا حیراں ہوں
 آنے میں تو بہت اپنی طرف دیکھے ہے
 ابر کی طرح سے آتے ہیں بھرے دیرۂ تر
 اک ذرا خاکِ شہیداں سے سنبھل کر چلنا
 مصحفی کے تئیں تم قتلِ عبث کرتے ہو
 پیدا ہوتے ہیں بھلا ایسے بھی انسان کہیں!

۲۰۹

گر ہو طمعِ بندوہ رشکِ فرنگیاں
 شوخی مزاج اس کے سے اب تک گئی نہیں
 ببل کے اشکِ سرخ نے یہ کیا غضب کیا
 گردوں اگر چہ دن کو غزالِ سیاہ ہے
 دیکھانہ ہو گا وہ کبھی بیزن نے چاہ میں
 عارض پہ تیرے جوششِ خطِ سیاہ ہے
 بانکے منل بچے نہ کریں خانہ جنگیاں
 دیے ہی بانکپن ہیں، وہی غولہ و تنگیاں
 جو تیلیاں قفس کی بھی خوں میں رنگیاں
 پر شب کو میرے ماتھ کرے ہے لپٹنگیاں
 جو دن مجھے دکھاتی ہیں قسمت کی تنگیاں
 یا روم پر چڑھ آئی ہیں یہ فوجِ رنگیاں
 کیا جانے کس سے بگڑی ہے دریا میں مصحفی
 لہروں کے ہاتھوں میں ہیں جو تلواریں رنگیاں

اس گفتگو کا اور ہی انداز ہے، سنو!
 بسم اللہ کتابِ دو عالم ہے حرفِ عشق
 پر دے میں نہ فلک کے یہ آواز ہے، سنو!
 تنہا نہ حق کو سولی پہ منصور کہہ گیا
 اس قفس میں دیکھ کے کہتی ہے مجھ کو خلق
 اس قفس کا یہیں سے تو آغاز ہے، سنو!
 ہر ذرے کی زباں پہ یہی راز ہے، سنو!
 اس مرغ کو بھی حسرتِ پرواز ہے، سنو!
 نالے کو ٹھک مرے بھی یہ کیا ناز ہے؟ سنو!
 مرغِ قفس بھی زمزمہ پرداز ہے، سنو!
 دیکھو نہ مصحفی کی غزل کو بچشمِ کم
 لے یاد دایہ تو سحر ہے، اعجاز ہے، سنو!

دل ہے لبریزِ تماشا، دیکھو!
 چشم و ابرو عالمِ تصویر ہے
 مے سی پھلکے ہے، یہ یلنا دیکھو
 اُس بتِ کافر کا نقشا دیکھو
 ان خوش انداموں کے اعضا دیکھو
 تم مرا اس دم تماشا دیکھو
 مصحفی، رو پاتے ہی اس شوخ کا
 لگ چلا ہے اس سے کیسا، دیکھو

آتا ہے کس انداز سے، ٹھک ناز تو دیکھو!
 کس دھج سے قدم پڑتا ہے، انداز تو دیکھو!

طاؤسِ پری جلوہ کو ٹھکرا کے چلے ہے
 ایک جنبشِ لب اس کی نے لاکھوں کو جیلایا
 کرتا ہوں میں دزدیدہ نظر گر کبھی اس پر
 میں کسنگرۂ عرش سے پر مار کے گزرا
 لے وائے کہ اس سعی پر اپنی، کبھی اس سے
 کیا بولنے میں اس بتِ کافر کے ادا ہے
 اندازِ حرامِ بتِ طنّاز تو دیکھو!
 عیسیٰ کو یہ قدرت کھتی؟ تم اعجاز تو دیکھو!
 نظروں میں پرکھ لے ہے، نظر باز تو دیکھو!
 اللہ رے رسائی، مری پرواز تو دیکھو!
 سازش نہ ہوئی، طالعِ ناساز تو دیکھو!
 شیریں سخنِ اک طرف، آواز تو دیکھو!
 ابتر ہے یہ دیواں تو، میاں مصحفی، سارا
 انجم کی کیا کہتے ہو؟ آغاز تو دیکھو

۴۱۳

بہارِ گل کی خوبی ہم دل افکاروں سے مت پوچھو
 ہزاروں طرح دل لینے کے تئیں آغازِ الفت میں
 رہائی نام ہے کس چیز کا اور کس کو کہتے ہیں؟
 تجلی نام شعلہ رات اس گلشن میں دائر تھا
 مرا جی جانتا ہے یا میں جانوں ہوں، وہ کیا جانیں؟
 کہا اک بار میں نے حالِ دل اپنا میاں! تم سے
 جو کچھ ہم پر گزرتی ہے وہ پوچھو ہم سے، کہہ دیں گے
 حسن کا شعر ہے، میاں مصحفی، کیا حسبِ حال اپنے
 مزہ گلگشت کا گلشن کے بیماریوں سے مت پوچھو
 جو آفت ہم پر آئی ان طرح داروں سے مت پوچھو
 یہ بات لے دوستانِ ہم سے گرفتاروں سے مت پوچھو
 پڑی پھولوں پہ بجلی کس کے رخساروں سے مت پوچھو
 جو غم گزے ہے مجھ پر پیر غم خواروں سے مت پوچھو
 یہ کیا خوئے تمھاری؟ اتنی تکراروں سے مت پوچھو
 خدا کے واسطے ان کبک رفتاروں سے مت پوچھو
 سنو تم ہم سے، اس کو خانماں داروں سے مت پوچھو
 ”گئے دے دن جو رہتے تھے جہاں آباد میں ہم بھی
 خرابِ شہر کی صحرا کے آواروں سے مت پوچھو“

۴۱۴

گر اپنا حال غم سے ترے تنگ ہے تو ہو
 آنکھوں کا اشکِ سرخ سے یہ رنگ ہے تو ہو

اپنے تو گھر میں نالہ و زاری ہے روز و شب
 تیغِ جمال کو نہ لگے تیسری مورچہ
 ہم بت کے پوجنے کو سمجھتے ہیں اپنا فخر
 اس سے خدا پرستوں کو گر ننگ ہے تو ہو
 مجلس میں اس کی شغل نے وچنگ ہے تو ہو
 گردل کے آنے پہ مرے زنگ ہے تو ہو
 کعبے کا جانا فرض نہیں ہم کو مصحفی
 کعبہ جو ہم سے سیکڑوں فرسنگ ہے تو ہو

۴۱۵

بس کہ سرتابہ قدم مائل بیداد ہے سرو
 قدکشاں باغ میں جس روز کہ وہ آیا تھا
 بند ہے خاکِ چمن سے رگ و ریشہ اس کا
 حق تعالیٰ تجھے اس باغ میں سرسبز رکھے
 جوشِ خوں کامرے ہوتا نہیں اس پر بھی علاج
 رو دیا میں نے جو قمری نے کہا وقتِ سحر
 گرچہ ہر نخل جدا باغ میں سر کیچنے ہے
 ہے غلط قد کو ترے سرو سے نسبت دینا
 کیجو آزدہ نہ قمری کو، ترے سر پر سے
 غم میں اس قدر کے اک آہ دلِ ناتاد ہے سرو
 ہاے وہ روز قیامت کا تجھے یاد ہے سرو!
 پر غلط ہے یہ جو کہتے ہیں کہ آزاد ہے سرو
 تیرے قدموں ہی کی دولت چمن آباد ہے سرو
 گرچہ ہر برگ ترا نشترِ فصاحت ہے سرو
 بھر کے اک آہ ترے ہاتھوں سے فریاد ہے سرو
 پر جو دیکھا تو قیامت تری استاد ہے سرو!
 سایہ قد کا ترے، اے شوخِ پری زاد! ہے سرو
 اڑ گئی وہ تو یہ خوبی تری برباد ہے سرو

قدِ نوخیز کو اس سرو کے کب پہنچے ہے
 گرچہ رعنائی میں، اے مصحفی! استاد ہے سرو

۴۱۶

آج جو صبح سے تم چیں بہ جبیں بیٹھے ہو
 ہو جفا جوئی گردوں سے جو اتنے غافل
 کہیں دیکھا ہے یہ غم؟ تم بھی تو آخر، یارو!
 بے جگہ رات مگر جا کے کہیں بیٹھے ہو
 ایسی کس فکر میں، اے اہلِ زمیں، بیٹھے ہو؟
 سالہا با غم و اندوہ قریں بیٹھے ہو

مر گیا کونسا دل سوز تمہارا عاشق ؟
 تم گرفتاریِ خاطر کو، میاں، کیا سمجھو ؟
 حلقہ بزم کی نت زیب رہی ہے تم سے
 کوچہ یار میں کل چھوڑ گیا تھا تم کو
 کس کے ماتم میں، مری جان ! حزیں بیٹھے ہو
 ابھی روزِ بد عاشق میں نہیں بیٹھے ہو
 تم جہاں بیٹھے ہو وہاں مثلِ رنگیں بیٹھے ہو
 آج دیکھا تو اسی طرح غمیں بیٹھے ہو
 میں یہ جانا تھا کہیں گھر کو سدھائے ہو گے
 کیا، میاں مصحفی، تم تب کے یہیں بیٹھے ہو ؟

۴۱۷

اپنی پیشانی پہ تم ماشِ ہندل نہ کرو
 کیا قیامت ہے کہ تم خون کرو عالم کا
 تیرہ روزی کو مری سربہ کفایت ہے، میاں !
 حاکم شہر اگر میں ہوں تو امتنا کہہ دوں
 میں بھی موجود ہوں اور تم بھی ہو، یہ تیغ، یہ طشت
 دردِ سر مجھ کو نہ دو، جی مرا بیکل نہ کرو
 اور نظرِ جانبِ رنگینیِ مقتل نہ کرو
 ملکِ خدای سے ڈرو آنکھوں میں کاجل نہ کرو
 کہ کوئی شہر میں آئیے کو صیقل نہ کرو
 قہر ہے اب بھی جو جھگڑا مرا فیصل نہ کرو
 یا علی ! مصحفی پھر جائے بھلا کس کے پاس ؟
 اس کی مشکل کے تئیں تم ہی اگر حل نہ کرو

۴۱۸

رہنے دو مرے سینے میں، پیکاں کو نہ چھڑو
 طمک رحم کرو چاکِ گریبان پہ مرے
 اس دھوم سے آئی ہے بہارِ اب کے کہ ہر سو
 یہ وہ نہیں ناسور کہ ہو بند کسی سے
 خاطر کو پریشاں نہ کرو اور بھی میری
 روٹھا ہوں جو میں اس کو من لوں گا پھر آپھی
 از بہرِ خدا ناوکِ جاناں کو نہ چھڑو
 یاد رہا کوئی اس شہ رخ کے داماں کو نہ چھڑو
 قدغن ہے کہ مرگِ گل و ریاں کو نہ چھڑو
 رہنے دو مرے دیدہ گریاں کو نہ چھڑو
 ہر لحظہ، میاں ! زلفِ پریشاں کو نہ چھڑو
 جاؤ، کوئی مجھ تازہ پشیمان کو نہ چھڑو

وہ فتنہ نہیں ہے وہ کہ تہمت نہ لگا دے
 لے نا صحو! کچھ فکر کرو چاکر جگر کا
 زلفیں تری زاہد سے الجھتی ہیں، تو آنکھیں
 دکھتا ہے یہ دل اور بھی بے سرباد کرے ہے
 ہر چند کہ اس فتنہ دوراں کو نہ چھڑو
 بیہودہ مرے چاک گریباں کو نہ چھڑو
 کہتی ہیں کہ اس مرد مسلمان کو نہ چھڑو
 مت ہاتھ لگاؤ دلِ نالائ کو نہ چھڑو
 رہنے دو پڑا مصحفی خاک بہ سر کو
 اس غمزدہ بے سرو ساماں کو نہ چھڑو

۴۱۹

زلفوں کو کیوں کیا ہے پریشان؟ یہ کہو
 باراں سے میرے اشک کو نسبت نہ دو کوئی
 اب تک ہے آنکھڑیوں میں تمھاری خماری سا
 دیر و حرم کی راہ میں حیراں ہے میری عقل
 کس پر سبھی ہے تم نے میاں تیغ خوش غلاف؟
 اس خستہ دل کو دو کہتے ہو تم جو، دوستو!
 جاؤں چمن میں اب کے تو پوچھوں گلوں سے میں
 نکلے ہو آج آمنہ خانے سے بے حواس!
 نرگس کی طرح نکلے ہے اک تم سے رنستگی
 کیا مدعا ہے اس سے، مری جان! یہ کہو
 نازل ہوا ہے عرش سے طوفان یہ کہو
 کس کے ہے ستھے رات کو مہمان؟ یہ کہو
 جاؤں کدھر کو؟ گبر و مسلمان! یہ کہو
 ہے ایسا کس کے قتل کا سامان؟ یہ کہو
 دیکھی ہے اس کی جنبشِ مرگان؟ یہ کہو
 ”کس پر ہوئے ہو چاک گریبان؟ یہ کہو“
 نظروں میں کھب گئی ہے کوئی آن؟ یہ کہو
 لے دیدہ! اتنے کس کے ہو حیران؟ یہ کہو
 آخر تمھارے، ناز کا کشتہ ہے مصحفی
 کیوں ہو گئے ہو جان کے انجان؟ یہ کہو

۴۲۰

ہماری حال پر اس کی نگاہ کیونکر ہو
 خدانے تجھ کو بنایا ہے سنگ دل، لے بت!
 الہی دیکھیے عفو گناہ کیونکر ہو
 بھلا کس کی ترے دل میں راہ کیونکر ہو

نہ در سے جہانکے کبھی وہ نہ بام پر آوے
 جہاں کہ ہو دمِ شمشیر تیغِ تیز بلند
 تھیں تو غیروں سے الفت ہے تم ہو ہر جانی
 ہنوز ملنے کی صورت نظر نہیں آتی
 ہماری اس کی ملاقات آہ کیونکر ہو
 زباں بریدہ کوئی داد خواہ کیونکر ہو
 تمھارے ساتھ ہمارا نباہ کیونکر ہو
 اس آرزو میں بسر سال و ماہ کیونکر ہو
 یہ کیا سبب ہے؟ میاں مصحفی، بتا دو تو
 تم اس گلی میں بحالِ تباہ کیونکر ہو

۴۲۱

تو کہے سو بار اگر اپنی زباں سے ”دور ہو“
 ہجر میں اس بے وفا کے مجھ پہ جو گزے ہے ہاں
 گو کہ دن ہو مے بڑا پر ایسی منزل کے تسیں
 قصہ دروغِ غریبی اس سے پوچھا چاہیے
 یہ نہیں ممکن فقیر اس آستان سے دور ہو
 یہ وہی جلنے جو اپنے دل ستاں سے دور ہو
 کس طرح پہنچے جو کوسوں کا رواں سے دور ہو
 موسمِ گل میں جو اپنے آشتیاں سے دور ہو
 غصہ ہو کہنے لگایوں چل بے یاں سے دور ہو
 یہ حجابِ چشم یارب درمیاں سے دور ہو
 مصحفی تو مر بھی نہیں جاتا کہ تالے ننگِ عشق !
 نامِ بدنامی کہیں اس دو دماں سے دور ہو

۴۲۲

آپھی اکتا کے جو تیرے آستان سے دور ہو
 کس طرح وہم و گماں میں آدمی کے اسکے
 یاس کو اس بلبلِ بے پر کی دیکھا چاہیے
 کیوں نہ راتوں کے تسیں، اے ماہ تیرا منہ تکی
 تو نہ کہہ، پیاسے! اے اپنی زباں سے ”دور ہو“
 وہ منزہ ذات جو وہم و گماں سے دور ہو
 آتشِ گل جس کے کچھ اک آشتیاں سے دور ہو
 جو کوئی اپنے مہر و مہرباں سے دور ہو
 چین سے سوؤں جو یہ دل درمیاں سے دور ہو

ایک ننکا بھی نہ ڈھونڈا پائے، افسوس ہے !
 آشیاں ببل کایوں اس گلستاں سے دور ہو
 مصحفی نے زمیں پر یوں نہیں رہے کالطفت
 آسماں کو دور کر یا آسماں سے دور ہو

۴۲۳

نے وہ آپ آئے، نہ قاصد درمیاں سے دور ہو
 اس بیاباں میں الہی قیس کا ہودے گزار
 کب رولے یہ کہ ایسی فصل گل میں، باغباں !
 میں جو کھینچوں ہوں نعل میں اس کو یوں بھاگے وہ
 جس نشان پر تیر پھینکے تیر کے وہ ابرو کماں
 پان کھا کر وہ بت رنگیں ادا، اے مصحفی !
 اب کے گرایا تو میں بھی منہ سے اس کے منہ لگا
 ایسے بوسے لوں کہ سرخی رنگ پاں سے دور ہو

۴۲۴

ہم جی سے خفا بیٹھے ہیں، آؤ نہ ادھر کو !
 ڈرتا ہوں کہ گرد آپ کے دامن پہ نہ بیٹھے
 تختہ ہو۔ چمن کا مرا ہر تختہ دامن
 کا کل کی ترے یاد میں رویا ہی کروں ہوں
 محبوبوں کا از بس کہ تو محبوب ہوا ہے
 جب مل گیا منہ پھیر لیا اس کی طرف سے
 یوں تخت دل اور اشک ہیں مٹرگاں پہ مری جمع
 گھائل کا تیرے داغ نگہاں ہے جس طرح
 تلوار لیے ہاتھ میں جاتے ہو کدھر کو !
 ٹھکرا ئے ہوئے چلتے ہو اس خاک بسر کو
 دامن میں اگر حج کروں لخت جگر کو
 کھل جاتی ہے جب آنکھ مری پھیلے پہر کو
 لیٹے ہے تیری زلف بھی اب تیری کمر کو
 نالے سے مرے ننگ رہا بس کہ اثر کو
 اک تلگے میں جوں دیویں گرہ لعل دگر کو
 زخمی کے گلے باندھیں ہیں طاووس کے پر کو

گھر جانے کا امت نام لے، جی دھڑکے ہے میرا میں خاک رہوں گا تو گر جائے گا گھر کو؟
 تیرے لب و دندان کی مزے داریاں، پیاسے ! ڈرتا ہوں کہ رسوا نہ کریں شیر و مشر کو
 اے مصحفی میں آہ کی سوزن سے شبِ مہرسل
 کرتا ہوں رفوچاکِ گریبانِ سحر کو

۳۲۵

نامِ عشق اب تو لیا اس میں سبلا ہویا نہ ہو خود وفا کرنی نہیں، اُس میں وفا ہویا نہ ہو
 خوب روڑ لڑکے کا ہم کو ٹک نظر آنا ہے شرط پھر تو دو دو باتیں کرنی، آشنا ہویا نہ ہو
 وے نہیں کچھ ہم کہ بھاگیں دیکھ کر انبوہ خلق ہم کو بھی جا بیٹھنا مجلس میں جا ہویا نہ ہو
 ہائے زلفیں تری اور ہائے وہ لمبے بال دیکھ کوئی ان کو گرفتارِ بلا ہویا نہ ہو
 جب کہ تو گالی سوا پیاسے کرے ہرگز نہ بات تو ہی کہہ باتوں سے تیری جی برا ہویا نہ ہو
 ڈھب کڈھب اس کو لگانی تیغ ہر دم مصحفی
 اس میں مقتول کاتن سے جدا ہویا نہ ہو

۳۲۶

مجھے قتل، ناحق آپ کو بدنام کرتے ہو میاں کیوں کھینچتے ہو تیغ کو کیا کام کرتے ہو
 دکھاتے ہو اگر گاچے سر دیوار سے مکھڑا تو سپرد وہیں نہاں جوں آفتابِ بام کرتے ہو
 ستم کرتے ہو اور بیدار یہ ہم رو سیاہوں پر کہ زلفوں کو نقابِ عارضِ گلفام کرتے ہو
 نگاہیں تو بہم لڑیاں ہیں پر کچھ شرم کے مالے نہ ہم پیغام کرتے ہیں، نہ تم پیغام کرتے ہو
 تمہیں اے دیدہ دل! آفریں! اپنی تو کیا کہیے خیال اک ایسے ہی جشی کا ہر شبِ رام کرتے ہو
 جو ملنا ہے تو اک شبِ مصحفی سے آکے مل جاؤ
 میاں! جھوٹی یہ کیا ہر روز صبح و شام کرتے ہو

زبس آٹھوں پہر گھیرے ہی رہتی ہے حیات تجھ کو
 حرم میں جاوے، اے محرم! تو اتنا اس سے کہہ دیجو
 تراکتہ ہوں میں، اے فونہالِ باغِ رعنائی!
 مرے دل کی پریشانی کو کبھے اپنی زلفوں سے
 رہا ویسا ہی بیگانہ تو نامِ آشنائی سے
 بے این بے پردگی ہے گر یہ تیرا بام پر آنا
 ہمارے دل کی آسائش نہ چاہی، ہاے کیا ہوتا!
 دریا ہاتھوں پر اس کے عاشقانہ تو نے جا بوسہ
 کہیں اے مصحفی، سوانہ ہو تو مجھ کو یہ ڈوسے
 پڑا ہے بے طرح سے دیدہ بازی کا مزا تجھ کو

جاتا تھا سرِ رہ سے چلا صبح کہیں کو
 آنکھوں سے مری حسرتِ نظارہ نے تیری
 اے دیدہ! تجھے قدر ہے کیا لغتِ جگر کی
 ہرچند میں سویرے میں تقریرِ سخن کی
 اے واے! کہ آرہتا ہے اک ٹکڑا جگر کا
 کچھ جذبِ محبت سے نہیں دُور جو رقصاں
 سرپیٹ لیا دیکھ گئے میں اس کی جبیں کو
 کر آب بہایا نگہِ بازِ پسین کو
 کیوں ہاتھ سے کھوتا ہے سیماں کے نگلیں کو
 پر کوئی نہ سمجھا مری آوازِ حزیں کو
 جب پونچھوں ہوں دامن سے میں اس چشمِ نمیں کو
 لافے بہ حرم راہِ بیت خانہ نشین کو
 اے مصحفی رشحِ قلمِ نادرِ فن سے
 ملک اور کبھی سرِ سبز کر اس تازہ زمیں کو

گو مجھ پہ فلک تیز کرے خنجر کیوں کو
یہ سن وہ شعلہ ہے کہ گر سر کو اٹھا لے
کیا دُور ہے کچھ اس سے؟ تری چٹم کی گردش
پیارا آتا ہے جب دل میں تو سوچوں ہوں یہی میں
اے شوقِ سفر اس کی خبر ہم کو بھی کیجو
باندھا ہے مری جاں ایدِ قدرت نے خدا کی
زمیندہ ہے یوں لختِ جگر اشک کے نیچے

اے مصحفی! دلی میں بہ اعجازِ مسیحا
خامے نے ترے پھر کے چلایا ہے حزیں کو

کیا سن سے اس کے ہو خبر اہلِ زمیں کو؟
حکاک نے جب باد دیا نام ہمارا
کیا تاب کبوتر جو مرے نامے کو لیجاے
گھبراتا ہے جب جی تو سی آتا ہے دل میں
میں دم بخود اس کو چے سے گزرا کہ مبادا
یہ اس سے نکو تر ہے تو وہ اس سے نکو تر
سورج نے بھی دیکھا نہیں جس پردہ نشیں کو
آزردہ کیا برسرِ ہر حرفِ نگیں کو
واں طاقت پرواز سنہیں روحِ الایں کو
سرپٹ نکل جائے بستی سے کہیں کو
پہچان لے دشمن مری آواز حزیں کو
رخسار کو ہم اس کے سراہیں کہ جبیں کو؟

اے مصحفی! خوف مجھے آہ کا تیری
لامے نہ تزلزل میں کہیں عرشِ بریں کو

ٹمک مرے حال پر نظر تو کرو کوئی حباؤ اسے خنجر تو کرو

اور ہی انداز کا ہے یہ رونا ابر اس طرح چشم تر تو کرو
 صدفِ مرگاں کے سامنے، یارو! ہونا ہووے سو ہو جگر تو کرو
 بات کہتا ہوں تم سے، سنتے ہو! ٹک، میاں جان! منہ ادھر تو کرو
 سوچنے کیا ہو؟ خوب ہوئے گا
 مصحفی یاں سے تم سفر تو کرو

۴۳۲

اے دل! اک روز ہم اپنا بھی جگر دیکھیں تو تیر مرگاں کا بدن سینے کو کر دیکھیں تو
 ابر سے آج مجھے دعویٰ خونباری ہے رنگ کیا لاتے ہو، اے دیدہ تر! دیکھیں تو
 میں ادھر یا رکھا ہوں، ادھر تو، اے دل! کون لیجاوے اے کھینچ کے گھر دیکھیں تو؟
 کب کے مشتاق ہیں ایسی ہے؟ کدھر ہے؟ کیا ہے؟ ٹک ادھر آتو تری ہم بھی کمر دیکھیں تو
 مصحفی طبع رواں بر سرِ درِ ریزی ہے
 اور بھی فکرِ ٹک اس بحر میں کر دیکھیں تو

۴۳۳

شام تک کرتی ہے تو کیونکہ اثر! دیکھیں تو ہم بھی شبنم تری، اے دیدہ تر! دیکھیں تو
 ڈھب میں آجائے تو آجائے وہ شب چوری سے اس کے پانو پہ ذرا ہاتھ کو دھر دیکھیں تو
 لالہ ہے شعلہ بازی پہ چمن میں، ہم آج گل کھلانا تر، اے داعِ جگر! دیکھیں تو
 تیر مرگاں ترے سورج سے یہی کہتے ہیں ہم ذرا آج یہ تیری بھی سپرد دیکھیں تو
 کرتے ہیں دعویٰ اعجازِ مسیحا لبِ یار کیا تعجب ہے جلادیں، کبھی مرد دیکھیں تو
 ہم بھی موجود ہیں اور اتنے اسیر، اے قاتل! کون رکھنا ہے تلے تیغ کے سر دیکھیں تو؟
 دشت میں بھی نہ ملا مصحفی آوارہ
 کبھی آیا ہو مہلا پھر اُسے گھر دیکھیں تو

اوروں پہ نہ نیمچہ نکالو
تیار ہوا ہے قافلہ سب
یہ طرفہ کہ ہم کو ہی کرو قتل
یوں گزریں ہیں خاکِ کشتگان سے!
کیا اپنی کہو ہو، ملک سنو تو
تم ہے ہو کہ جس کے دل کو چاہو
لازم ہے کہ سب کے رو برو ہو؟
اور پرے میں ہم سے منہ چھپالو

اے مصحفی! دوستدارِ آخر
روٹھا ہے تو اس کو جانبِ الو

ایک تو بیٹھے ہو دل کو مرے کھو اور سنو!
مے پیو آپ جو دیوں مجھے تلچٹ احباب
قصہ اپنا تو میں سب تم سے کہاء اے یارو!
چٹکیاں لیتے ہو جب پاس مرے بیٹھو ہو
ستم طرفہ تو یہ ہے کہ مجھے روتا دیکھ
ابھی دفتر ہیں بغل میں مری، اے ہم نفسو!
تس پہ کہتے ہو "دیا ہے تجھے" لو اور سنو!
ان سے کہتے ہو "اے خاک نہ دو" اور سنو!
چپکے کیوں بیٹھے ہو؟ کچھ تم کبھی کہو اور سنو!
آپ نے زور نکالی ہے یہ خو، اور سنو!
ہنس کے کہتے ہو "ذرا اور بھی رو" اور سنو!
ایک ہی بات میں اتنا نہ رکو، اور سنو!

مصحفی! ڈر نہیں میرے تئیں رسوائی سے
بات اپنی مجھے کہنی انہی کو اور سنو

بزم ہو، یار ہو اور شغلِ مے و جام بھی ہو
پھر تو خطرے ہیں جو ایسے میں یہ ناکام بھی ہو

ہے! کیا صبر کروں، میں تو موحیاتا ہوں
 کیا قیامت ہے کہ آنکھ اک تولٹے غرنے سے
 فرقت یار میں یہ دن تو مجھے دکھ لایا
 ہے ارادہ ترے کوچے سے سفر کا ہم کو
 ذبح کر ایسے سلیقے سے تو مجھ کو کہ میاں!
 ایک بوسے کے لیے کیا ہمیں ترساتے ہو
 اس نے کیوں نامہ مرا چاک کیا؟ اے قاصد!
 تو تو کیا بات ہے خط کی ترے، سبحان اللہ!
 حیف ہے اس پہ بھی گر اس کے نہ پہنچے در تک

دل بیتاب کو یارب کہیں آرام بھی ہو
 تس پہ پھر محو تماشاے لب بام بھی ہو
 بلے، اے صبحِ فراق! اب تو کہیں شام بھی ہو
 ابھی اٹھ جاؤں جو تھوڑا سا سر انجام بھی ہو
 خون خنجر پیے اور اس میں مر نام بھی ہو
 جان جاتی ہے جو دینا ہے تو اندام بھی ہو
 ہے قسم مجھ کو اگر اس میں مر نام بھی ہو
 اگر ایسا ہی اس آغاز کا انجام بھی ہو
 جب کہ عاشق میں طلب ہوئے اور ابرام بھی ہو

مصحفی ہر گھڑی حبا یا نہ کرو تم صاحب
 اک تو عاشق ہو اور اس کوچے میں بدنام بھی ہو

۴۳۷

دور سے مجھ کو نہ منہ اپنا دکھاؤ، جاؤ
 اس قدر آمد و شد تم کو ضرر رکھتی ہے
 جلوں جاؤں ہی جو کرتے ہو تو مانع ہے کون
 آپ کی آنکھوں سے میرے تنیں ڈر لگتا ہے
 تم جہاں جاتے ہو، مجھ کو بھی خبر ہے صاحب!
 سیرِ گلشن کو اگر جاتے ہو ہمراہ رقیب!
 ہم سے کیا منہ کو چھپائے ہوئے جاتے ہو تم!
 آپ کی میری کسی طرح نہ ہووے گی صلح

بس جی بس دیکھ لیا میں تمہیں جاؤ جاؤ
 دوستان! ہر گھڑی اس کو میں نہ آؤ جاؤ
 جاؤ، مدت جاؤ، جو جاتے ہو تو جاؤ، جاؤ
 مجھ سم کشتہ سے آنکھیں نہ ملاؤ، جاؤ
 اپنے جلنے کو نہ بندے سے چھپاؤ، جاؤ
 بخشو میرے تنیں، مجھ کو نہ بلاؤ، جاؤ
 ہم نے پہچان لیا، منہ نہ چھپاؤ، جاؤ
 فائدہ کچھ نہیں، باتیں نہ بناؤ، جاؤ

کیا میاں مصحفی یاں جی کے تنیں کھوؤ گے
 اس کے کوچے سے کہیں رخت اٹھاؤ، جاؤ

چھڑا ہے کس نے تجھ کو جو چین برحبیں ہے تو؟
 تابِ جفاے عشق نہ لاوے گا، حبانِ من!
 ہاتھوں سے تیرے مجھ پر جو عرصہ ہوا ہے تنگ
 کیا جانے خال و خط کو بنا لے تو کیا کرے
 گم روزِ حشر ہو تو ترے منہ پہ یوں کہوں
 لے دوزخِ فراق! میں سارا ہی جل گیا
 کل آسمانِ ملک نہ قدم رکھ سکا، چہ خوش!
 عرشِ بریں کے در پہ جو میں حلقہ زن ہوا
 لے لختِ دل! نہ رکھو قدم پیشتر کہیں
 میری خبر نہ سنجھ کو، نہ تیری خبر مجھے
 اے مہتھی بتا تو ترا کس نے دل لیا
 دل کے لیے جو اس قدر اندوہ لگیں ہے تو

جانِ ستم رسیدہ آئی ہے لبِ تلک تو
 کرتا بلند نالہ کیا اور شیشہِ دل
 جوں شمع پھر سحر گہ پیاسے اٹھا ہی دیجو
 ہاتھوں سے میرے، اے غم! مت چھین جامِ عشرت
 آنکھ سے تجھ کو تو آ جیتا ہوں اب تلک تو
 بانگِ شکست اس کی پہنچی حلقِ تلک تو
 محفل میں تیری ہم بھی بیٹھے ہیں شبِ تلک تو
 لیجانے دے یہ ساغر تو مجھ کو لبِ تلک تو
 مت مہتھی سے پیاسے اگر کل کا وعدہ وصل
 رہنے کی نیتیں ہے باقی کچھ اس میں جب تلک تو

جو غیر سے ملا ہو، وہ ہم سے یار کب ہو
 شعلے سے اس کے گروہ تیری سی خونہ دیکھے
 ہم روئے کو چہ دل بیٹھے ہیں آرزو میں
 کھل کھل کے آئے ہیں وہ گل جو منہ نہ دیکھے
 پسند میں اس کے میں ہی اک کھنس گیا و گرنہ
 جو آنے میں اپنی صورت کو دیکھ جھپکے
 اور ہونے بھی تو اس سے صحبت برابر کب ہو
 پروانہ شمع اوپر پیارے نثار کب ہو
 دیکھیں پھر اس طرف سے اس کا گزار کب ہو
 آئینہ اس طرح سے باغ و بہار کب ہو
 جو ہونے مرغ زیرک وہ یوں، نثار کب ہو
 یار ان صاف دل سے پھر وہ دو چار کب ہو
 اے مصحفی مجھے تو اس نے بہت ستایا
 اس بے قرار دل کو دیکھیں قرار کب ہو

بیچ دنیا کے کچھ آئے نہیں گھر کرنے کو
 گو شب ہجر نہ ہو صبح ہمیں کیا پروا
 ہم کہاں اور تماشاے رخ یار کہاں!
 کیا قیامت ہے کہ تو کچھ نہ کہے اور لے جائیں
 ہم تو گل رستہ ہی باندھا کریں بیٹھے لیکن
 ظلم سے ہاتھ اٹھایا نہ کبھی قاتل نے
 مستند بیٹھے ہیں ہم یاں سے سفر کرنے کو
 شعلہ آہ کفایت ہے سحر کرنے کو
 حوصلہ چاہیے ہے اس پر نظر کرنے کو
 تیرے کوچے سے ہمیں شہر بدر کرنے کو
 چاہیے دل بھی بہم لغت جگر کرنے کو
 ٹوٹے گریخ تو رکھے وہ تبر کرنے کو
 مصحفی گوش ادھر رکھ کہ انہیں قافیوں میں
 طبع ہے فکر بہ اندازِ دگر کرنے کو

اک تو آگہی ترستے تھے نظر کرنے کو
 قاصد آتا ہے کچھ اس کو سے بہت آزدہ
 تس پہ پھر حکم ہوا شہر بدر کرنے کو
 دیکھے آیا ہے کس کس کی خبر کرنے کو

کون مدفون ہے ایسا جو ترے کوچے میں
 نہتِ مشکل ہے کہ اس ناوکِ مژگاں کے حضور
 راہِ سورج کی شبِ ہجر کہاں تک تکیے
 روزائے نالہ کہے ہے تو کروں گا اب اثر
 روز آتی ہے صبا خاک بہ سر کرنے کو
 چاہیے روزِ نیا سینہ سپر کرنے کو
 آجھک تو ہی ملک اس شب کی سحر کرنے کو
 آگ لگ جائے کہیں تیرے اثر کرنے کو
 مصحفی دل کی تسلی نہ ہوئی اس سے، تو لکھو
 اک غزل اور بھی اظہارِ ہمنر کرنے کو

۴۴۳

ایا اس کو میں جو میں خاک بہ سر کرنے کو
 شبِ غم میں نہ کہو کوئی جز افسانہ زلف
 نالہ یا آہ بن اس کی تو گزرتی ہی نہیں
 یا تو ان آنکھوں سے دریا سے پڑے بہتے تھے
 آنے نے ترے مٹھڑے کی بہاریں لوٹیں
 صفتِ مژگاں کے رہا خوب مقابل، لے دل !
 جس نے اس کوچے میں دیکھا مجھے اتنا ہی کہا
 فے اولی العزم کہ دھر رہ گئے جو قافلے میں
 دل گیا ووہیں اسے میری خبر کرنے کو
 یہی افسانہ کفایت ہے سحر کرنے کو
 چاہیے کچھ بھی تو اوقات بسر کرنے کو
 یا اب اک قطرہ نہیں ہے مژہ تر کرنے کو
 ہم ترستے ہی ہے ایک نظر کرنے کو
 آفریں تجھ کو اور اس تیرے جگر کرنے کو
 ”جا بھی، کیوں آئے یاں جی کا ضرر کرنے کو؟“
 ساتھ تھے محلِ لیلیٰ کے سفر کرنے کو
 مصحفی حقِ نزاکت نہ ادا ہو، جب تک
 ہوئے مو، سی نہ زباں و صفتِ کمر کرنے کو

۴۴۴

اپ آتے ہیں ہمیں رخصت اگر کرنے کو
 کر بلا ہے یہ گلی کیا جو نہیں ملتا یہاں
 ہیں کھلے چاکِ قفس، یک گلستاں میں ہمیں
 آئیے، ہم بھی ہیں دنیا سے سفر کرنے کو
 ایک قطرہ بھی لبِ خشک کے تر کرنے کو
 حکمِ صیاد نہیں گل پہ نظر کرنے کو

چمن جاے اقامت نہیں جب تو شب سے
 زہر کا جام پلانے سے نہیں کیا حاصل ؟
 اے فلک ! کس نے کہا تھا تجھے یہ تو بتلا
 ان دنوں بس کہ زلزلے میں نہیں قدر ہنر
 دے جو اے تھے کہ تو تر مرے اس نے، ان کے
 مصحفی یوں تو بھی شر و سخن کہتے ہیں
 چاہیے لطف سخن دل میں اثر کرنے کو

۴۴۵

بعد از سالے و اسے گر کھجور آیا کرو
 میں تو سمجھوں گا جو سمجھاتے ہو مجھ کو ہر گھڑی
 گو کوئی میری طرف سے کچھ کہے تم کو، میاں !
 سیکڑوں کا خون کیلے اس تمھاری تیغ نے
 دل الجھتا ہے ہمارا دیکھ کر اس و نہج کو
 موکشاں میرے تین اے محمد مان بزم یار !
 ایسے ہاتھوں پر کسی کا خون ہوئے گا، میاں !
 جی کا ترسانا برا ہوتا ہے مانو بات کو
 تم ہمارے پاس تو اک شب کورہ جایا کرو
 لیکن ان وزدیدہ نظروں کو کبھی سمجھایا کرو
 تم کسی کی بات کو خاطر میں مست لایا کرو
 چپ رہو، جھوٹی نہ قہقہے کی قسم کھایا کرو
 بال زلفوں کے بہت کبھی تم نہ سنبھایا کرو
 برسر بازار رسوائی نہ لیجھایا کرو
 یہ حسائی ہر اک کو نہ دکھلایا کرو
 او میاں صاحب ! کسی کا جی نہ ترسایا کرو
 جب وہ سو جایا کرے تو بیٹھ کر میاں مصحفی
 اپنی آنکھوں سے تم اس کے تلوے سے ہلایا کرو

۴۴۶

مستی میں اس کے پاؤں کی افتاد دیکھو
 آٹا نہ ہوئے وہ بھی کہیں، میرے قتل میں
 دل پس گئے ہیں سیکڑوں بیداد دیکھو
 جلدی بہت نہ کیجیو جلا دیکھو

کیجو مجھے قفس سے نہ آزاد دیکھو
 کس کی خاک ہوتی ہے برباد دیکھو
 تک اضطراب مرغ قفس زاد دیکھو
 تو حبا کے کار تیشہ فرہاد دیکھو
 جھک کر قفس سے نہ، صیاد دیکھو
 شتر لگے زیادہ نہ، نصاد دیکھو
 جاسے نہ ٹوٹ تختبر فولاد دیکھو
 یہ کمر بلا ہے، اے دلِ ناشاد دیکھو
 تم بھی تو اس کو مانی و بہزاد دیکھو

اے مصحفی نہ جانیو گلشن میں اب کے سال
 سرگرم عشوہ ہیں گل و شمشاد دیکھو

۴۴۷

مرناری جب آیا تو، مری حبان! کہیں ہو
 شاید کہ کبابِ دل عاشق نمسکین ہو
 لے برق جہاں سوز! کہیں پردہ نشیں ہو
 کیا قدر ہے کہ سی کی جہاں عرش بریں ہو
 آرہے فلک پر وہیں پھر زیر زمیں ہو
 نکلا نفس سرد بھی جو آہ حزیں ہو
 بتاؤ تو کس بات پہ تم چپیں جبیں ہو؟
 ڈرتا ہوں نہ آلودہ بخوں دامنِ زین ہو
 کرتے ہیں سدا لختِ جگر کمنہ نگین ہو
 تسکینِ دل اپنی نہ یہیں ہو، نہ وہیں ہو

کوچے ہیں ترے گو کہ نہ جا اپنے تئیں ہو
 رکھ دیکھ تو تو اس کو ذرا دانتوں کے نیچے
 کہتا ہے یہی تجھ سے ترا حسن ہمیشہ
 کب پہنچے ہے رتبے کو مرے مجھ سے فرود تر
 سورج کی سی سرعت جو خدا ہم کو کبھی دیتا
 اندوہ کیلن کامرے سینے میں بہر احقا؟
 معلوم کروں میں کبھی تو، کیا میری خطا ہے
 فراق سے باز ہو تو ہو سر میرا ولے میں
 ہے ناخنِ غم کی جو خراش اپنے جگر میں
 کہ دہریں جاتا ہوں کہ آتا ہوں حرم میں

اے مصحفی، کچھ کام نہیں مجھ کو کسی سے
گو صاحب دنیا کوئی یا صاحب دین ہو

۴۴۸

ہوا ہے عشق کا اظہار، دیکھیے کیا ہو
اب اس کا چلنے میں پڑتا ہے کچھ قدم ترچھا
مے تو ہیں یہ سی دل میں سوچ رہتا ہے
بچے تھے مر کے جس آزار سے ہم الفت میں
کشیدہ تیغ ہے وہ قاتل اور اس کے حضور
بہا کریں ہیں شب و روز صورتِ ناسور
تغافلوں نے ترے، ہم سے روزِ محشر پر
اٹھائے صدمے بہت ابتداء الفت میں
کھینچی ہے اس کی مری چاہ بھپہ بہ رسوائی
الہجہ رہا ہے مرا جی خیالِ کیسو میں
ہم سے ساتھ، مری جان! دوستی میں تری
شبِ فراق میں دیکھا جو کچھ کہ میں دیکھا
ملیں ہم اس مہ نامہ ہاں سے یا نہ ملیں

ہماری بزم سے اے مصحفی سحر ہوتے

گیا ہے ہو کے وہ بزار، دیکھیے کیا ہو

۴۴۹

یارب مری اس بت سے ملاقات کہیں ہو
گر قرب سخن اس سے نہیں، دور سے، اے کاش!
جس بات کو جی چاہے ہے وہ بات کہیں ہو
نظروں ہی میں ملک حروف و حکایات کہیں ہو

پہر تاجے حرمینوں سے بہت آنکھیں لڑاتا
ڈرتا ہوں نہ دل مصدرِ آفات کہیں ہو
ہوتے ہوئے دشمن کے کہوں کیونکہ میں کچھ بات
مجلس سے تری دفع یہ بد ذات کہیں ہو
کاغذ پر شب و روز تری کھینچوں ہور، تصویر
یعنی اسی صورت بسر اوقات کہیں ہو
ہے آج کی شب وعدہ وصل اس کامرے ساتھ
یارب کہ شتابی سے یہ دن رات کہیں ہو

مے ڈالو دل لے مصحفی تم ورنہ مری جاں
رسوائی ہے، وہ تم پہ گر اثبات کہیں ہو

۵

۴۵۰

ہم نے چاہا تمہا کریں گے رخِ جاناں پہ نگاہ
رہ گئی ضعت سے آکر سرِ مژگاں پہ نگاہ
اس کی رفتار یہ کچھ ! دورۂ داماں یہ بلا !
کیجے رفتار پہ یا دورۂ داماں پہ نگاہ
ہم سے کب آنکھ لڑے اس ڈاکہ واں رہتی ہے
گاہ سینے پہ گئے چاکِ گریباں پہ نگاہ
حلقہ در حلقہ زنجیر چلے جاتے ہیں
کون کرتا ہے اب احوالِ اسے اس پہ نگاہ ؟
عزم ہو تمہ کو گمراہے برق ! ادھر آنے کا
پہلے کر لیجیو میرے سرو ساماں پہ نگاہ
مل گئے خاک میں ایسے کہ نشان بھی نہ رہا
کیا کوئی خاک کرے گورِ غریباں پہ نگاہ !
دیدہ بازی کا مزہ شیخ جی کیا جانتے ہیں
ان کی تو آٹھ پہر رہتی ہے قرآن پہ نگاہ
ہم تو مدت سے ہیں محبوسِ قفس کیا جانیں
کہ کبھی کرتے ہیں کیونکر گل و ریحاں پہ نگاہ
یعنی یہ لغتِ جگر قابلِ دیدن ہی نہیں
کیا کرے کوئی ان ادراکِ پریشاں پہ نگاہ
ڈرے اس چشم سے ہارو ! کہ دمِ خوں ریزی
نہ وہ کافر پہ کرے ہے نہ مسلمان پہ نگاہ

مصحفی سدا گہرا ایسی کہاں چکے ہے
کیجیو یار کی شفافِ دنداں پہ نگاہ

ہم بھی ہیں ترے حسن کے حیران ادھر دیکھ
 آنکھیں نہ چرا مجھ سے، مری جان! ادھر دیکھ
 ترسوں ہوں تری یک نگہ لطف کو پیالے
 عاشق تو ہزاروں ہی غرض گزرے ہیں لیکن
 کیا آنہ دیکھے ہے، مری جان! ادھر دیکھ
 اے میں تری اس چشم کے قربان! ادھر دیکھ
 اتنا بھی تو مجھ کو نہ کڑھا مان ادھر دیکھ
 یوں چاک ہوا کس کا گریبان ادھر دیکھ
 آنکھیں نہ چرا مصحفی رنجیتہ گوے
 اک عمر سے تیرا ہے ثنا خوان ادھر دیکھ

جس جاگہ نہ ہو دے پر و پیکان کا صرفہ
 نت گل کی طرح دھجیاں کر کر کے اڑایا
 ہزار سے الجھے ہے یہاں خارِ فیلاں
 عاشق کی تسلی کو کھلا سنیے کبھو تو
 عاشق نہیں پھر وہ جو کرے جان کا صرفہ
 پرگز نہ کیا ہم نے گریبان کا صرفہ
 اس راہ میں ممکن نہیں دامان کا صرفہ
 اتنا بھی نہ کیجے لب و دندان کا صرفہ
 کیا لطف ہے پھر زلف پریشان کا صرفہ
 ہم سے نہ ہوا دیدۂ گمریان کا صرفہ
 اے مصحفی سنا ہے، نہ لے نامِ محبت
 اس بات میں ناداں نہیں انسان کا صرفہ

کیا کہینے ہے خود کو دور، اللہ
 حسن ایسا کہاں ہے مہر و مہ میں
 اللہ رے ترا غرور، اللہ
 کچھ اور ہی ہے یہ نور، اللہ
 ہر شے میں ترا ظہور، اللہ
 گو شیخ کو دیوے حور، اللہ
 ہم میں ترے بندے، میرے صاحب!

پہلو سے مرے نکل گیا بت کیا مجھ سے ہوا قصور، اللہ
 جس دم میں کروں ہوں نالہ دل سے اٹھتا ہے کتنا ہی شور، اللہ
 اے مصحفی حق نہیں سمجھتا
 کتنا ہوں میں بے شعور، اللہ

۲۵۴

سیا نظر پڑ گئیں وہ چشم خسار آلودہ؟ شفق صبح تو ہے زور بہار آلودہ
 قتل اپنے کا تو کچھ ڈر نہیں، یہ ڈر ہے مجھے کہ مرے خوں سے نہ ہو دامنِ یار آلودہ
 دُور ہے سوختہ جانوں سے خیالِ تزیئیں نہ کرے رنگِ حنا دستِ چنار آلودہ
 ایک دن روکے نکالی تھی میں واں کلفتِ دل اب تلک دامنِ صحرا ہے غبار آلودہ
 پھول کیا چاہیے تربت پہ شہیدوں کی ترے جوشِ خوں سے ہے خود خاکِ مزار آلودہ
 مشتعل بکے ہے سینے میں مرے آتشِ عشق آہ جو نکلے ہے دل سے وہ شرار آلودہ

مصحفی گلشنِ ہستی میں تو ہم کو ہرگز
 نظر آیا نہ کہیں جز گلِ خسار آلودہ

۲۵۵

ہر چند بہار و باغ ہے یہ کس کو دل و دماغ ہے یہ؟
 ہے بوندِ عرق کی زلف کے بیچ یا گوہرِ شبِ چہراغ ہے یہ
 کیا لالے کو نسبت اپنے دل سے یعنی کہ تمام داغ ہے یہ
 درگزرے ہم ایسی زندگی سے دنیا میں اگر فراغ ہے یہ
 پھراتی درنگ کیا ہے، ساقی! مے ہے یہ اور ایاغ ہے یہ
 ایسا گیا مصحفی جہاں سے یارو! مرے دل پہ داغ ہے یہ

جو پھر نہ کہا کس نے اتنا
 اُس گم شدہ کا سراغ ہے یہ

دل کہ جوں شیشہ سے دیدہ گریان ہے یہ
 زلف میں یار کی، بوندیں ہیں عرق کی یارب
 سرمہ آنکھوں میں جو ہر وقت دیا جاتا ہے
 کوفت سے غم کی کبھی منہ تو نہ موڑا اس نے
 تار سے تار کو پیوند کہاں تک کیجے
 رو برو یار کے لیجا کے مجھے از رہِ لطف
 کیا نہیں دیکھی ہے صورت تری آئینے نے؟
 ایک اک دم میں در اندازِ صدا فغان ہے یہ
 یاشب تار میں اک جوشِ چراغان ہے یہ؟
 چشم بد دور مرتے قتل کا سامان ہے یہ
 مجھ کو حیرت ہے یہی، دل ہے کہ سندان ہے یہ
 جی کا جنجال ہے اک، کوئی گریبان ہے یہ
 کوئی اتنا ہی کہے ”آپ کا خوابان ہے یہ“
 اپنے چہرے کی صفائی پہ جو نازان ہے یہ
 مصحفی ایک غزل اب کے تو، تو اور بھی پڑھ
 کیونکہ نت تیرے سخن کہنے کا عنوان ہے یہ

جس کو چاہے اُسے اپنا کرے، انسان ہے یہ
 نہ شریعت، نہ حقیقت، نہ طریقت، نہ محباز
 سالم اک دیکھ کے تکتا تھے رہ جاتا ہے
 زخمِ دل پر مرے مرہم نہ لگاؤ کوئی
 اس کے پیکاں کو مرے سینے ہی میں رہنے دو
 چھپ گیا چاند سا مکھڑا ترا اس میں، سارا
 خونِ عاشق سے، میاں جان! نہ انکار کرو
 وصل کے بعد بھی بیتابی دل کم نہ ہوئی
 ایک تو چشمے سے آنکھوں سے ابلتے ہیں مدام
 ہیں زخود رفتہ ہم اتنے کہ نہیں کچھ معلوم
 پر ہو تو رام کسی کا کوئی امکان ہے یہ؟
 کون کافر مجھے کہتا ہے؟ مسلمان ہے یہ
 کس کو کہیے کہ تری شکل کا حیران ہے یہ؟
 اس پہ ہلک چھڑ کو نمک اس کا تو درمان ہے یہ
 کہ ملک اک موجب تسکینِ دل دجان ہے یہ
 کوئی گھٹا انڈی ہے یا زلف پریشان ہے یہ
 تیغ گود دھوئی گئی، آپ کا دامن ہے یہ
 آہ کیا چاہیے؟ کس چیز کا خوابان ہے یہ؟
 تس پہ پھر دل بھی بھرا آتے ہے طوفان ہے یہ
 ہے ترے وصل کی شب یا شبِ ہجران ہے یہ
 مصحفی شہر نہیں شرم ہے اب یاں کس سے
 خوب سا کھول کے دل رو کہ ہریابان ہے یہ

گر ہوں ہم سے کٹڑھلک دو چار آئندہ
اس دل پر داغ کو جا کر کے دکھلائیے
کیا کسی کے صاف دل پر اب گئی اس کی نگاہ؟
مر گئے گھر ہم سے روشن گرتو اپنی خاک میں
بزم میں اس کی ہوا ہے جبے اپنا بندوبست
کیا قیامت ہے کہ دی آئینے کو اس کی شکست
رو برو اس کے کوئی کیا خاک دم مائے کہ ہلے!
جبے اس کی زلف در ہم کا پڑا ہے اس میں عکس
جلوہ گر ہوتا ہے اس میں جب وہ بے پردہ عرق
سکتہ رہ جانے پہ اس کے مجھ کو اک آتا ہے رشک

دیکھنا اس کا میسر ہو چکا، اے مصطفیٰ!

گر رہا یک چند یوں ہی اختیار آئندہ

دیکھتا ہوں اس کو میں ہر دم دو چار آئندہ
بہ پہلے ہیں شوق میں تیرے چہن ہو کر کے آب
کشتہ پر ہیز میں اس سر و قد کا ہوں کہ وہ
جائے گل تکیوں کے آئینے رہیں تھے راست چپ
اس کے چہرے سے روا ہے دیکھنے نسبت اے
دور خط میں اک ذرا عارض کو اس کے دکھیو
سادہ رو ہیں اور بھی لیکن کوئی کرتا نہیں
گریہ صورت ہے تری تو ایک دن لے رشک خود!

اپنے پردے میں ہوا ہے وہ شکار آئندہ
اک نظر ایدھر کبھی اے باغ و بہار آئندہ
عکس کو اپنے نہ چاہے ہمکنار آئندہ
جن دنوں تھا حسن اس کا بیقرار آئندہ
جس کے تلووں سے صفا مانگے عذار آئندہ
ہو گیا ہے تیرہ کتنا روزگار آئندہ
اس قدر آرایشِ نقش و نگار آئندہ
تجھ کو رنگ اپنا دکھلوے گی بہار آئندہ

داد کو میری وہ اب پہنچے تو پہنچے مصحفی
شوق نے اس کو کیا ہے شرمسار آنے

۴۶۰

کل سوے غیر اس نے کئی بار کی نگاہ
پوچھا میں دل سے نزع میں قاتل ہے مرا کون؟
کیا قہر ہے کہ کھڑے سے کھولے نوجب نقاب
اتنا ہوا ضعیف کہ باہر نہ جاسکی
قسمت کہاں ہے ایسی کہ گاہے بہ زعم خویش
ابرو کو اس کی دیکھ کے خیران رہ گئے
اب مجھ سے منہ نہ ڈھانپ کہ ہوتی ہے عین اشک
وقتِ اخیر مردم بیمار کی نگاہ
گو حریر یا پری ہو یہ کیا اس کو دیکھے؟
جس پر پڑی ہو مصحفی دو مہار کی نگاہ

۴۶۱

غیروں ہی کی مجلس میں تولے بت! نہ سدا بیٹھ
اب کیوں ہے کھڑا آگے مرے، دُور ہو جا، بیٹھ
خورشید کو غرہ ہے نہٹ حسن پہ اپنے
آنے دے ٹمک آغوش میں اس راحتِ جاں کو
میں مجلسِ خواباں میں رہا رات کھڑا ہی
درے ترے تجھ تک یہ گنہگار نہ پہنچا
پھر اس نے کبھی تا بہ ابد سر نہ اٹھایا
اس چال سے پامال کیا تو نے اک عالم
اک دم تو مرے پاس بھی نہ بہرِ خدا بیٹھ
کچھ ہو نہ سکا تجھ سے تو اے آہِ رسا بیٹھ
اک سبج تو ٹمک تو کبھی میاں! غرنے میں آ بیٹھ
لے دل! امرے پہلو سے شبِ وصل جدا بیٹھ
جوں شمع، پہ مجھ کو تو کسی نے نہ کہا بیٹھ
ایا کبھی جو گاہے تو سر کو چپہ رہا بیٹھ
جس کشتے پہ قاتل کا مرے ہاتھ گیا بیٹھ
کوئی یہ کبھی میاں چال ہے! کہتیں اب تو ذرا بیٹھ

دیدار سے مطالب تھا، سو وہ دیکھ لیا میں
اب خواہ مرے روبرو خواہے بہ قفا بیٹھ
اے مصحفی گر چاہے ہے روز اس کو تو دیکھے
جا کر کہیں اُس کو چے میں دھونی سی رہا بیٹھ

۴۶۲

اٹھنے سے ترے شور قیامت بھی گیا بیٹھ
پردہ نہ رکھ اس رے دل افروز کے آگے
اب ہم بھی کوئی دم کو میاں یاں سے اٹھیں گے
پاتا ہی نہیں دل کا نشان اپنے میں ہے!
گر اُس کے تماشے کا تجھے شوق ہے، اے دل!
شمشیر سے کچھ کم نہیں محرابِ در اس کے
اُس یوسف ثانی کی سواری کی خبر ہے
کیا ہم نہیں پہچانتے یہ ساختہ صورت
کہتے ہیں مہبایار کے کوچے سے چلی ہے
گھر اس کے گیا ملنے، تو جازم میں وہ شوخ
اے مصحفی کیا دیکھے ہے، ہے مجلسِ خواباں
ایک ادھ سے تو بھی کہیں یاں آنکھ لڑا بیٹھ

۴۶۳

شیریں لب اس صنم کے ہیں جوں نباتِ تحفہ
زلفوں کا تار اس کے میں حذرِ جاں بنایا
کیونکر نہ خوں میں ڈوبے کوئی دیکھ اس کھن کو
آخر کو دخترِ رز دل لے گئی ہمارا
پھر پس پہ اتنی تلخی ہے یہ بھی بات تحفہ
ہاتھ اپنے لگ گیا تھا یہ کل کی رات تحفہ
رنگِ حنا عجب اب، پھر پس پہ بات تحفہ
از سبکہ جوں چترنی تھی اس کی ذات تحفہ

اب سبز خط سے ان پر کاری سی جم گئی ہے
 دریا میں کل نہاتے دیکھا جو میں نے اس کو
 دلی کے کیا کروں وصف، اے مصحفی میں دیکھا
 ہر ایک کو چہ اس کا جوں سو منات تحفہ

۲۶۴

مجھ کو یاروں نے بد و نیک کہا، کیا کیا کچھ
 ساغر بارہ و دامان گل و دست بنگار
 نشے کے بیچ تھے ہم، یہ ہمیں معلوم نہیں
 میکشی، سیر چین، ہرم طرب کا مہانا
 رتنا پھرتا ہے مرا کاسہ سر خاک کے بیچ
 دیدہ فرق سے تک دیکھ کہ ایک اک پل میں
 سفر عشق سے غارت زدہ آیا ہوں، نہ پوچھ
 ہائے میں کس سے کہوں، ابرسیہ میں مجھ کو
 یاں جو کچھ ہم پہ ہوا سو تو سبھوں نے دیکھا
 ذکر و شنام سقط کیا ہے کہ اس بد خوئے
 کون جانے ہے کہ نظارہ کش شوق کو یاں
 ببل اک نالے پہ مت بھول کہ اس گلشن میں
 ہم نے ہی قدر نہ کی دولت دنیا کی دریغ
 پیل واسپ و شتر و پاکی و نقارہ

دیکھ تو اک تری خاطر میں سنا کیا کیا کچھ
 ہاتھ سے میرے بہ یکہ بار گیا کیا کیا کچھ
 رات ہم سے تری خدمت میں ہوا کیا کیا کچھ
 عشق میں میں نے ترے ترک کیا کیا کیا کچھ
 دیکھی ہے ابھی طالع میں لکھا کیا کیا کچھ
 رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا کیا کیا کچھ
 راہ میں میرا بھی اسباب لٹا کیا کیا کچھ
 کونز بکلی کی دکھاتی ہے ادا کیا کیا کچھ
 دیکھیے اور بھی ہو روزِ حزن کیا کیا کچھ
 نہ کہا میرے تئیں اس کے سوا کیا کیا کچھ
 رنگ دکھلائے ہے وہ رنگِ تن کیا کیا کچھ
 دیکھ تو اور بھی ہیں نغمہ سرا کیا کیا کچھ
 ورنہ ہم کو بھی فلک نے تھا دیا کیا کیا کچھ
 قور میں اپنی بھی اک عمر چلا کیا کیا کچھ

کان دھر کر تو ذرا مصحفی اک بار تو سن
 آئے ہے دل کے دھڑکنے کی صدا کیا کیا کچھ

عید کا روز ہے، کیوں آج نہاں ہے شیشہ؟
 مے نہ دو، گریہ سرشار ہی کافی ہے مجھے
 شغل گریے کا بہم دیدہ و دل کرتے ہیں
 پنہ مے اے مت سمجھو، اے بادہ کشاں!
 مے گلگوں سے ہے ٹک اس میں بہا، اے ساقی!
 شیشہ بازی تو مری دیکھ کہ زاہد کے حضور
 اپنی آنکھوں میں سدا ہند کے سبزوں کی ہے جا
 جب تلک مے نہ پیں کچھ ہمیں آئے نہ نظر
 کیا بلا مے تھی جو ساقی نے بھری کیا جانے
 دے اس بزم میں گر عمر خوشی سے گزرے
 شیشہ خانے میں تمھارے، مجھے سچ کہہ دیجو
 عکس گل بادہ رنگیں سے گر ولیتا ہے
 مے کے کم پینے سے کچھ زور بنا ہے کافر
 محتسب کیا ہے کہ لافے وہ اے خاطر میں
 نہ اٹھا اس کو اگر جام بھی مے ہو اس میں
 عازم مسکدہ ہو، یا رہا کہ تیری رہ میں

مستحق دیکھ کے دل کیوں نہ لہجائے اس کو
 چشم بد دور، عجب سچ کا جواں ہے شیشہ

نت رہا سوے چمن مرغ گرفتار کا منہ
 بگڑومت، اپنے دیکھا نہیں تلوار کا منہ
 اس تمنا میں کہ دیکھے گل و گلزار کا منہ
 لال ہو جائے گا ورنہ ابھی دو چار کا منہ

عقدہ زلف کے کھلنے میں جہاں یوں مہکا
کیوں نہ خوں ٹپکے ہر اک گام پہ اس کی رہ میں
باغ میں چاروں طرف گل کھلے کلیاں چٹکیں
علم نالہ پہ پرچم تھے ظفر کے گویا
تو کچے کھول دیا نافہ تا تار کا منہ
پان سے لال ہے اس قاتلِ میخوار کا منہ
نہ کھلا میرے ہی اک غنیمت منقار کا منہ
پھر گیا دیکھ جسے ہر مژدہ یار کا منہ
کر و قبلے کی طرف اس دل بیمار کا منہ

ابھی آئینے کو پتھر پہ پٹک دیتا میں
مصحفی کیا کروں ہے میرے تئیں یار کا منہ

۴۶۷

دل بستگی ہے مجھ کو گل و گلستاں کے ساتھ
الفت بھی کیا بلا ہے کہ شب آگ جو لگی
برق گل اس طرح سے گری شب کہ عند لیب
مر کر اٹھیں گے یاں سے، یقین کیجیو، میاں!
ان تک ہے لخت لخت مراد دل کہ دم بدم
رکھتا ہے مجھ سے دور مرے رشکِ ماہ کو
البتہ کارِ سہل نہیں تیری دوستی
وہ کشتہ اپنے حال کی تفسیر کیا کرے
تو رفتگی تو دیکھ کہ مڑگاں کے شوق میں

اے خار خارِ عشق کہیں اب تو درگزر
یہ کیا خلش ہے مصحفی نیم جباں کے ساتھ

۴۶۸

دم بدم لب پہ مرے نالہ وا درد ہے آہ
سراٹھانے نہیں دیتا ہے یہ کیا درد ہے آہ

دن گئے دے کہ کبھی دل کی جگہ تھا یہ مکاں
 عشق کا درد نہ ہو دے کسی دشمن کے نصیب
 ٹکڑے ٹکڑے ہی ہوا جاتے ہے دل اور جگر
 ہے پڑی آنکھ پھر اک آفتِ جاں پر میری
 زائچہ اپنا منجم سے جو میں کھجوا یا
 جلد تدبیر کرو جا کے الم کی میرے
 جے دل اب مرے پہلو میں ، ترا درد ہے آہ
 جان جاتی ہے چلی یہ تو برا درد ہے آہ
 آج تو کچھ مرے پہلو میں بلا درد ہے آہ
 اس کی دارو میں کروں کیا کہ نیا درد ہے آہ
 روکے بولا تری قسمت میں لکھا درد ہے آہ
 کم نہ جانو اسے یارو! یہ بڑا درد ہے آہ
 مصحفی ، ہاتھ نہ پہلو پہ مرے رکھ ، بے درد!
 اس گھڑی کچھ مرے سینے میں ذرا درد ہے آہ

۴۶۹

زمانے کا چلن یکساں نہیں کچھ
 زمیں سر پوش خون کشتگان ہے
 مراجی تو سبلا پہلے کوئی دم
 خدا جانے رہا ہے شب تو کس پاس ؟
 یہ سرگوشی نہ تھی بے وجہ اس کی
 عبث انکارِ قتلِ عاشقاں ہے
 غرض دونوں جہاں سے ہم ہیں آزاد
 مرا ہر شعر موتی کی لڑی ہے
 کہیں کچھ ہے ، کہیں کچھ ہے ، کہیں کچھ
 بغیر از خون نہیں زیرِ زمیں کچھ
 اسی کا ذکر کراے ہم نشیں ! کچھ
 پریشاں ہیں ترے موے جبیں کچھ
 کہے تھی چشمِ تر سے آستیں کچھ
 بھرا توخوں سے ہے دامنِ زیں کچھ
 غم دنیا ہے یاں ، نے فکر دیں کچھ
 کہیں گو دیکھ اس کو عیب ہیں کچھ

اگر اے مصحفی ہو قصہ تیرا

تو دور اتنا نہیں عرشِ بریں کچھ

۴۷۰

اس کی مڑگانِ رخسہ گر کو دیکھ
 بعد ازاں آمرے جگر کو دیکھ

اب تو سینہ سپر کیا میں نے
یار کو مجھ سے کر دیا بیزار
دسترس ہی نہیں جنہیں اس پر
کیا ہی شرکاں کے زخم جھیلے ہیں
بس کہ وہ طفل سادہ تھا پر کار
گو کہ وہ جھانکتا نہیں لیکن
شعلہ شمع کا حریف نہ ہو
اس قدر ہے بلند پروازی

تین کو کھینچ اور سپر کو دیکھ
میرے طالع کے ملک ہنر کو دیکھ
ہاتھ ملتے ہیں اس کمر کو دیکھ
اپنے عاشق کے بھی جگر کو دیکھ
چھپ گیا میرے نامہ بر کو دیکھ
دل تو خوش ہو ہے پاک در کو دیکھ
نفع تو اک طرف ضرر کو دیکھ
لے پتنگ! اپنے بال و پر کو دیکھ

دیکھ تو کیا پڑھوں ہوں ایک غزل
مصحفی تو ذرا ادھر کو دیکھ

۴۷۱

اپنے عاشق کی چشم تر کو دیکھ
تیر شرکاں ترا دو سار ہوا
دیکھتا کیا ہے عقد پردوں کو
جب کہ تو گھر سے اٹھ گیا میرے
میرے آگے نہ دیکھ آئینہ
زلف کا بوجھ دے کمر پہ نہ جاں
تھی شب وصل کھل گئی جو نہیں آنکھ
کیسی فر فر زبان چلتی ہے

صدقے تیرے میں، شک ادھر کو دیکھ
دل کو کیا دیکھے ہے، جگر کو دیکھ
اپنے آویزہ گھر کو دیکھ
خوب رویا میں اپنے گھر کو دیکھ
میری حسرت بھری نظر کو دیکھ
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ
رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ
اس کی گفتار بے خطر کو دیکھ

مصحفی پر ستم نہ کر ناداں
خط نہ دے اپنا نامہ بر کو، دیکھ

چمن آراے نو بہار تو دیکھ اک ذرا جوشِ لالہ زار تو دیکھ
 آرسی لے کے ہاتھ میں اپنے اپنی آنکھوں کا تو خسار تو دیکھ
 مجھ کو کیا دیکھتا ہے کر کے قتل اپنی شمشیرِ ابدار تو دیکھ
 اتنا موے کمر پہ غرہ نہ ہو ملک ہمارا بھی جسم زار تو دیکھ
 مرگے پر بھی ہیں کھلی آنکھیں اپنے عاشق کا انتظار تو دیکھ
 سینے آیا ہے کس کو، اے ناصح! شک مرا جیبِ تار تار تو دیکھ

مصطفیٰ بول اٹھے عجب بھی نہیں
 اس کی تربت پہ تو پکار تو دیکھ



زمزمے ہم سے سنو بلبلِ خوش الحان کے زمرے ہم سے سنو بلبلِ خوش الحان کے
 آنکھیں دکھلائیں کیا تو نے اسے سچ کہو آنکھیں دکھلائیں کیا تو نے اسے سچ کہو
 کونسی بچنے کی صورت ہے مری، حیراں ہوں کونسی بچنے کی صورت ہے مری، حیراں ہوں
 پھر نہ جائے تری شرکان کا رخ ان سے میاں پھر نہ جائے تری شرکان کا رخ ان سے میاں
 دیدہ شیر سے لگتے ہیں مری آنکھوں میں دیدہ شیر سے لگتے ہیں مری آنکھوں میں
 ہم یہ بخت رہے ہو سے سے محروم دریغ ہم یہ بخت رہے ہو سے سے محروم دریغ
 اشکِ خونیں کو مرے دیکھے ہے جو، کہتا ہے اشکِ خونیں کو مرے دیکھے ہے جو، کہتا ہے
 خارِ صحراے جنوں دستِ درازی سے تری خارِ صحراے جنوں دستِ درازی سے تری
 ہم اسیروں پہ بڑا قہر ہوا، یا قسمت! ہم اسیروں پہ بڑا قہر ہوا، یا قسمت!
 حوصلہ دیکھے میرا کہ بغل میں میری حوصلہ دیکھے میرا کہ بغل میں میری

قافلہ جاتے ہے یاروں کا چلا بس کہ شتاب
 مستی و پان کے کشتوں کے ترے مدفن سے
 دیدہ کم سے نہ دیکھو یہ مرے طفلِ سرشک
 چاندنی رات میں تارے سے پڑے چمکیں ہیں
 کسی بے درد نے دامن کو ترے کھینچا ہے
 میں کبھی نالش میں ہوں پیچھے جس نالوں کے
 پھول اگتے ہیں بہم لالہ و نافرمان کے
 گو کہ طوفاں نہیں، ہمنام تو ہیں طوفاں کے
 یہ جو ذرات ہیں مکھڑے پر ترے افشاں کے
 چین کے ادھر سے نظر آتے ہیں سارے ٹانکے
 مصحفی سے تجھے کیا لاگ ہے چل جانے سے
 اتنا درپے نہیں ہوتا ہے کوئی انساں کے

۲۷۴

تم گھر میں اپنے ہم سے جب منہ چھپا کے بیٹھے
 نکلی نیام سے جب شمشیر ناز اس کی
 بدلی سی آگئی اک کرموے سر پریشاں
 آنے کی گرہ سارے تم نے خبر سنی تو
 رستے کے جانے والے بھیچک ہو رہ گئے سب
 تم پاس گرمیں آکر بیٹھا تو اٹھ گئے تم
 پایے ابھی تو مجھ سے تم روٹھ کر منے تھے
 ہم اٹھ نہ جاویں کیونکر در سے تمھارے، تم تو
 گل چاک کر گریباں رسوا ہوئے چمن میں
 اے مصحفی! شب اس کے میں سامنے کھڑا تھا ق
 ہم بھاڑ کر گریباں صحرا میں جا کے بیٹھے
 کیا کیا نیاز پیشہ سر کو جھکا کے بیٹھے
 جب آفتاب میں تم پیارے نہا کے بیٹھے
 آنے سے پیشتر ہی تیوری چڑھا کے بیٹھے
 جس دم تم اپنے در پر مونڈھا، بچھا کے بیٹھے
 یعنی اسی بہانے مجھ کو اٹھا کے بیٹھے
 پھر کیا غضب ہوا ہے جو منہ پھرا کے بیٹھے
 پانو کو اپنے گھر میں منہ دی لگا کے بیٹھے
 جب تم روش پہ اپنا سینہ اٹھا کے بیٹھے
 اتنے میں جوں ہی دشمن مجلس میں آ کے بیٹھے
 تب دیکھ دیکھ مجھ کو بولایا اس سے کہہ دو
 "کیوں چور سا کھڑا ہے گھر اپنے جا کے بیٹھے"

غم میں تیرے راحت و آرام سے جلتے رہے
دیکھ کر کتنے نصاریٰ تجھ کو مومن ہو گئے
در بدر و تاپھر میں جن کی خاطر سوئے شب
اس نے شبِ باشی کا وعدہ غیر سے جس دن کیا
ہائے کیسے کیسے گل اس گلستاں کے ایک بار
دورِ خط وہ دیکھ کر زلفِ اپنی یوں بولا کہ ہائے !
گل جو میں ان سے کہا ”دیکھا ہے تم نے مصحفی؟“
کچھ خفا ہو مصحفی کے نام سے جاتے رہے

چتون سے اک تو دل پر آگے ہی بیکلی رہے
فندق ان انگلیوں کی دیتی ہے یاد مجھ کو
مرجلا ہے ہیں غنچے، گل ہو گئے ہیں پت جھڑ
خوں نابِ دل سے میرے کر کے خضابِ اول
دلی میں رے خوش کی ہرگز کمی نہ ہیں کچھ
شب طبعِ مصحفی سے مانندِ سلکِ گوہر
انصاف کی جو یارو! کیا ہی غزل ڈھلی ہے!

ہم کیا کریں چمن میں گر سپھر ہوا چلی ہے
ابر کا مک اشارہ، جس دم کیا ہے اس نے
محبوبِ شریکوں کا نقشہ ہے اس چمن میں
اپنا دلِ فسرہ تصویر کی کلی ہے
پھر عاشقوں میں باہم تلوار ہی چلی ہے
سر کو جب کائے اپنے لائے کی جو کلی ہے

ہر چند چشم کا فر پڑ دل بہت ہے لیکن تیکھی نگاہ اس کی اس سے بھی مٹتی ہے
 آدھی آگ ل کر اس کی تلوار رہ گئی کل
 کیا مصحفی کے سر سے آئی بلا ٹلی ہے!

۴۷۸

جہنا میں کل منہا کر جب اُس نے بال باندھے ہم نے بھی اپنے دل میں کیا کیا خیال باندھے
 ایسا شکوہ اس کی صورت میں ہے کہ تاکہ اوے جو سامنے سے دستِ مجال باندھے
 آنکھوں سے گر کرے وہ زلفوں کو ٹمک اشارہ آویں چلے ہزاروں وحشی غزال باندھے
 عیسیٰ و خضر تک بھی پہنچے اجل کا مژدہ تو تیغ اگر کمر پر بہر قتال باندھے
 لالے کی شاخ ہرگز لہکے نہ پھر چمن میں گر سر پر سرخ چیرا وہ نو نہال باندھے
 لت عاشقی کی کوئی جاتے ہے عاشقوں سے! گو بادشاہ ڈانڈے گو کوتوال باندھے
 ہم کس طرح سے دیکھیں جب دے دے پیچ لڑکے! چیرے کے بیچوں میں تو زلفوں کے بال باندھے
 بندہ ہوں میں تو اس کی آنکھوں کی ساعری کا تارِ نظر سے جس نے صاحبِ کمال باندھے
 ہم ایک بوسے کے بھی ممنون نہیں کسی کے چاہے سو کوئی ستہمت روزِ وصال باندھے
 سوزِ دل اپنا اس کو کیا مصحفی سنا دیں
 آگوی وہ پھر ہے کانوں سے شال باندھے

۴۷۹

برقع ہے یہ یا کوئی بلا ہے جس میں ترا سب بدن چھپا ہے
 کیا جاتا ہے اس میں منہ لپیٹے ٹمک پیچھے تو دیکھ آشنا ہے
 ہر نقشِ قدم پہ تیرے اے بت سایہ ترا سجدے کر رہا ہے
 اس طرزِ خرام سے قیامت گر آج نہیں تو کل بپا ہے
 تو دیکھ ڈھٹائیاں تو اس کی
 پھر مصحفی تجھ سے لگ چلا ہے

دل مرا تیرے غم میں مرنے لگا ہے
تیرے رونے کے روبرو، اے ابرا!
دیکھ اس کو بہت میں روتا ہوں
سفرِ کعبہ کر کے ہے ناجی
دیکھ اب کوئی دم میں مرنے لگا ہے
پانی کب چشمِ نم میں مرنے لگا ہے
جو کوئی عسرِ کم میں مرنے لگا ہے
جو کہ راہِ نسر میں مرنے لگا ہے

مصطفیٰ کو بڑا الم ہے ترا
آج کل اس الم میں مرنے لگا ہے

کدھر جائیے اور کہاں بیٹھیے؟
میں دیکھا تمہیں خوب پرے میں، اب
کھڑے دیکھتے کیا ہو، سپر آئیے
ابھی سے کہاں اٹھ چلے، کوئی دم
ترے ہاتھوں سے اے جفاے فلک! بٹھایا مجھے تم نے رنداں میں خوب
تم آنکھوں میں کیا بیٹھتے ہو مری
نہیں بیٹھنے کی سمجھا رہے وہ جا
پرچتا نہیں دل جہاں بیٹھیے
ذرا اور ہو کر نہاں بیٹھیے
کرم کیجیے مہسراں بیٹھیے
غنیمت ہے صحبت میاں بیٹھیے
بتا تو ہی چھپ کر کہاں بیٹھیے
میں بیٹھا بس اب دوستاں بیٹھیے
پہلوے دل مثلِ جاں بیٹھیے
ادھر آئیے اب یہاں بیٹھیے

نہ پہنچو گے منزل کو تم مصطفیٰ
گیا دور اب کارواں بیٹھیے

انداز کے صدقے ہیں نہ ہم ناز کے صدقے
دامن کو ترے پانوں کی جب لگتی ہے ٹھوکر
کر ذبح مجھے تو نے نئے سرے جلایا
اک بار اڑا ہوں میں تو مرغانِ گلستاں
گرہیں بھی تو اس نرمیِ آواز کے صدقے
کہتے ہیں یہ مرے کہ اس انداز کے صدقے
اے خنجرِ قاتل! ترے اعجاز کے صدقے
سو بار ہوئے ہیں مری پرواز کے صدقے

مت دیکھ تو اوروں کی طرف میری طرف دیکھ
 کفر میں تری چشم فسون ساز کے صدقے
 کرتا ہوں میں نالہ تو نکلتی ہے یہ آواز
 اس نالے کے، اس سوز کے، اس ساز کے صدقے
 اے مصحفی کیا تیرا بھی اندازِ سخن ہے
 باللہ کہ ہیں ہم تو اس انداز کے صدقے

۴۸۳

اس طفل کو دیکھو تو یہ رنگ کسوکا ہے
 اس آئینہ خانے میں، اے روشنی دیدہ
 یا اس کا کبھی حلقہ وہ ساعدِ سیمیں تھا
 مت زخمِ جگر میرا جراح سے سلواؤ
 تزیں سے نہیں خالی یہ جامہ عریانی
 اس دستِ خانی کو رکھا تھا کہیں اس نے
 شعلہ ہے، شرارہ ہے، آتش ہے، بھوکا ہے
 جیادھر کو نظر کیجے جسلوہ ترے رد کا ہے
 یا حلقہ آہن اب طوق اپنے گلو کا ہے
 لاؤ کسی بینا کو کام اس میں رفو کا ہے
 جو زخمِ محرف ہے خط اس پر انوکا ہے
 اب تک مری تربت پر چھاپا سا لہو کا ہے
 اب مصحفی خستہ اس در سے کدھر جائے؟
 مارا ترے رو کا ہے، کشتہ ترے مو کا ہے

۴۸۴

سب اٹھے بزم سے اور اپنے اپنے گھر کو چلے
 کمرہ بوی تری یاں تک تو شہرہ آفاق
 کہے ہے یہ طیشِ دل کہ اب وہ آتا ہے
 جگر میں میرے کئی قطرے خوں کے باقی تھے
 یہ کیا نشانی ہے، اے قاصدانِ اشک! کہو
 جنوں کی لہریں آ، شب میں یاں تلک رو دیا
 یہ راہ وہ ہے کہ اس رہ میں جو مسافر ہو
 ویک یہ نہیں معلوم ہم کدھر کو چلے
 کہ سر کے بال ترے دیکھنے کمر کو چلے
 ہوتی ہے دیر بہت داں سے نامہ بر کو چلے
 سو آج وہ بھی تماشاے چشم تر کو چلے
 مگر مرے دلِ گم گشتہ کی خبر کو چلے
 کہ یلِ خوں مری آنکھوں سے بحرِ دہر کو چلے
 نہ پہنچے شام بھی منزل اگر حشر کو چلے

کوئی دن اور بھی دنیا میں تم کو رہنا ہے
ابھی سے تم تو میاں مصحفی سفر کو چلے

۲۸۵

یاں ضیعت سے یہ گردن زہار نہیں اٹھتی
کب دردِ حبسِ گرجہ کو بیتاب نہیں کرتا
کہنے ہی کو رنگینی ہے ابر بہاراں میں
غم خانہ دل میرا مدت سے ہے افتادہ
کب سلکِ گہر پیائے بازی ترے دانتوں سے
شب وہ بت بے پروا تھا سب الگ بیٹھا
میں نے جو کہا اس سے چل بیٹھے مجلس میں
تب منہ کو سپہرا اپنے اک ناز سے وہ کافر
داں مارے نزاکت کے تلوار نہیں اٹھتی
کب ہوک کلجے سے یکبار نہیں اٹھتی
ان آنکھوں سے کوئی بدلی خونبار نہیں اٹھتی
یارب کبھی اس گھر کی دیوار نہیں اٹھتی
رکھتی ہے کہ آخر کو وہ ہار نہیں اٹھتی
یہ بات سمجھ یاں کچھ تکرار نہیں اٹھتی
بن آپ کے واں لذت زہار نہیں اٹھتی
بولا کہ ”مری اب تو پزار نہیں اٹھتی“
اے مصحفی میں کیونکر اس غم کو بھلا ٹالوں
چھاتی پہ مری سل ہے سویار نہیں اٹھتی

۲۸۶

ہر چند خالِ کینجِ دہن دل کا چور ہے
اے عندلیبِ اگا ہے تو ہم کو بھی کچھ سنا
کیا جانے خط کو پڑھ کے کسی کے وہ طفلِ شوخ
آتی ہے شب وہاں سے اک آوازِ دلِ خراش
سچ کہیو کس کے خون کا ساماں کیا ہے آج؟
پیائے بڑا مزہ ہو جو شب آؤں تیرے پاس
پر ہاتھ کا بھی دزدِ حنا اس کا زور ہے
آخر چمن چمن ترے نالے کا شور ہے
نت ہاتھ میں پتنگ ہے واں یا کہ دور ہے
تیری گلی میں کیا کسی عاشق کی گور ہے؟
فندقِ بندھی ہوئی جو تری پور پور ہے
سوتے سے چونک اٹھ کے تو بولے کہ ”چور ہے“
زخموں میں کس کے چور تو آتا ہے مصحفی
جامہ تمام خوں میں ترا شور بور ہے

جس وقت کہ کوٹھے پر وہ ماہِ تمام آئے
 کہتے ہیں کہ عاشق کو آتی ہے احسن جلدی
 کیا دُور ہے گر اس کو سورج کا سلام آئے
 کس طرح کا آنا ہے، نے صبح نہ شام آئے
 پھر اس سے کیا بہتر گر آپ کے کام آئے
 کیا جانے کیا آفت تا وقتِ خرام آئے
 مدت ہوئی اودھ سے نامہ نہ پیام آئے
 ہم آپ ہی خط لکھ کر بھیجیں ہیں اسے ورنہ
 کر داتے نہیں صاحب تم غمیر سے گر چمپی
 اے مصحفی میں کیوں کرے پینے سے منہ موڑوں؟
 جب یار ہو خود ساقی با شیشہ و جام آئے

زلفوں نے تری دیکھ تو کیا کام کیا ہے
 لے دل قدم آہستہ کہ اس فرشِ زمیں پر
 کر آپ تطاول مجھے بدنام کیا ہے
 محنت زدہ چند نے آرام کیا ہے
 ہم نے ہی ترے چہرے کو کلفام کیا ہے
 غارے میں یہ خوشناب جگر اپنا ملا کر
 زاہد نے اسے حاتمہ احرام کیا ہے
 وہ خرقہ کہ آلودہ صد داغ رہا تنہا
 اس شوخ نے دیدار کو پھر عام کیا ہے
 صاحب نظراں مردہ کہ خورشید کے مانند
 اس کو کئی معشوقوں نے پیغام کیا ہے
 رخسار کو دل دیکھے یا زلف کو یارب
 اے مصحفی کل قافلہ یاروں کا ہے راہی
 کچھ تو نے بھی چلنے کا سراغ کیا ہے؟

Library

Sri Pratap College
SRINAGAR

اک ایسے ہی وحشی کو مرا رام کیا ہے
 میں ہوں وہ قدح کش کے جسے پیرِ مغان نے
 بے طاقتی دل نے غرض کام کیا ہے
 سرِ حلقہ رندانِ مے آشام کیا ہے

آیا سو بچنا دو ہیں، مگر رشتہ الفت
 لے وعدہ فراموش! کہیں اب تو خبر لے
 ساتی سے گلہ کیا ہے کہ قسام ازل نے
 اس رات ستاروں کی جھکی پڑتی ہیں آنکھیں
 عارض پر نہیں خال، کسی سوختہ جاں نے
 ہر حلقے میں رکھ رکھ گلِ نسرین و شقایق
 اک حرفِ تمنا تمہارے دل میں سو میں نے
 بدنامی سے میری اسے کچھ شرم نہ آئی

ہر چند ہوں آوارہ و لے مصحفی میں نے
 کس دن گلہ گردشِ ایام کیلے

۴۹۰

دیوار و در اپنے سے اجل آن نہ نکلی
 عالم کے مرقعے کو کیا سیر میں، لیکن
 کب تو نے نظر کی کسی عاشق پہ کہ سو بار
 ہر چند کہ شانے نے کیا اس کو بہت صاف
 کیا کھینچے گا تیغا تو مرے قتل کی خاطر
 ہر چند سفر ہی میں رہے تو بھی، ہمارے
 اے مصحفی آیا وہ ترے سامنے لیکن

اک بات بھی منہ سے ترے حیران نہ نکلی

۴۹۱

غنچ کی موجِ جلوہ ذقن میں چرا گئی
 گرتے ہی کچھ کنویں پہ یہ بھلی سما گئی

اب بھی ہزار غنچے شگفتن کے ہیں قریب
 اک شاخ گل پہ صبح مری جا پڑی تھی آنکھ
 تم دیکھتے ہو اس کا رخ گل پہ بولنا
 بازار سے عرب کے جو گزرا وہ خود فروش
 ہم دیکھ لیں گے دانہ یا قوتِ سرخ کو
 افغاں! کہ سرسری سی کسی کی نگاہِ لطف
 کیا وہ خرام موج تھی آبِ حیات کی؟
 گو بادِ صبح پھولوں کی ڈالی ہلا گئی
 قامت کو کھینچ مجھ کو قیامت دکھا گئی
 بسبل بھی طرزِ نالے کی میرے آڑا گئی
 لیلیٰ دکانِ ناز کو اپنی اٹھا گئی
 لوہو کی بوند گر کوئی مڑگاں پہ آگئی
 بیٹھے بٹھائے اک ہمیں تہمت لگا گئی
 جو اس روش سے خاک کے مرے جلا گئی

کنجِ قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر
 فصلِ بہار باغ میں دھو میں مچا گئی

۴۹۲

اس رشکِ مہ کو یاد دلاتی ہے چاندنی
 آبِ رواں میں حسن ملائی ہے چاندنی
 جا بیٹھتے ہیں ہم لبِ دریا پہ جب کبھو
 سامانِ بنمِ بادہ میں کرتا ہوں جس گھڑی
 صحرائیں جا کے دیکھ کہ ہر رودِ خشک کو
 جب دکھیتی ہے دودھ سا پنڈا ترا میاں
 پیائے! اندھیری راتیں ہیں ایسے میں مل لے تو
 گردہ بھی قدر داں ہو تو بے جذبہ طلب
 ہر رات مجھ کو آکے ستاتی ہے چاندنی
 ہر موج میں گٹھی نظر آتی ہے چاندنی
 کیا بھگے اپنے ہم کو دکھاتی ہے چاندنی
 آچاندنی کا فرش بچھاتی ہے چاندنی
 ہم رنگِ جوے شیر بناتی ہے چاندنی
 خجلت سے آبِ ہی ہوئی جاتی ہے چاندنی
 پھر ورنہ چاند چڑھتے ہی آتی ہے چاندنی
 روٹھے ہوئے صنم کو ملائی ہے چاندنی

کیونکر نہ میں جلوں شبِ ہجراں میں مصحفی
 بن یار میرے جی کو جلاتی ہے چاندنی

۴۹۳

حضورِ عشق سے الفت کا کام کیوں لیجے؟
 جو کام ہونہ سکے اس کا نام کیوں لیجے؟

جو تو نہ دے ہمیں گالی تو وقت بوسے کے
جو غور اس کی نہ منظور ہو مرا صاحب
مرا سلام وہ لیتا نہیں، مگر سمجھا
جو شاخ گل ہے سو حور پیالہ برکت ہے
ترے ہی نام سے تسکین دل ہے یا اللہ
جو مرغ ہوئے قفس کا بھی ننگ لے صیاد
جو دل گرا نہ پڑے مارے بیقاری کے

خدا جو دیوے سو اس پر ہی سچے بس قانع
کسی سے مصحفی کچھ قرض و دام کیوں لیجے

۴۹۴

ہم آپھی گرنے کو چپہ جاناں تلک گئے
کل بندھ گیا جو گریہ رنگیں کا تار سا
ہم گل کو چاک جیب دکھا دیں گے، اے نسیم!
ان قیدیوں پہ تہمتِ نظارہ ظلم ہے
کیوں آنکھ جھپکے گل سے مری اس بہار میں
چھاتی پہ چڑھ کے مجھ کو لگا کرنے جب وہ ذبح
پامال ناز کر کے انھیں مائے شرم کے
پانو تلک نہ ہم کو رسائی ہوئی دریغ!
اک رفتگی سی ہم میں بھی کل کر گئی اثر
زنداں کا جن کو حکم کیا تو نے، اے میاں!
زگس تو اک طرف رہی اب کی بہار میں
کوچے میں اس کے شور قیامت ہوا بلند

نالے ہمارے ضعف سے کب وایں تلک گئے؟
آنکھوں سے ڈوے خون کے اماں تلک گئے
اب کی بہار میں جو گلستاں تلک گئے
زنداں سے اٹھ نہ جو در زنداں تلک گئے
اپنے بھی چاک جیب تو داماں تلک گئے
فوا سے خوں کے اس کے گریباں تلک گئے
پھرے کبھی نہ گورِ غریباں تلک گئے
اوروں کے ہاتھ زلف پریشاں تلک گئے
ہم اٹھ کے شہر سے جو بیاہاں تلک گئے
کیا کہیے کس خرابی سے زنداں تلک گئے
شہرے ان آنکھوں کے غزلاں تلک گئے
ہم شب کو جی چلا کے جو درباں تلک گئے

اے مصطفیٰ دوانے ہیں ہم ان کی بوجھ کے
جو درد مولے کے نہ درماں تلک گئے

۴۹۵

کون عہدِ وفا اس بتِ سفاک سے باندھے
دریائے سرشک اپنا جو طغیان پر آوے
جاؤں جو حرم میں تو مری آہ کا شعلہ
ثرگاں نہ کبھی سدِ رہِ اشکِ رواں ہوں
چسپیدگیِ دل سے عجب کیا ہے جو عاشق
گر دیدہ بینا ہو تو صناعِ جہاں نے
کشمیر بھی جاؤں تو عجب کیا ہے جو یہ چشم
سُرکاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندھے
دامن کو وہیں دامنِ افلاک سے باندھے
قندیلِ ستونِ حرمِ پاک سے باندھے
دریا کو نہ کوئی خس و خاشاک سے باندھے
تیرا دمِ مخبرِ جگرِ چاک سے باندھے
کیا کیا نہ طلسمِ ایک کفنِ خاک سے باندھے
رونے میں گر و چشمہ درناک سے باندھے

اے مصطفیٰ شاعرِ دہی جو ایسی زمیں میں
مضمون نئے قوتِ ادراک سے باندھے

۴۹۶

گلدستہ جو بختِ دل صد چاک سے باندھے
قاتل سے یہ کہہ دو کہ بھلا ملکِ دمِ بسمِ
میں سے کروں توبہ تو سپہرا بر بہاری
کل میں شبِ ہجران میں ترے غفلت کے مارے
ہم سجدہ ادا کر چکے ، اب سر کو ہمارے
آہوں کے ثراروں کو اڑا کل شبِ ہجران
گرتا رہ جگر ہو نہ تو کیا خاک سے باندھے
پتی تو نہ اس دیدہ نمناک سے باندھے
اس سال تو خوشہ نہ رگِ تاک سے باندھے
الماس کے ٹکڑے جگرِ چاک سے باندھے
نیزے پہ رکھے خواہ وہ فتراک سے باندھے
میں اور بھی تارے کئی افلاک سے باندھے

کیا کیا نہ غزالِ خشتی مصطفیٰ میں نے
اس دشت میں تارِ نظرِ پاک سے باندھے

جو بندِ قبا یار کے تپا پاک سے باندھے
کیا لطف ہو ساقی تو اگر ایسی ہو میں
وہ صیدِ رسن بستہ نہ جیتے تو رہا ہو
عاشق! شبِ ہجر میں ان آہوں کی طنائیں
دامن کے ترے گھیر سے کیا دور ہے پیارے
وہ سردِ رواں آوے اگر جلوہ گری میں
ہم بیٹھے ہیں کھول اپنی کمرِ مصحفی ہاں اب
جو چاہے سودِ دل اس بتِ بے باک سے باندھے

جب اس بت نے منہادی بھرے ہاتھ دھوئے
نہ رونا مرا سرسری جالو یارو!
کریں جستجو کس کی؟ دیکھ اس کو یارب
جنہیں تیری ٹھوکر کا تھا دل میں کھٹکا
نہ فرما دے چارہ مقصد کو پہنچا
ز بس شوق تھا اس کو رنگِ حنا سے
شہاری کے دانوں کے مانند آخر
ہم آنکھوں سے یک نختِ خونِ ناب روئے
کہ رونے نے میرے بہت گھر ڈبوئے
گئے ہیں کئی دن سے ہم آپ کھوئے
لحد میں بھی آرام سے وے نہ سوئے
سدا عشق میں اس نے پتھر ہی ڈھوئے
مری خاک پر بیجِ منہادی کے بوئے
سناں نے تری متصلِ دل پر روئے

مگر مصحفی خون رویا ہے چھپ چھپ
ہیں سرخ اب تک اس کی آنکھوں کے کوئے

جب تک کہ میرے دل میں تری آرزو رہے
جس صید کا گزر ہو کبھی صید گاہ سے
جب ٹانگے توڑ ڈالے ہوں خمیازے کھینچ کھینچ
اے دیدہ بشر طگر یہ ہے ابر بہار سے
جو طفلِ خوب رو کہ ہو آواز اس کی خوب
کیا کیا نہ اپنے دل کی نکالوں میں حسرتیں
عاشق وہ چاہیے کہ اگر خاک میں ملے
میں نے کہا جو اس سے کہ "آؤ نہ جان من"
بوسہ لیا ہو جس نے کبھی تیری زلف کا
یہ آرزو ہے مجھ کو کہ تو خوب رو رہے
یوں چاہیے کہ اس کی نظر چار سو رہے
عاشق کے زخمِ دل پہ کہاں سے رو رہے
اتنا تو کچھو کہ مری آبرو رہے
کیا خوب ہے ہمیشہ اگر خوش گلو رہے
ظالم گر ایک شب بھی مرے پاس تو رہے
تو بھی ہمیشہ در صد دوست جو رہے
بولا کہ "میرے ساتھ نہ یہ گفتگو رہے"
مر جاوے وہ تو اس کا دہن مشکبُو رہے

ہم نذر تیغِ یار کریں اس کو مصحفی
گریے کے ہاتھ سے جو بدن میں لہو رہے

۵۰۰

رحمت تری اے ناقہ کشِ محملِ حاجی
کس دن نہ اٹھا دل سے مرے شورِ پرستش؟
میں آپ کمر بستہ ہوں اب قتل پہ اپنے
اک سینے میں دل رکھتے ہیں ہم سو بھی وہ کیا دل
تم شب مجھے دیتے ہوئے گالی تو گئے ہو
شیشہ مے گلگوں کا ہے یار نگِ شفق سے
چاہے تو کرے راہبِ بت خانہ کو ناجی
کس رات یہاں کعبے میں ناقوس نہ باجی؟
بنِ یار ہے جینے سے مرا بس کہ خفا جی
جو روز رہے لشکرِ سلطان کا خراجی
میں بھی کسی دن تم سے سمجھ لوں گا بھلا جی
رنگ اپنے دکھاتا ہے مجھے چرخِ زجاجی

اے مصحفی میں افصح شیریں سخناں ہوں
کب مجھ سے طرف ہو سکے ہے ہر کوئی پاجی

نہیں کرتی اتر فریاد میری کوئی کس طرح دیوے داد میری
 فغانِ جاں گسل رکھتا ہوں لیکن نہیں ستا مرا صیاد میری
 تو اے پیغامبر! بھوٹی ہی کچھ کہہ کہ خوش ہو خاطرِ ناشاد میری
 میں تجھ کو یاد کرتا ہوں، الہی ترے بھی دل میں ہوگی یاد میری
 نہیں ہوتا مقید میں کسی کا طبیعت ہے بہت آزاد میری

ادھر اے مصحفی کیا دیکھتا ہے
 غزل سن آمرے استاد، میری

اس نزاکت پر پھر میں ہم کیوں نہ گل کھائے ہوئے؛ پھرتے ہوشبم کا جامہ بر میں بھڑکائے ہوئے
 خطِ گانِ خاک کی مجھ کو فراغت پر ہے رشک سوتے ہیں کیا چین سے یہ پالو پھیلائے ہوئے
 لگ رہی ہے خانہ دل کو ہمارے آگ ہاے اور ہم چاروں طرف پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے
 سن کے ہمسایے مرے نالوں کو کہتے ہیں کہ وہاں کس عذابِ جان کے ہم آ کے ہمسائے ہوئے
 ہم مومے جلتے ہیں مارے انفعالِ عشق کے دیکھتے ہیں جوں جوں نیچے آپ شرمائے ہوئے
 پیچ میں لائے ہیں کیا کیڑے بانگوں کو میاں پیچِ گپڑی کے تری ہیں یہ جو بل کھائے ہوئے
 گل گریباں چاک ہیں تم پر خبرِ روان کی ٹمک ہر طرف پھرتے ہو کیا چولی کو مسکائے ہوئے
 ٹمک تو بٹھرو، اومیاں صاحبِ اخلا کے واسطے اب پھرے جاتے ہو کیدھر سامنے آئے ہوئے؛

کچھ یہ دلِ ناداں نہیں اس دل کو ہم اے مصحفی
 کب تک باتوں میں رکھیں یوں ہی بہلائے ہوئے

شانے کی عمر گرچہ جدائی میں کٹ گئی پر زلف بھی فراق میں شانے کے لٹ گئی

نرگس کی دے ہر آنکھیں، نہ گل کا وہ رنگ ہے
 چھوڑا نہ ایک لمحہ تر ازلف نے خیال
 معشوق کو بھلا نہیں عاشق سے اختلاط
 جو رنگ سے ہم نہ کبھی سراٹھا سکے
 کچھ ان دلوں چین کی ہوا ہی پلٹ گئی
 بازار میں لیے میں درِ اشک کو بہ کف
 رخ سے جدا ہونی تو گلے سے لپٹ گئی
 بلبل کی ایک چوچ میں غنچے کی گئی
 جوں شمع زیرِ تیغ ہی یاں عمر کٹ گئی
 اتنا پھرا کہ قیمتِ ادل بھی گھٹ گئی
 کہتے ہیں ٹکڑے ٹکڑے ہوا رات مصحفی
 سنتے ہیں اس کی اپنی طبیعت تو بٹ گئی

۵۰۴

گردن سے میری تیغ حیا گر پلٹ گئی
 ساعر کے حسن سے ید بیضا ہوا حجل
 تو میرے آگے غیر سے باتیں کرے دریغ
 یاں ہم کمر پہ ہاتھ دھرے رہ گئے، وہاں
 گو پٹی، اس میں کچھ مری قیمت نہ گھٹ گئی
 جب اس کی آستین کی مہری الٹ گئی
 اپنی طبیعت ایسی ہی باتوں سے ہٹ گئی
 پٹکے کے ساتھ زلف کمر سے پٹ گئی
 اس چاکِ آستین کا ذرا دیکھو پھین
 انداز میں نگاہ کے مارا پڑا کوئی
 گردن کسی کی تیغِ تنافل سے کٹ گئی
 کب عاشقوں کی در سے ترے بھیر چھٹ گئی
 دن رات اس گلی میں یہی ماحرار ہوا
 لگنے چلی تھی آنکھ کہ اتنے میں مصحفی
 بولا جو مرغِ صبح تو پھر نیند اچٹ گئی

۵۰۵

قدغن ہے کہ در تک کوئی یاں آنے نہ پاوے
 واں روزنِ دیوار بھی اب بند ہوئے ہیں
 اور بے خبر آوے بھی تو پھر جانے نہ پاوے
 تاسینے کے روزن کوئی دکھلانے نہ پاوے
 اس باغ میں بلبل کا قفس لانے نہ پاوے
 یوں صاحبِ بستاں کا ہے اب حکم کہ صیاد

تو آگے ہی جا بیٹھ، دلا! بزم میں اس کی
 کیا خاک کرے سحر، ترے نقشِ قدم کی
 تو شوق سے پچکا قدم جوں شاخِ گل اپنا
 تا آگے کوئی کچھ اسے سکھلانے نہ پاوے
 جو خاک بھی اس کو چے سے لے جانے نہ پاوے
 پر مڑے کمر دیکھو بل کھانے نہ پاوے
 کبے میں تو ہم کو نہ ملا مصحفی، یارو!
 بھیجو کوئی قاصد اسے بت خانے نہ پاوے

۵۰۶

اک پل میں بھلائے سب دکھ درد زمانے کے
 ہم نے نہ لگایا دل، ہر چند کہ عالم میں
 از بس کہ سوا اپنے پاتے نہیں یاں کوئی
 اس آنے و جانے میں کیا راز نکلتا ہے
 رفتار تری ہم پر لائی تھی قیامت کل
 گو تو نہ بُرا مانے ہم سے تو نہ ہو گا یہ
 صدقے میں گیا تیرے اس آنکھ لڑانے کے
 اسباب مہیا تھے سب دل کے لگانے کے
 ہم اس لیے حیراں ہیں اس آنے خانے کے
 صدقے ترے آنے کے، قرباں ترے جانے کے
 انداز تھے سب اس میں مُردوں کے جلانے کے
 دیکھیں گے تری زلفیں ہم ہاتھ میں شانے کے
 میاں مصحفی اتنا تو رویا نہ کرو صاحب
 خونِ ناب سے سب تر ہیں تکیے بھی سرمانے کے

۵۰۷

جوں تیغِ خوشِ غلاف کل اس کی اگل پڑی
 یہ چھپے ہیں اس کے تو دیکھو گے باغ میں
 بادِ صبا نے اس کے یہ کیا کان میں کہا
 شیشے کا کچھ گناہ نہیں اس میں دختِ زر
 گاؤ زمین، زمین کے نیچے اچھل پڑی
 ببل کے آشیان پہ برق آج کل پڑی
 گل کی کلی جو کپڑوں سے باہر نکل پڑی
 اس کی صفائی دیکھ کے تو ہی پھسل پڑی
 دشمن تھا میرا یہ دل بیتاب مصحفی
 مجھ کو ملا یا خاک میں تب اس کو کل پڑی

تراشوق دیدار پیدا ہوا ہے
سداپان کھا کھا کے شکلے ہے باہر
یہ مارن ہے کس کا جو ہر لالہ یاں سے؟
اڑائے میں سخت جگر آہ نے جب
میں کیونکر نہ رکھوں عزیز اپنے دل کو،
کہے تھی یہ طفلی میں دیکھ اس کو دایہ
میں آیا ہوں مدت میں کوئی اس کا ہڈ
یہ دل مجھ سے لڑتا ہے تیری طرف سے
پھر اس دل کو آزار پیدا ہوا ہے
زمانے میں خو خوار پیدا ہوا ہے
جگر خوں، دل افکار پیدا ہوا ہے
ہوا میں بھی گلزار پیدا ہوا ہے
کہیں دل سا بھی یار پیدا ہوا ہے؟
یہ لڑکا طرح دار پیدا ہوا ہے
”تمھارا گنہگار پیدا ہوا ہے“
کہاں کا طرفدار پیدا ہوا ہے

میاں مصحفی بیچتے ہو جو دل کو

نولاؤ خریدار پیدا ہوا ہے

ہم نہ فریاد ہیں جو تیشے سے سر چیریں گے
بستہ بالی نے نہٹ تنگ کیا ہے یارب
تو نہ ہو دے گا کبھی خانہ نشین گر عشاق
تیغ ابرو سے تری میں نہ پھروں کا ہر گز
مر گئے ہم تو گریبان کفن کی جاگ
عقدہ دل نہ کھلا ناخن ابرو سے ترے
ہم دہ ہتھ پٹ ہیں کہ گر ہو دے گا دشمن جوں کوہ
ہاتھ آجائے گا خنجر تو جگر چیریں گے
وقت پرداز کے ہم بھی کبھی پر چیریں گے
چوب صندل سے ترے تختہ در چیریں گے
مجھ کو آڑے کے تلے رکھ کے اگر چیریں گے
قدسیاں آ کے گریبان بحر چیریں گے
اس معنے کو ہم اب لے کے تیر چیریں گے
ایک ضربت میں لے تا یہ کمر چیریں گے

مصحفی کشتہ شمشاد قداں ہے ہم تو

اس کے تختوں کو کوئی تازہ شجر چیریں گے

اس کے ہاتھوں سے ہیں سب آئینہ گزریادی
آر سی کس نے یہ لے جا کے اسے دکھلا دی؟

آنکھیں چندھیا گئیں دامن کی کناری سے تری
 کل جو کھینچا میں اسے تنگ بغل میں تو کہا
 ہم اسیروں کی بھی کچھ یاد ہے ان کو یارب
 ذبح کرتا ہے وہ بت نظروں میں مجھ کو اور لوگ
 ہو کے چنگا جو میں آیا تو مرے قاتل نے
 جنبش پانے تری بجلی سی جب چمکادی
 ”چھوڑ بے تو نے تو چولی مری سب مسکادی“
 وہ جو لوٹیں ہیں بہار چین آزادی
 یہی کہتے ہیں کہ اللہ رے تری جلا دی
 مجھ پہ اک وار کی پھر نام خدا ٹھہرا دی
 مصحفی میں تو نہ لکھتا تھا ولے کیا کیجے
 مجھ سے خامے نے غزل اور بھی اک لکھوادی

۵۱۱

چلتے چلتے جو کمر اس نے ذرا پھکادی
 کثرتِ گریہ سے دل ڈھکے ہو خاک کا ڈھیر
 کتنی بھری ہاتھ میں ساقی کے گلابی مے کی
 سیکڑوں خوں کیے اس نے عجب کیا اس کا
 تنگ پوشی میں مزہ اس نے جو پایا تو وہیں
 راہ جاتے مجھے کل پھر کے جو دیکھا اُس نے
 حکمِ سلطان ہے کہ اس محکمہ عدل کے بیچ
 میں نہ بھولا اُسے تازلیت تری آنکھوں نے
 مجھ کو اک آن میں بجلی کی ادا دکھلا دی
 اب کے بارش نے عمارت ہی یہ سب بٹھلا دی
 ہنستے ہنستے ابھی دکھلا کے مجھے چمکادی
 عشق نے گردنِ فرہاد اگر کٹوا دی
 چولی انگڑائیاں لے لے کے سبھی مسکادی
 آہ لاکر کے لبوں پر میں وہیں ٹھہرا دی
 دستِ فریاد کو اونچا نہ کرے فریادی
 وہ جو اک بات اشاروں میں مجھے سمجھا دی
 مصحفی جل کے میں گر خاک ہوا اس کو میں
 میرے دشمن نے مری خاک بھی لے اڑوا دی

۵۱۲

نظر آتے ہیں پردے تیری آنکھوں کے گلابی سے
 ہوا میں ہے وہ کیفیت کہ نخل اس باغ کے سارے
 کہیں مے پی ہے تو نے یا اٹھا ہے نیم خوابی سے
 گلے میں بانہیں ڈالے ہیں کھڑے باہم شرابی سے

نمود رنگ گل یوں غنچہ سوکن کی تہ میں ہے
 بھلا پچ کہیو، پیارے! کس کا ان سے خوں پکتا ہے
 نزاکت پر نظر کج جو کہ کل اس نے شبِ مہ میں
 کج و داج پڑے تھا بس کہ مستی میں قائم اس کا
 خدا کے واسطے مکھڑا چھپا ورنہ قیامت ہے
 جو میرا دل نہیں جلتا تو پیارے! میرے پہلو پر
 سوالِ بوسہ پر سو سو سنائیں گالیاں مجھ کو
 شرابِ سرخ دیوے جلوہ جوں اودی گلابی سے
 حنا آلودہ یہ جو ہاتھ ہیں تیرے شہابی سے
 چھپا یا چاند سے مکھڑے کو اپنے آفتابی سے
 گھراپنے تو میں لایا اس کو شب پر نور خرابی سے
 پڑا ہے شور اک عالم میں تیری بے نقابی سے
 اٹھایتا ہے تو کیوں ہاتھ کو رکھ کر شتابی سے؟
 کوئی عہدہ برآ ہو کیونکہ اس حاضر جوابی سے؟
 مکانِ مصحفی اس کو نہ سمجھو آپ کا گھر ہے
 تکلف کچھ نہیں کھل بیٹھے یاں بے حجابی سے

۵۱۳

دل چیز کیا ہے؟ چاہیے تو جان لیجیے
 مریے تڑپ تڑپ کے، دلا! کیا ضرور ہے
 آتا ہے جی میں چادرِ ابر بہار کو
 میں بھی تو دوستدار تمہارا ہوں، میری جا!
 کیجئے شریک ہم کو بھی اے دل! روا نہیں
 اس اپنی تنگ چولی پہ ٹمک رحم کیجے، جاں!
 گر قبرِ کشتگاں پہ تم آئے ہو تو، میاں!
 بوسے کا جو تمہارے گنہگار ہو میاں!
 وحشت کے دن بھر آئے ہیں اس نو بہار میں
 پر بات کو بھی میری ذرا مان لیجیے
 سر پر کسی کی تیغ کا احسان لیجیے
 ایسی ہوا میں سر پہ ذراتان لیجیے
 مہرے بھی ہاتھ سے تو کھوپان لیجیے
 یوں آپھی آپ لذتِ پیکان لیجیے
 خمیازہ اس طرح سے نہ ہرآن لیجیے
 اپنے شہیدِ ناز کو پہچان لیجیے
 لازم ہے اس سے بوسہ ہی تاوان لیجیے
 اے چاکِ جیب! پھر رہ دامن لیجیے

مشکل نہیں ہے یار کا پھر ملنا مصحفی

مرنے کی اپنے جی میں اگر ٹھان لیجیے

پان کھا کر گھر سے باہر یوں نہ آیا کیجیے
چاند سامنے کھول دینا تم کو یوں لازم نہیں
میں نہ مانوں گا کہ تم بھی چاہتے ہو مجھ کو، ہاے
گر خوشی ہے آپ کی میرے ستانے میں تو خیر
دیکھتے ہی مجھ کو تم آنکھیں چرا لیتے ہو کیا
نیک و بد سب جانتے ہیں تم کو با شرم ویا

یار نے گالی بھی دی تو کیا ہوا میاں مصحفی
ہر گھڑی اس بات کو منہ پر نہ لایا کیجیے

سیا ہی کیا بیاں کیجے تری زلفوں کے بالوں کی
کوئی زناریوں سے سرفرو لاتا ہے وہ کافر
کمر کی فکر میں تیری سدا حیران رہتے ہیں
ہنسو مو، جان من! تم اس بے آشفقتہ حالوں پر
برنگ آئینہ میں سامنے حیراں کھڑا دیکھو
جلگر کس کا ہے ایسا جو آب ان کے سامنے آوے
اگر غور شدید سے روشن ہوں تو بھی خوار پھرتے ہیں
دیارِ عشق میں ہر اک کے منہ پر خاک اُڑتی تھی

ہمارے دام میں اے مصحفی دے کس طرح آویں
کمند زلف میں گردن ہے جن رُشناغز الوں کی

رسائی عرش تک کیونکر نہ ہو دے اس کے نالوں کی
لگی ہو چوٹ جس کے دل پہ ان چھریوں سے بالوں کی

اگر دیکھیں ترے قدر کی لٹک اے شاخ گل اک دن
 گلابی پھینٹے ڈالے اپنی نظروں سے تو سب گزریے
 کبھی ابرسیہ میں جیسے بجلی کو نہ جاتی ہے
 تری نازک کمر کو مو بھی کہتے دے تو ڈرتے ہیں
 مرکب کی جگہ نوکِ قلم سے خوں ٹپکتا ہے
 لٹک مل جائے ساری خاک میں نازک خیالوں کی
 بہار اب دیکھنی ہے زعفرانی چیرے دالوں کی
 چمک زلفوں میں یوں دیکھی ترے کالوں کے بالوں کی
 طبیعت بس کہ نازک ہوتی ہے نازک خیالوں کی
 تماشا گاہ ہے تحریر ہم رنگیں مقالوں کی
 چھیں ہیں دل میں یہ بوٹے سے قدرے مصحفی میرے
 بلاے جان ہوئے دوستی ان خورد سالوں کی

۵۱۷

جب زہ اس کی کمان پر آئی
 کانپ اٹھا میں تو، رات ببل کے
 آفت ہر اک نشان پر آئی
 ہیں تری تیغ میں جو زندانے
 برق جب آشیان پر آئی
 گردشِ چشم سے تری، اے شوخ
 کیا کسی استخوان پر آئی؟
 اک مصیبت جہان پر آئی
 مصحفی دردِ دل کہے ہی بنے
 بات اب تو نہ بان پر آئی

۵۱۸

جی کی دشمن اس کی زلفوں کی پریشانی ہوئی
 غم بڑا یہ ہے کہ آخر باچنیں سخی بلیع
 ہم نے کیوں چھیڑا انھیں، کیا ہم سے نادانی ہوئی
 ہم کو کسبِ عشق سے حاصلِ پشیمانی ہوئی
 ماہِ نو کی طرح صرف سجدہ پیشانی ہوئی
 یاد کر کس نادکِ مژگاں کو خوں رو یا کہ رات
 اشک کی ہر بوند جیسے لعل پیکانی ہوئی
 کیونکہ ہم ضامن ہوں یارب اچلا ہٹ کے تری
 برق کے شعلے کی خس سے کب نگہبانی ہوئی؟
 آتشِ دل پر ہماری روغن افشانی ہوئی
 گریہ شب سے یہ سوز اپنا گھٹا کچھ، بلکہ اور

اے زلیخا! اس قدر بے صبریٰ اب کیا فائدہ؟
 بس کہ شانِ حسن میں یوسف سے تو کچھ کم نہ ہوتا
 شبِ تری مجلسِ وہاں دورِ قارح چلتا رہا
 اک نگاہِ آشنا پر تھا مدارِ اپنا، دریغ
 شبِ دلِ بیمار میرا دیر سے تھا مختصر
 ایک دم پاسِ سخن سے میرے تئیں فرصت نہیں
 ساتھ ہی یوسف کے تو بھی کیوں نہ زندانی ہوئی
 صفحے پر تصویرِ تیری یوسفِ ثانی ہوئی
 تاسخِ ریاں آنسوؤں کی سبجہ گردانی ہوئی
 اس سہیں کو دیکھ وہ بھی ہم سے بیگانی ہوئی
 بارے ٹمک آتے ہی تیرے اس کی آسانی ہوئی
 شربانی بھی کہے تو، اک جہاں ثانی ہوئی
 بس کہ کیشِ کفر میں کامل تھے ہم، اے مصحفی
 دیر تر سا کے مفوض ہم کو رہبانی ہوئی

۵۱۹

آئے ہے دل میں خس و خارے اک ہیبت سی
 سرِ بالیں ہی علیلاً نہ پڑا رہتا ہوں
 شکرِ قاتل کا کروں کیا کہ بہ زیرِ دم تیغ
 برقِ شمشیرِ تفل کا کہوں کیا انداز
 جب سے دکھی ہے میں ارضِ فلک رہتی ہے
 تیری تصویر ہی دن رات پڑا دیکھوں ہوں
 اے شبِ مرگ میں بس تیرا بھی شہرہ دیکھا
 آشتیاں سے مجھے کچھ ہوگئی ہے وحشت سی
 ان دلوں جاتی رہی ہے مری کچھ طاقت سی
 جوں جوں تڑپوں ہوں مجھے آدے ہے اک لذت سی
 ناگہاں سر پہ مرے آپڑی اک آفت سی
 مثلِ آئینہ شبِ دردِ مجھے حیرت سی
 بس کہ کچھ اس سے مجھے ہوگئی ہے الفت سی
 تیرہ دتار کہاں ہے تو شبِ فرقت سی
 مصحفی کی جو تو بالیں پہ دمِ نزع نہ ہوتا
 اس کی آنکھوں سے عیاں ہوتی تھی اک حیرت سی

۵۲۰

مجھ نے نسیمِ قدس بھی پیچھے کہیں رہی
 افسوس یہ رہا کہ بہ ہنگامِ ذبح بھی
 مقدور ہر کسی کا نہیں میری عمر ہی
 قاتل سے میں نے آرزوے دل نہ کچھ کہی

نظروں میں ہر کسی کی سبک تو میں ہو چکا
 کیا جانے کیا دکھا دے گی اب آگے بے تہی
 کندن سے رنگ کو ترے کب پہنچے بے میاں
 جلوسے میں گر چہ ہے زرخور شیدہ دہی
 جو میرے کی گئی کہ نہاں میرے دل میں تھی
 آخر لباسِ اشک میں وہ آب ہو ہی
 رکھے وہ کس طرح سے خبر میرے عشق کی؟
 جب اپنے حسن سے بھی نہ ہوا اس کو آگہی
 اب کے جو تو نے نامہ لکھا مجھ کو مصحفی
 میں اس کو رکھ دوں شعلہ آتش پہ تو سہی

۵۲۱

کیا لچک نہ تھی ہے اور کیا ہی ڈھلک موتی کی ہے
 اس جھلکنے سے ترے دیکھا تو کچھ کم بھی نہیں
 کوند بجلی کی کہوں یا یہ پک موتی کی ہے
 یہ جو عارض پر ترے، کافر ابھک موتی کی ہے
 ایک تو رخسار کی تیرے جھلک کرتی ہے قہر
 آبداری میں بلا تس پر جھک موتی کی ہے
 اشک آنکھوں سے مری جتنے بھی گرتے ہیں صنم
 بس کہ ان آنکھوں میں سرخی آبلک موتی کی ہے
 نمک دھلاوٹ کو ذرا تم اس غزل کی دیکھو
 پاک بیناں وصف اس میں منسلک موتی ہے

۵۲۲

یہ تیروں کا کس کے نشانا ہوا ہے
 کہیں راہ بھولے ہو شاید، تمھارا
 جو دل میرا زنبور خانہ ہوا ہے
 ہماری طرف کو جو آنا ہوا ہے
 میں پھڑکا ہوں یاں تک کہ کنجِ نفس میں
 پروں کا مرے آشیانا ہوا ہے
 کرے قد کشی کیوں نہ سروِ حمن سے
 وہ نامِ خدا اب تو سیانا ہوا ہے
 شکنجے میں زلفوں کے کھینچ اس کو لڑکے
 یہ ملاً بہت چار شاننا ہوا ہے
 خبر لے شتاب ان کی صیاد آ کر
 نفس بلبوں کا پرانا ہوا ہے
 رہیں خوں کا اک قطرہ اب اس میں باقی
 یہ دل تیری مڑگاں کا چھانا ہوا ہے

جو بھیجے اس پاس میں اپنے دل کو تو پیچھے سے قاصد روانا ہوا ہے
 کل آسودگاں کی جو تربت سے گزرا ق جنہیں خواب کرتے زمانا ہوا ہے
 پڑا ایک مرقد پہ جوں پاؤ میرا یہ آئی صدا "کیا دوانا ہوا ہے؟"
 ترے در پہ بیٹھا ہے گھٹنوں کو بکڑے
 یہی مصحفی کو بہانا ہوا ہے

۵۲۳

مستی ہے کہ اک ابر دھواں دھارا اٹھا ہے
 پیارے! جو مٹا خواہش دیدار میں تیری
 دیکھے ہے جو کوئی اس کو تو کہتا ہے کہ "اللہ
 خوں کتنوں کا سرخی نے اُن آنکھوں کی کیا ہے
 اس بزم میں آیا ہے مراد کر تو ناگاہ
 چاند ابر میں جاتا ہے چھپا شرم کے مارے
 چکھا ہے مرے خوں کو گر انگشت سے اس نے
 کیا خون میں رنگے تھے کہیں رات کو تو نے
 کل ہاتھ پہ کرتا تھا ترے گل بھی گرائی
 میں ساعدِ نازک کے ترے صدقے ہوں تجھے
 اس مستی سے کتنوں کو ابھی مارا اٹھا ہے
 وہ حشر کو بھی طالب دیدار اٹھا ہے
 یہ طفل بھی کیا شوخ و جفا کار اٹھا ہے
 جب صبح کو سوتے سے وہ خونخوار اٹھا ہے
 وہ ہاتھ میں لے کر دوہیں تلوار اٹھا ہے
 شاید کہ ترا پردہ رخسار اٹھا ہے
 ماننہ غسل اس میں بھی اک تارا اٹھا ہے
 بازی ترے ہاتھوں سے جو گل ہارا اٹھا ہے
 تو آج بہ ایس وضع مرے یار اٹھا ہے
 کیونکر قفس مرغ گرفتار اٹھا ہے

اے مصحفی دل جس نے اٹھایا ہے جہاں سے
 اٹھتے ہوئے وہ یاں سے بکسار اٹھا ہے

۵۲۴

تری چپ تو ہے خصم جانی ہماری
 جگہ سے نہ ملنے دیا اس نے آخر
 تو بولے تو ہو زندگانی ہماری
 ہمیں لے رہی نا تو انی ہماری

جزالفت کے تیری نہ کچھ خاک پایا
فلک نے بہت خاک چھانی ہماری
یہ ممکن نہیں ہے کہ عشقِ بتاں میں
ہمیں چین دے بدگمانی ہماری
جوانی میں ہم سے ملوتا ہمیشہ
دعا دیوے تم کو جوانی ہماری
تری تیغِ ابرود کا ہم پر کرم سقا
کئی خوب تب زندگانی ہماری
پڑے ہیں کئی استخوان اس گلی میں
یہی رہ گئی ہے نشانی ہماری
بہت سر کو خالی کیا ہم نے لیکن
نہ نہڑی نہ نہڑی کہانی ہماری

شب آخر ہوئی مصحفی جا پڑی اب
بروزِ دگر قصہ خوانی ہماری

۵۲۵

عمر گزری ہے ہمیں نالہ وزاری کرتے
کاش! ہم اس بتِ کافر سے نہ یاری کرتے
برسرِ شکوہ بھی لائی نہ ہمیں اس کی نگاہ
تا اسی پردے میں ہم شکر گزاری کرتے
بارِ مجلس میں تری، آنکھوں کو نئیں ورنہ میاں!
مہر و مہ آ کے ابھی آئنے داری کرتے
تو کہاں کا تھا، بھلا یہ تو ہمیں بتلا دے؟
ہم بھی تک گر یہ اگر، ابرِ بہاری کرتے
عشق میں چل نہ سکا پیش ہمارا ورنہ
اپنے کہنے میں نہیں نشترِ مرگاں اس کے
کوئی پر کالہ جب گر کا نہ گرا آنکھوں سے
اپنے کہنے میں نہیں نشترِ مرگاں اس کے
کہ ہم اس کو ترے دامن کی کناری کرتے
مصحفی یار ہیں اس وقت کے سب مردہ پسند
بدنہ سقا ہم بھی تخلص جو مزاری کرتے

۵۲۶

نہ کہیں صبح ہی جوتی ہے نہ خواب آتا ہے
رات کیا آتی ہے اک مجھ پہ عذاب آتا ہے
قاصد اس کو چے سے پھر نے کا نہیں، اے ہمدرد!
بھوٹ کہتا ہے کہ نامے کا جواب آتا ہے

کیا کروں اس لب شیریں سے سوالِ بوسہ
جانِ نالبا میں نہیں رہتی مری جب کہ رقیب
میں ترے واسطے سرپٹکوں ہوں دیواروں سے
ہستی پوچھ سے اپنی مجھے دیتا ہے خبر
ہو گیا ہے مرا گریے سے زبیں دل خالی
فرصتِ وقت غنیمت ہے کہ اے دل! وہ شوخ

مجھ کو اس بات کے کہنے سے حجاب آتا ہے
ساتھ گھوڑے کے ترے، پکڑے رکاب آتا ہے
چین کس طرح تجھے خانہ خراب آتا ہے؟
سامنے میرے جو دریا سے حجاب آتا ہے
اشک آنکھوں میں مری جیسے حجاب آتا ہے
آج اس راہ سے پھر مستِ شراب آتا ہے

مصحفی کے بھی کچھ احوال سے ہے تجھ کو خبر؟
روز اس کوچے میں با چشمِ پر آب آتا ہے

۵۲۷

نہ گل کے، نہ یا سمن کے صدقے
ہر حلقہ زلف میں مرا دل
بیٹھا ہو جس انجمن میں وہ شوخ
حسرت یہ رہی کہ فصلِ گل میں
پردانے کے شوق کو تو دیکھو
نکلا ہے تو آج زورِ سچ سے
تیشے سے قلم کا کام کرنا!
تلوار تو زور ہی سبھی ہے!
وہ تشنہ ہوں میں کہ دن میں سو بار
نکلے نام اس کا جس دہن سے
جامہ تو پھبے ہی ہے پر اس کی

چمپا سے ترے بدن کے صدقے
ہوتا ہے شکن شکن کے صدقے
میں ساری اس انجمن کے صدقے
ہم کیوں نہ گئے چمن کے صدقے
ہوتا ہے پڑا لگن کے صدقے
ہوں کیوں نہ میں اس پھپھن کے صدقے
تردستی کو بہن کے صدقے
صدقے ترے بانپن کے صدقے
ہوتا ہوں چہرِ ذقن کے صدقے
ہو جائیے اس دہن کے صدقے
زیبائیِ پیرہن کے صدقے

اے مصحفی کیا غزل لکھی ہے!
تیری روشِ سخن کے صدقے

یہ آنکھیں ہیں تو سر کٹا کر رہیں گی
 اگر یہ نگاہیں ہیں کم بخت اپنی
 یہ سفاکیاں ہیں تو جوں مرغِ بسل
 کیا ہم نے معلوم نظروں سے تیری
 یہ آہیں ہیں تو ایک دن آسماں کو
 اگر گردشیں آسماں کی یہی ہیں
 کسو سے ہمیں یاں لڑا کر رہیں گی
 تو کچھ ہم کو تہمت لگا کر رہیں گی
 ہمیں خاک و خون میں ملا کر رہیں گی
 کہ نظریں تری ہم کو کھا کر رہیں گی
 جلا کر، کھپا کر، اڑا کر رہیں گی
 تو ہم کو بھی گردش میں لا کر رہیں گی

یہ آنکھیں ہیں تو ایک دن مصحفی کو
 نگاہوں کے اندر فنا کر رہیں گی

یادِ فراق میں شب اس دل نے جو بتیابی کی
 اک ذرا کھول کے پڑھا اس کو کہ ظاہر ہے تمام
 جلوہ حسن کے آگے ترے، اے ماہِ منیر!
 سازِ دل وہ ہے کہ ہر تار کے اور چس کے
 اب تک آنکھوں سے مری اشک بہے جاتے ہیں
 پیشِ محراب میں کرتا تو ہوں سجدہ لیکن
 میں نے ردِ رو کے لہو ہر مژدہ عنابی کی
 میرے نام سے حقیقت مری بتیابی کی
 روشنی پھکی ہوئی جاتی ہے مہتابی کی
 سالہا ناخنِ اندوہ نے مضرابی کی
 اک جھلک دکھی تھی اس پیرہنِ آبی کی
 دل سے جاتی نہیں یادِ ابروئے محرابی کی

مصحفی ہوں میں گراے درِ شاہنشہ عشق
 آرزو مجھ کو نہیں خانی و لوائی کی

نصیبوں سے کوئی گر مل گیا ہے
 کرے گا یاد کیا قاتل کو اپنے
 تو پہلے اس پہ اپنا دل گیا ہے
 تر پتایاں سے جو بسل گیا ہے

لگے ہیں زخم کس کی تیغ کے یہ
خدا کے واسطے اس کو نہ لاؤ
کوئی مجنوں سے ٹک جھوٹے ہی کہدے
اگر ٹک کی بھی ہے کچھ ہم نے جنبش
کہ جیسے پھوٹ سینہ کھل گیا ہے
ابھی تو یاں سے وہ قاتل گیا ہے
کہ لیلیٰ کا ابھی محسوس کیا ہے
پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے
کوئی اے مصحفی اس سے یہ کہدے
”دعا دیتا تجھے سائل کیا ہے“

۵۳۱

ہم تو بیٹھے ہی رہے یار کے در کے آگے
وے نہیں ہم کہ سپر سینے پہ اپنے رکھیں
صرف اے دیدہ! کوئی نختِ جگر روتا ہے
یک بیک جا بوجھ پڑی اس گلِ نازک پہ نگاہ
کھائیں سوکھو کمر میں پرداں سے نہ سر کے آگے
بلکہ رکھ دیتے ہیں سینے کو سپر کے آگے
چاہیے اشک بھی ہوں نختِ جگر کے آگے
پھر گئے سیکڑوں رنگ اپنی نظر کے آگے
منہ کو مت کھولیو تو شمس و قمر کے آگے
باندھ رکھیں گے اب اس دیدہ تر کے آگے
مصحفی اس کو ہی کہتے ہیں، سنا ہی ہوگا
وہ ہو کل غش میں پڑا تھا ترے در کے آگے

۵۳۲

بیٹھا مونٹاٹھے کو بچھا جب کہ وہ در کے آگے
بال اک وضع پہ رہتے ہی نہیں کافر کے
دجا خشک کے مانند نظر آتا ہے
صدمہ آہ کہیں اس کو نہ پہنچا ہو دے
فون کتنوں کے ہوئے یار کے گھر کے آگے
کبھی پیچھے تو کبھی ہیں دے کمر کے آگے
پاٹ دریا کا مرے دامن تر کے آگے
اور تو کچھ نہیں اک دل ہے جگر کے آگے
”پھول اتنے تو نہ تھے تیری سپر کے آگے“
داغ سینے کے مرے دیکھے جو اس نے تو کہا

منتظر فیض کا رہ موئے جبیں سے اس کے
 بے ہنر گو کہ کرے آ کے ہنر کا دعویٰ
 دیکھ کر ہم کو ہوا چیں بہ جبیں مجلس میں
 صبح نورانی ہے اس تیرہ سحر کے آگے
 پیش جاتی ہے کوئی اہل ہنر کے آگے
 اپنی جاے جو تک اک ہم کہیں سر کے آگے
 مصحفی کیا ہوا اگر سب کے میں آنکھوں کو سیا
 میرا مطلوب تو ہے میری نظر کے آگے

۵۳۳

سراسر کے پہ کیا کوئی دستار باندھے
 کمر باندھتے تو کیا قتل عالم
 کوئی سحر سے باندھتا تھا دکان کو
 ہو دشوار بانگوں کو پھر سراٹھانا
 فرشتہ بھی گرا اس کے آجائے آگے
 نہ ساون کرے پھر برسنے کا دعویٰ
 ہے صرف اسی میں کہ یاں مردِ عاقل
 کھلیں بازوئے زاغ اس فصلِ گل میں
 جو پھر تارے گلیوں میں زنار باندھے
 قیامت ہے جس دم وہ تلوار باندھے
 وہ کافر جو آوے تو بازار باندھے
 جو بلدار پھیٹا وہ خو نخوار باندھے
 پکڑ ہاتھ مثل گنہگار باندھے
 جو یہ دیدہ تر کبھی تار باندھے
 دل اپنا کسی سے نہ زنہار باندھے
 فلک بال مرغ گرفتار باندھے
 تپ دل سے ہے دردِ مصحفی کو
 سراپنا نہ کیونکر یہ بیمار باندھے

۵۳۴

یار آ کے رہے قریب مرے
 گر نالے کی طرز سیکھنا چاہے
 اس کو میں نہیں کوئی مزاحم
 کیوں ہو گیا ناتواں تو لے دل
 ہیں گے ایسے کہاں نصیب مرے
 سن نالے تو عند لب مرے
 ہیں طالع بدر قریب مرے
 کیا تجھ پہ پڑی غریب مرے

بیمار ہوں مصحفی میں کس کا؟
حیراں ہیں جو سب طبیب مرے

۵۳۵

نہ لیے اس سے، رہے فاصلے سے ضرر ہوا اپنے تیئں جس کے ملے سے
نہ قاتل اس جگہ آیا نہ تلوار یہ سب مارے پڑے ٹک بھوں ہلے سے
سب اپنے مہرباں منزل کو پہنچے رہے اک ہم ہی پیچھے قافلے سے
مرید زلفِ خواں ہوں کہ میرا بندھا ہے اعتقاد اس سلسلے سے
نہ کراے مصحفی روزی کا شکوہ
خدا بیزار ہوتا ہے گلے سے

۵۳۶

ہمیں گالی دینا یہ خواہتی کسو کی کبھو ہم سے بھی گفتگو تھی کسو کی
میں آئے سے آنکھ ہرگز نہ پھیری کہ صورت مرے رد برد تھی کسو کی
گلے لگ کے سویا تھا کس رشکِ گل سے سحر جیب میں میری بڑ تھی کسو کی
ہوئے خاک میں بھی نہ آسودہ ہرگز وہاں بھی ہمیں جستجو تھی کسو کی
مری نعش پر لوگ کہتے ہیں آکر اسی شخص کو آرزو تھی کسو کی
اب اے مصحفی ہم کہاں اور عشق
مگر چاہ ہم کو کبھو تھی کسو کی

۵۳۷

باتوں نے اس کی ہم کو خاموش کر دیا ہے آگوز باں تھی لیکن اب گوش کر دیا ہے
عشقِ بتاں میں از بس کھائے ہیں داغِ پیہم ساعد کو اپنے ہم نے گل پوش کر دیا ہے

کس سیمبر کا، یارو! عاشق ہوں میں ہ کہ مجھ کو
 جب یادِ قدم میں تیرے کھینچا ہے ہم نے نالہ
 طاقت یہ اپنی کب ہے جو اس کی تاب لاویں
 کاہش نے جوں مہ نو آغوش کر دیا ہے
 سرورِ چین سے اس کو ہم دکش کر دیا ہے
 جس جلوے نے کہ موزی بیہوش کر دیا ہے
 اے مصحفی اٹھا ہے جب دل سے میرے شعلہ
 مار آستیں میں اس کو خاموش کر دیا ہے

۵۳۸

دامن کی اک جھپک نے مدہوش کر دیا ہے
 ہمراہ آہ از بس نختِ جگر اڑے ہیں
 کون آیا تھا نہانے، لطفِ بدن نے کس کے
 اب اور آہِ پچاں کیا چاہے ہے، میں اس کو
 ساتی کو میں دیا تھا خونِ فشرده، اُس نے
 صوفی و شیخِ دزاہد سب کیفی بن رہے ہیں
 نوبتِ سخن کی ہم تک جب آئی ہے، ادب نے
 جیسے چراغِ ہم کو خاموش کر دیا ہے
 میں عرصہ ہوا کو گل پوش کر دیا ہے
 لہردن سے سارا دریا آغوش کر دیا ہے
 زنجیرِ عرش سے تو ہم دکش کر دیا ہے
 میرے تیئں اسی کو پھر جوش کر دیا ہے
 اس کی نگہ نے عالمِ مے نوش کر دیا ہے
 خاموش کہہ کے سب کو خاموش کر دیا ہے
 مجلس میں مصحفی کی آیا ہے جو یہ دعویٰ
 میں اک قدرح میں اس کو بیوٹل کر دیا ہے

۵۳۹

شب آ کے روبرو جو نہیں بجلی چمک گئی
 آئی ہوائے ابر تو کیا دل خنک ہوا
 اے گل! تجھے دکھاویں گے اس کے بدن کا رنگ
 طوفان کیا وہ اشک نے غم میں ترے کر رات
 بجلی شبِ آسماں سے جو بیتاب ہو گری
 نظروں میں میری، یار کی صورت جھمک گئی
 وہ بھی ہماری آگ پہ دامن جھپک گئی
 اس ناز میں کی گر کبھو چولی مسک گئی
 جو موجِ تند اس سے اٹھی تا فلک گئی
 آکر کے آستیاں پہ ترے سر پہنک گئی

اُس گلبدن نے بندِ قبا جوں ہی دایکے
یاروں کو ہم دکھا دیں گے بے طاقتی کے رنگ
ہر بات پر مری تو نہ کر نکلتے چینیاں
مجلس تمام پھولوں کی بو سے مہک گئی
اپنی بھی آنکھ گر کسی گل سے اٹک گئی
ان باتوں سے تری مری چھاتی تو پک گئی
ہم نے بہت علاج کیا ایک مصحفی
ہرگز نہ دردِ دل کی ہمارے چمک گئی

۵۴۰

باغ سرسبز ہے اور آب دہوا اچھی ہے
تیری تصویر کو کب پہنچے ہے تصویر پر
شوخ چشمی نہ کر، اے شوخ! کہ معشوقوں کی
گل سے کہتی ہے کہ یہ تیری ہے بو کا طالب
دیکھتا ہے جو کوئی اس کو، یہی کہتا ہے
اس فریبندہ سے کیونکر کوئی سودا نہ کرے
”حق تعالیٰ مرے پیارے سے ملا دے مجھ کو“
جس قدر خونِ جگر کھا دے اے کھانے دے
میکو پیشانی کو خاک اس کی گلی کی، اے دل!
مصحفی مجھ سے تعجب ہے کہ یہ بات کہوں ق کہ مری طرزِ سخن کہنے کی کیا اچھی ہے
پر میں اتنا تو سمجھتا ہوں کہ سب کے نزدیک
نالہ چخدر سے بلبل کی نوا اچھی ہے

۵۴۱

اب تلک یار کی ہے چینِ جبینِ دیسی ہی
اب تلک بھوں کا چڑھانا ہے وہی ہر ساعت
نت مرے ساتھ چلی جاتی ہے کیں دیسی ہی
اب تلک پڑتی ہے پیشانی میں چینِ دیسی ہی

جب سے دیکھا ہے مراختِ جگر کتنا ہے
 جس جگہ میرے تئیں قتل کیا تھا اس نے
 دل جو غائب ہے مری نظروں سے، شاید اس کو
 کہہ مرے نالہ جاں کاہ کو وہ سنتا ہے؟
 مجھ کو بازار سے لادے تو نگیں ویسی ہی
 اب تلک خون سے تر ہے وہ زمیں ویسی ہی
 پھر کے صورت نظر آئی ہے کہیں ویسی ہی
 بات بدگو کی ہے داں ذہن نشیں ویسی ہی

مصطفیٰ اب تلک آیا نہیں ہر گز میں بہ حال
 غمِ آیام سے ہے طبعِ حزیں ویسی ہی

۵۴۲

پاسباں جاگے ہے، در بنار ہے، مینہ برے ہے
 اس طرح توڑ کے پھینک نہ دے ببل کے
 چرخِ بے ہرے میں کیا گلہ بنیاد کروں
 وہ ستم کشتہ بتاں کا ہوں کہ کل روزِ حبزا
 ہم گرفتار ہوئے اور ہی ہنگامے میں
 دوستو! اس کو جو پکڑ لے تو تم چھوڑ لو مت
 کیونکہ بیتِ الصنمِ عشق کا جلوہ دیکھیں
 کیوں نہ اس زلف سے مل ہوں میں مشوش اے دل
 میں ادھر ترپوں ہوں اور یار ادھر ترے ہے
 میری اس کو تو اک بالِ کبوتر سے ہے
 کہ ستم میرے اد پر بازیِ اختر سے ہے
 دعویٰ خون مجھے دادرِ محشر سے ہے
 یاں خبر کا ہیکو ہنگامہ محشر سے ہے
 لاد لاگ اپنے تئیں بھی اسی کافر سے ہے
 راہِ درسم اپنے تئیں بت سے نہ بت کرے ہے
 کیا کروں یار! کہ کام ایسے ہی ابتر سے ہے

مصطفیٰ دو کہیں ہیں گرفتارِ خویش و برادر دو کہیں
 کام کیا اپنے تئیں خویش و برادر سے ہے

۵۴۳

منظور گر تمہیں بھی تراشاے خلق ہے
 افسوس ہے نہ جانے تو اس کی ہی قدر کو
 کس طرح کوئی چین سے بیٹھے کہ رات دن
 وابستہ اک نظر کی تمناے خلق ہے
 جو شخص تیرے واسطے رسولِ خلق ہے
 دورِ سپہر در پے اید اے خلق ہے

میرا گناہ کیا ہے جو مجھ بے گناہ پر
 معنی طلب کی صورتِ خالق پہ ہے نظر
 عالم سمٹ کر آیا ہے دعوایِ خلق ہے
 صورت پرست محو تماشاے خلق ہے
 پھرتا ہے نت وہ برہنہ رو جیسے آفتاب
 گو خلق دیکھے کب اُسے پروایِ خلق ہے
 شاید کہ آج مصحفی مارا گیا کہیں
 اس کی گلی میں کہتے ہیں غوغاے خلق ہے

۵۴۴

کوچہ ترا یہ جاے تماشاے خلق ہے
 میری طرح سراسر عالم پھرا نہیں
 بہرِ نظارہ بیوردہ غوغاے خلق ہے
 ہر چند آفتاب بھی رسوائے خلق ہے
 تو اس قدر جو درپے ایذاے خلق ہے
 نت جس کے ساتھ گرمی سوداے خلق ہے
 میرا سر شکستہ ہے اور پاے خلق ہے
 الا حصولِ کاوشِ بجاے خلق ہے
 کچھ شعر و شاعری سے نہیں مجھ کو فائدہ
 کم ہم سے کم بغل پہ وہ ہوتا ہے ملتفت
 چل تو بھی مصحفی کہ وہ نکلا ہے بزم سے
 ہے بارِ عام نوبتِ محرابِ خلق ہے

۵۴۵

تو بے وفا ہوا تو مردّت کہاں رہی
 دنبالِ دل پری سی کوئی گامزن تو کھنی
 عاشق کو تجھ سے جاے شکایت کہاں رہی
 پر یہ خبر نہیں کہ وہ صورت کہاں رہی
 وقتیکہ شاعروں نے رگِ گل کیا خیال
 میں نے چین سے آن کے جب نالہ سر کیا
 مرٹے ہی بھوں کے، ہاتھ سے جاتا رہا یہ دل
 اپنے کہے میں اپنی طبیعت کہاں رہی
 کیا جانے آتے آتے قیامت کہاں رہی
 مدت ہوئی کہ بیٹھے ہیں ہم انتظار میں

وقتیکہ میں نے نامے پر رورو دیا ہو
جب تو نے دی رقیب کو پہلو میں اپنے جا
آنے سے خط کے اور ہی کچھ رنگ ہو گیا
جو کچھ میں دیکھتا ہوں، فلک! تجھ سے حادثہ
جب تیر غمزہ دل سے مرے پار ہو گیا
کیا بات پوچھتے ہو کہ وقتِ اخیر ہے
حیراں ہیں سارے قاضی و مفتی و بادشاہ

سمجھ کوئی جسے وہ عبارت کہاں رہی
عاشق کی تیری بزم میں عزت کہاں رہی
چہرے کی اس کے اب و شباہت کہاں رہی
فراد و قیس پر یہ مصیبت کہاں رہی
جانِ ستم رسیدہ سلامت کہاں رہی
اب ہم کو بات کرنے کی قدرت کہاں رہی
آگے ترے کسی کی حکومت کہاں رہی

تھی یاروں تک ہی رونقِ بزمِ اپنی مصحفی
جب یار ہی اٹھ گئے تو وہ صورت کہاں رہی

۵۴۶

کیا کہوں بات میں اس گریے کی طغیانی کی
خوشہ خوشہ مری آنکھوں سے گریے دامن میں
نوبہار آنے سے سوداے جنوں تازہ ہوا
صاف تو یہ ہے کہ انصاف نہیں یاروں میں
دردِ سر کیونکہ نہ ہو مجھ کو کہ ان آنکھوں سے
ایسی کیا جلدی ہے ہاں خط بھی پڑھوں گا، قاصدا
مجتہد ملتِ ترسا کا ہوں میں کیوں کہ مدام
وہ غارت زدہ کی طرح نمایاں ہے تمام
تیرے دامن کی کناری کو نہ پہنچا زہنہار
جو سدا محور ہے اپنی ہی آرائش کا
فصلِ گل میں بھی رہے کنجِ قفس کے ہی اسیر
گھر میں رہنا تمہیں ہو جائے گا مشکل پیارے!

کشتیِ نوح اسی گریے نے طوفانی کی
دانہ اشک نے اس سالِ فرادانی کی
سبزے کی موج نے پھر سلسلہ جنبانی کی
در نہ جوں آئنے صورت ہوں میں حیرانی کی
شکل دیکھی ہے میں منارِ لگی پیشانی کی
پہلے کچھ بات تو کہہ لے تو مرے جانی کی
خدمتِ بت میں رہا، دیر کی رہبانی کی
میرے ظاہر سے حقیقت مری ویرانی کی
شعلہ برق نے ہر چند کہ جولانی کی
اس کو کیا فکر مری بے سرو سامانی کی
ہم گرفتاروں نے کس روز پر افشانی کی
کر گئی آہ اثر گر کسی زندانی کی

بن گیا سطحِ فلکِ تختہ دامن سارا ابرِ مرگاں نے مرے بس کہ درِ افشانی کی
مصحفی دوں میں جہاں ریختہ گوئی کو رواج
قدر شیرازی کی ہوداں نہ صفاہانی کی

۵۴۷

خوش حال ان کا، دے جو گلستاں میں مر گئے
پہنچا نہ کام، چشم کی گردشِ تلک دریغ
آخر نہ ہو سکا سفرِ دورِ راہِ عشق
روتا پکارتا نہیں اب کوئی، کیا میاں!
حسرت نصیب ہم تھے کہ زنداں میں مر گئے
ہم اس کی ایک ہی جنبشِ مرگاں میں مر گئے
لاکھوں گھسٹ گھسٹ کے بیاباں میں مر گئے
عاشق ترے بھی شبِ ہجراں میں مر گئے؟
نسبتِ درست کیجئے اب کس سے مصحفی
جو منتخب تھے گبر و مسلمان میں مر گئے

۵۴۸

کہیں مغز اس کے میں صجد متری بے زلفِ سا گئی
مرضِ اک جہاں سے نہ لالہ تھا، مری جانِ اتیرے مرض کا
غرض اس نباہ کے صدقے میں غرض ایسی چاہ کے صدقے میں
یہ بہارِ ہودے کی سب خزاں، نہ سخن، نہ لالہ، نہ ارغواں
جو ندائے صورتِ خوب ہیں انھیں تب کہوں گا کہ دیکھیے
میں ہوا بہ خاکِ سید فرد، ترے کوچے میں بصدائے
ترے کوچے سے جو چمنِ تلک گل اڑاتی خاکِ صبا گئی
نہ ہوا کسی سے علاجِ جب، اجل اس کی کرنے دوا گئی
نہ ترا ہی جو روحِ جفا گیا، نہ مری ہی مہر و وفا گئی
دمِ گرم کی مرے، دوستاں! کبھو باغ میں جو ہوا گئی
کوئی شکل اپنی ہی چشم میں کبھو سیر کرتی جو آگئی
بہا شرکیں ہی ہمیشہ تو، تری اب تلک نہ جیا گئی
سراٹھاؤں کیونکہ میں مصحفی، نہیں مجھ میں تابِ توں زری
کہ خرام اس بتِ شوخ کی مجھے خاک ہی میں ملا گئی

۵۴۹

تصویرِ یارِ جب تئیں پیشِ نظر رہی سو صورتوں سے آنکھ مری بے خبر رہی

آخر ہمیں جلا کے کھٹ خاک کر دیا
 اک روز دیکھ لو گے کہ ہم دریاں نہیں
 وقتیکہ خط کو پانی میں ان نے ڈبو دیا
 داں جھوٹ موٹ بھی نہ ہوئی ان کی جہنم
 جوں زخم تازہ تجھ کو میں نت پونچھتا رہا
 وقتیکہ اس کمر پہ طمنچے سجے کیے
 شاید کہ لختِ دل کوئی پیچھے رہا جو آج
 جانا نہ ہم نے بالمش پر کہتے ہیں کے
 میرا در اس کا جھگڑا نہ فیصل ہوا کبھی
 قسمت کہ تجھ سے اب کے بھی اپنی ملازمت
 دیکھو گے کہ دکھا دیں گے ہم ریختے کوفرس
 بے اعتدالیوں سے تری اس گلی کے بیچ

آہ دفعاں ہی کرتا رہا تو تو مصحفی
 تیری زباں نہ ایک دم اے نوحہ گر! نہی

Library

۵۵۰

Sri Pratap College
SRINAGAR

نہ غم عاشقِ رسوا ہے تجھے
 میں ترے غم میں مواتا ہوں
 آشنا سا نظر آتا ہے تو، یار!
 جب میں کہتا ہوں کہ تلک لطف تو کھوں
 جانِ من! تو ہے بہت بے پردا
 نہ خیالِ دلِ شیدا ہے تجھے
 کوئی یہ بات بھی کہتا ہے تجھے،
 میں نے شاید کہیں دیکھا ہے تجھے
 تب یہ کہتا ہے کہ "مودا ہے تجھے"
 سچ ہے، پردا دہری کیا ہے تجھے

جاں بہ حسرت جو تو یوں دیتا ہے
 مصحفی کس کی تمنا ہے تجھے،

جب کمر میں کٹار رکھا ہے اس نے کتنوں کو مار رکھا ہے
 اک فریب نگہ پہ یاں ہم نے سالہا انتظار رکھا ہے
 پھانس بھی گڑھ بھی ہے دل میں اس نے برسوں فگار رکھا ہے
 تم نے اپنا جہاں دھرا ہے قدم ہم نے داں سراتار رکھا ہے
 اپنا عاشق نہیں تو اے کافر! آنسو کیوں دوچار رکھا ہے
 ہم نے دستِ جنوں کے ہاتھوں سے جیب کو تارتار رکھا ہے
 میری تربت پہ آن کر گکا ہے کب قدم تو نے یار رکھا ہے؟
 بعد از مرگ بھی مجھے یعنی کشتہ انتظار رکھا ہے

مصطفیٰ ہم نے اپنے پہلو میں
 دل کو دے دے نثار رکھا ہے

دنیا میں دل سے دل کو محبت نہیں رہی ہرگز کہیں دو شخص میں الفت نہیں رہی
 پھر طے ہیں زیرِ دام ہم اتنے کہ اب ہمیں خنجر تلے ترپنے کی حسرت نہیں رہی
 کیا فائدہ ہے اس سے گر آنکھیں ملائیے؟ آنکھوں میں اس کی کچھ بھی موت نہیں رہی
 اے دیدہ! زار زار نہ رو اس قدر کہ اب مجھ کو بھی گریہ کرنے کی طاقت نہیں رہی
 مجلس میں اس کی جا کے کوئی کیا ذلیل ہو ہرگز موافق اپنے وہ صحبت نہیں رہی
 کیا جا کے اب کسی کے تئیں منہ دکھائیے وقتیکہ وہ زمانے کی صورت نہیں رہی
 آتے ہی اس کے سامنے ٹوٹی ہے آرسی ہرگز نظر سے اس کی سلامت نہیں رہی
 اے غم! فشارِ دل میں نہ اتنی بھی سعی کر جانے بھی دے کچھ اس میں تو حالت نہیں رہی
 اتنا میدہ خو ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ الفت تو اک طرف کہ خصومت نہیں رہی

اے مصطفیٰ! نہ کیجے سوے کو دکاں نگاہ
 اس کام میں بزرگوں کی حرمت نہیں رہی

اس سوا اور ہزاروں ہیں تو کیا کام مجھے
 شہر میں شہرہ ہر برزن و کو تو میں ہوا
 یہ ہی حسرت رہی دل میں کہ کبھی ساتی نے
 شہر سے دُور پڑا خاطرِ یاراں سے گیا
 مجھ کو سوچتم تھیں یاروں سے، دے روزِ فراق
 سادگی دیکھ کہ بوسے کی طمع رکھتا ہوں
 میں نے کیا ان کا لیا ہے جو گلی کو چوں میں
 اک ترے کوچے سے باہر نہ نکالے تازلیت
 مصحفی ہاتھ اٹھا اب بھی عشق سے کہ یار
 نظر آتا ہے بد اس کام کا انجام مجھے

دُرتی نہیں وہ چشمِ سیہ، ناریِ دل سے
 یارب تری زلفوں سے مجھے جس نے چھڑایا
 اک داغِ نیا ہر بنِ مو پر ہے نمایاں
 شعلے کا ترے حسن کے فانوس بنا ہے
 ہم بھی دلِ خوں گشتہ لیے ساتھ ہیں اس کے
 غم کیونکہ چھپاؤں میں کہ چہرے کامرے رنگ
 دن رات اسے کام ہے خو خوریِ دل سے
 تاحشر نہ چھوٹے وہ گرفتاریِ دل سے
 یہ پھول چنے ہم نے شرر باریِ دل سے
 تو اس پہ بھی غافل ہے ہوا داریِ دل سے
 گویا تھ اٹھا دے نہ دل آزاریِ دل سے
 عالم کو نشان دینا ہے بیماریِ دل سے
 اے مصحفی جزا آہِ غم و نالہ و زاری
 حاصل نہ کیا ہم نے تو کچھ یاریِ دل سے

پہنچا ہے زباں تجھ کو وفاداریِ دل سے
 کیا میں نہیں واقف تری بیزاریِ دل سے،

بنِ دل کے تری زلف بھی اب رہ نہیں سکتی
ایسا نہ ہو لیجا کے کہیں مجھ کو ٹٹا دے
شب دیدہ بیدار کے محتاج نہیں دے
اس شہر کا کیا نام ہے جس شہر میں کوئی
کیا نامِ محبت لیں کہ اب بزمِ بتاں میں
کرتا تھا یہ دل پیش ازیں مشقِ طبعِ دن
اے آسنے! ہم تجھ کو دکھا دیوں گے نقشا
ہر چند کہ ہیں خانہ برانداز دے آنکھیں
کاہیکو ہیں بادہ کہ پہنچے ہے ہمیشہ
ان روزوں پھر اس شوخ کی آنکھوں نے کیا ہی
وقتیکہ مدد خواہ تھے ہم، کوئی نہ آیا

اے مصطفیٰ سمجھیں ہیں ہم اس شوخ کو غافل
یک لحظہ جو غافل نہیں معماریِ دل سے

۵۵۶

جب دیکھوں صہرت مرے آگے ہی کھڑی ہے
اس گریے کے صدقے ہوں کہ خونِ نابِ جگر کی
وہ ابرِ سیہ جس سے کہ خوں برے ہے ہر دم
اس زلف میں کیا کام کریں اپنی نگاہیں
حیراں ہوں کہ اس غم کے تین کیونکہ میں ٹالوں
وہ کشتہ بے کس ہوں کہ خونخوار ہی کی خاطر
خوں کس کا کیا تو نے جو آج اے مرے قاتل!
سنگینوں سے پلکوں کی شرابے ہی اڑے ہیں

ہے وہ بھی گرفتار، گرفتاریِ دل سے
میں آگو ہی ڈرتا ہوں زیاں کاریِ دل سے
جو فیض سحر لیتے ہیں بیداریِ دل سے
جاں بر نہیں ہوتا تپِ بیماریِ دل سے
ہم آپ خجل ہوتے ہیں ناداریِ دل سے
ہے اب تو شکایت ہمیں بیکاریِ دل سے
گر پردہ اکٹھا آتے رخسار ہیِ دل سے
پر شکر کہ غافل نہیں معماریِ دل سے
بے ہوشی کا مژدہ ہیں ہشیاریِ دل سے
بازارِ نظر گرم خسریداریِ دل سے
کیا فائدہ ہے اب مددِ دیاریِ دل سے

اک قاتلِ خونخوار سے ہی آنکھ لڑی ہے
جو بوند ہے پلکوں پہ وہ چٹی سی جڑی ہے
اس کے لبِ پاں خوردہ پستی کی دھڑی ہے
جس زلف کا ہر حلقہ زرہ کی سی کڑی ہے
اے دلے کہ سل سی مری چھاتی پڑی ہے
دردِ ازے پہ قاتل کے، مری لاش پڑی ہے
تلوار ترے ہاتھ میں پھولوں کی چھڑی ہے
جب جنگ کو پلٹن پہ مری بارہ چڑھی ہے

نے مصحفی خستہ کی ٹلک دیکھ لے صورت
یہ غم زدہ مہماں کوئی پل، کوئی گھڑی ہے

۵۵۷

کس گل کی نزاکت پہ مری آنکھ پڑی ہے،
جس موج سے لپٹا ہوں کر ابرو کا تصور
گھر کیونکہ غریبوں کے بھلا بیٹھ نہ جاویں
جو دیکھے ہے وہ ابرو سے خم دار، کہے ہے
تو آئینہ خانے میں بہت دیر رہی ہے
گلدستہ ہے خود اک تو ترا دست نگاریں
کچھ ذکر تھا میرا، جو میں آنکلا تو مہنس کر
خوں جلوہ گری کرتا ہے از بس کہ شب دروز
جو تخیل کہ اگتا ہے وہاں خاک سے، لڑکے !
جو ہر رگ گل خار سی نظروں میں گڑی ہے
اس موج نے سر پر مرے تلوار جڑی ہے
بے قاصد رونامرا ساون کی چھڑی ہے
کیا صانع قدرت نے یہ تلوار گھڑی ہے
کیا جانے واں کس سے تری آنکھ لڑی ہے
پھر تیس پہ غضب اور یہ پھولوں کی چھڑی ہے
کہنے لگا وہ یوں "تری کیا عمر بڑی ہے"
اس جاگہ پہ جس جاگہ مری لاش گڑی ہے
گویا وہ ترے واسطے پھولوں کی چھڑی ہے

اے مصحفی گزرے گی ذرا سیر تو کر لے
جاتا ہے کہاں دن ابھی دو چار گھڑی ہے

۵۵۸

دل کیونکہ کریں بیٹھ کے ہم یار سے خالی
کس طرح قد یار سے وہ آکے طرف ہو
ہم سوے عدم یوں گئے دنیا سے تہی دست
باندھی ہے کمر اس نے زبیں خلق کُشی پر
پیمانہ مری چٹم کا افسوس کہ یار ب
ہوتی ہی نہیں بزم تو اغیار سے خالی
ہے سرو کے اک پانوسوز قمار سے خالی
جس طرح کہ مفلس پھرے بازار سے خالی
جب دیکھو میاں اس کا ہے تلوار سے خالی
مرتے بھی رہا شربت دیدار سے خالی

اے مصحفی! شاید کہیں دل بتد ہے تیرا
یہ آہ کا بھرنا نہیں اسرار سے خالی

سر تری تیغ کو دیے ہی بنے سجدہ محراب میں کیے ہی بنے
دستِ ناصح سے تنگ آیا ہوں چاکِ بیابان مجھے سے ہی بنے
آپھنے اب تو بزمِ زنداں میں شیخِ حیاتِ تم کو مے پیے ہی بنے
ہم کب اس زندگی کے تھے طالب پر جلا یا تو اب جیے ہی بنے
مصحفِ تم کو وہ کرے گا خراب
اس سے دل باز پس لیے ہی بنے

لبِ زخمِ جگر سیے ہی بنے خونِ دل ہم کو اب پیے ہی بنے
کھینچ کر تیغِ یار آیا ہے اس گھڑی سر جھکا دیے ہی بنے
دل گرا ہی پڑے ہے سینے سے اب یہ دل ہاتھ میں لیے ہی بنے
یار کا صبح پر ہے وعدہ وصل ایک شب اور بھی بیٹے ہی بنے
اب تو اس دردِ دل کی تاب نہیں
مصحفِ کچھ دوا کیے ہی بنے

تو ہر شب منتِ بغل میں اور کے ہے یہ دل شاید تہ کب اس جور کے ہے ؟
ترے دامن کا دورا بیلے پیارے ! کہ صدقے دور بھی جس دور کے ہے
اسے کیا دورِ دامن کی خبر ہے جو قہقہے میں تسلسلِ دور کے ہے
بتاں ! کیا پوچھتے ہو ہم سے ؟ کیجے جو کچھ شایاں تمہارے طور کے ہے
مرے نامے کو یوں مت سرسری دیکھ کہ ہر اک سطر قابلِ غور کے ہے
نہ خود قائم ہے یہ پستلا بدن کا کل اس کی ہاتھ میں اک اور کے ہے

جیہیں اس بات کی اب اے مصحفی دیکھ
کہ وہ سودے میں چندن گھور کے ہے

۵۶۲

اب تو اس بزم میں پیارے تمہیں لئے ہی بنے
زخم دور چار تری تیغ کے کھائے ہی بنے
سخت حیران کیا چہچہہ بلسل نے
گر تصور ہے یہی تو مرا جینا معلوم
یارے رشتہ دوزن کو کبوت آیا ہے
وہ جو ہجراں میں ترے مجھ پہ گزرتی ہے میاں

سخت افسردہ کیا ہے میں بے عشقی نے
مصحفی پھر کہیں اب آنکھ لڑائے ہی بنے

۵۶۳

بند بھی آنکھوں کو ذری کیجیے
اک نظر ایدھر بھی ذری کیجیے
دل کے عوض دیجیے بوسہ ہی ایک
آننے میں دیکھیے مکھڑا میاں!
گر نہیں قاصد تو بدل کر کے بھیس
قدر ہنر کی جو ہوئی، دیکھ لی
کون ہے ان باتوں کا مانع میاں
دل کی کچھ اس کوئے نہ آئی خبر

چند پریشاں نظری کیجیے
گر نہیں اچھی، نظری کیجیے
خوب نہیں مفت بری کیجیے
آننے کو رشکِ پری کیجیے
آپ ہی پیغام بری کیجیے
اب ہنر بے ہنری کیجیے
خوب سی بیداد گری کیجیے
ماتم یارِ سفری کیجیے

مصحفی ہے دقتِ دایع جہاں
مثل چہراغِ حسری کیجیے

روح بلب چمن میں جھٹکے ہے
زلف کو جب وہ کھول دیتا ہے
گر پڑا میں، ترا برا ہووے
مے پیوں ہوں تو مثل شیشہ سے
کوئے عضو کی کردن تعریف
جب سے دیکھی ہے وہ پلک میں نے
اب تک یاں گلاب چھٹکے ہے
جیسے مار سیاہ لٹکے ہے
یوں بھی دامن کو کوئی جھٹکے ہے
وہ بھی تجھ بن گلے میں اٹکے ہے
اس کی تو بوٹی بوٹی ٹٹکے ہے
پھانس سی کچھ جگر میں کھٹکے ہے
گھر سے باہر نکل کہ مصحفی آج
تیری چو کھٹ پہ سر کو ٹٹکے ہے

آغازِ صبح ہجر کا انجام دور ہے
طاقت کہاں ہے اتنی کہ داں تک پہنچ سکیں
انصاف تو کر، دل بیتاب کو مرے
بیٹھے ہیں اور لوگ تو سارے بھڑے ہوئے
نزدیک میرے لائے ٹکاس ماہِ رکتیں
مے پی چکوں تو دیکھو بدستیاں مری
مت بھولیو تو اپنی کسندِ شعاع پر
بیٹھا ہے نقشِ سب کالبِ یار پر درست
جب سے نظر پڑی ہے اس ابرو کی تیغ پر
اے دیدہ! اور رو کہ ابھی شام دور ہے
ہر چند باغِ ہم سے کئی گام دور ہے
آرام کس طرح ہو، دل آرام دور ہے
مجلس میں تجھ سے اک یہی ناکام دور ہے
کیا یہ بھی تجھ سے گردشِ ایام دور ہے
یارو! ابھی تو لب سے مرے جام دور ہے
اے آفتاب! اس کالبِ بام دور ہے
الاکہ اس نگین سے مرا نام دور ہے
سر سے ہمارے بالش آرام دور ہے
کیوں مصحفی کو دیکھ کے کہتا ہے "دور دور"؟
مدت سے تجھ سے آپھی یہ بدنام دور ہے

گہ خونِ رودنی، گلہے لختِ جگر نکالے
 پھر نو بہار آئی اور پھر شگوفہ پھولا
 ٹہک دیکھ تو تماشا صنعت کی باغیاں نے
 سدِ سکندری میں گر رکھیے خوب رو کو
 اے نادمودہ عارض! اس تیری جستجو نے
 کوئے بتاں میں میری چاروں طرف نظر ہے
 یہ حسن وہ بلا ہے آدے جو ساحری پر
 ممنونِ بے پری رہ یعنی کہ اس جہاں سے
 اے شوقِ جاں فشاندن! کیجو خبر ہمیں بھی
 مارے خوشی کے مجھ کو آجائے ہے غشی سی

پھر تو نے رنگ اپنے، اے چشمِ تر! نکالے
 ہر شاخِ بے ثمر نے پھر برگ و بر نکالے
 اک مشتِ گل سے کیا کیا رنگیں سحر نکالے
 وہ کاوشِ مژہ سے اس میں بھی دزن نکالے
 پردے سے باہر آخر شمس و قمر نکالے
 شاید کوئی پری رد، غریفے سے مزن نکالے
 گھر سے پری کو اپنے دیوانہ کرن نکالے
 پروازِ زندگی ہے جب مور پرزن نکالے
 دستِ ستم میاں سے شمشیر اگر نکالے
 کیسے سے خطِ جاناں تانا مہ برزن نکالے

تو جس زمیں پہ اپنا اے مصحفی دھرے پائو
 یمنِ قدم سے تیرے وہ گنجِ زر نکالے

مارے گئے کئی ترے، اے یارِ ہاتھ سے
 اللہ رے دشمنی، کہ جو نہیں مجھ کو دیکھنا
 یارب کہیں وہ دن ہو کہ میں گریہ جب کروں
 دیکھا ہے میں نے جب سے ترا چاکِ آلتیں
 کیا اتنا اضطراب ہے خوں ریزی میں مری
 صیاد! مرغِ دل کو ابھی ٹک تفس میں رکھ
 کرنی ہے کچھ دوامِ رے دل کی تو کر طبیب!
 گر اس چمن سے میں نے چنا ہو گلِ مراد

پر تو بھی تو نے رکھی نہ تلوار ہاتھ سے
 کر لینے بندِ رخنہ دیوار ہاتھ سے
 پونچھے تو میکے دیدہ خونبار ہاتھ سے
 جاتا رہا ہے دل مرا، اے یارِ ہاتھ سے
 منہدی تو کھول ٹک کہیں، خونخوار ہاتھ سے
 خوگر نہیں ہوا یہ گرفتار ہاتھ سے
 جاتا ہے مفت در نہ یہ بیمار ہاتھ سے
 نکلیں لبانِ شانہ مرے، خار ہاتھ سے

کہتے ہیں رات سیر و تماشا میں مصحفی
مارا گیا کسی کے طرہ دار ہاتھ سے

۵۶۸

اددا من اکٹھا کے جانے والے	ٹمک ہم کو بھی خاک سے اکٹھا لے
روکھو ہو ادھر، ادھر منو ہو	دنیا سے یہ تازہ ہیں نرالے
حلقے زلفوں کے تیرے رخ پر	اک ماہ ہے اور ہزار ہالے
عشق اس کو ہے جو کہ مثلِ شانہ	ہاتھوں میں کھلائے ناگ کالے
اس دل نے مجھے بہت ستایا	دشمن کے پڑے نہ کوئی پالے
داں ہلتی ہیں پلکیں تیری ادریاں	چلتے ہیں مرے جگر پہ بھالے

اتنا بھی تو مصحفی نہ خوں رو
رنگین تو ہو گئے رسالے

۵۶۹

پردہ گر درمیاں سے اکٹھا جاوے	اک جہاں جسم و جاں سے اکٹھا جاوے
مارے الفت کے مر گئے، اے کاش	رسمِ الفت جہاں سے اکٹھا جاوے
دیکھ اس کو میں مجھ کو یوں بولا	”کہہ دو اس کو کہ یاں سے اکٹھا جاوے“
جی میں ہے اتنے بو سے لیجے کہ آج	مہر اس کے وہاں سے اکٹھا جاوے
رہے اے گل تو باغ میں، بلب	ستمِ باغیاں سے اکٹھا جاوے
ہم کو چلتا وہ شوخ بے پردا	گو سراستھاں سے اکٹھا جاوے
گل کا یہ رنگ! کیا تعجب ہے	مرغ اگر آشتیاں سے اکٹھا جاوے
نہ ملے جاؤں سے کسی در پر	جو ترے آستاں سے اکٹھا جاوے
کون کہتا تھا، خوش زباں ایسا	مجلسِ دوستاں سے اکٹھا جاوے

ہاے رے مصحفی کا مرنا ہاے
آدمی یوں جہاں سے اٹھ جائے

۵۴۰

آنکھوں سے رواں خونِ دل ریش رہے ہے
نظروں میں گھبی ہے مژدہ اس شوخ کی جبکے
منصور صفت گو کہ اسے دار پہ کھینچیں
کہ لام تو گو لام الف بنتی ہے بل کھا
نت قتلِ غریباں پہ کمر اس کی ہے بستہ
پاؤ اپنا رہِ عشق میں رکھوں کہ نہ رکھوں
یاں روزی ہی واقعہ درپیش رہے ہے
دل سا تھمرے نت خلتِ نیش رہے ہے
حق گوئی سے کب مرد حق اندیش رہے ہے
زلف اس کی نہ برقاعدہ خویش رہے ہے
ان باتوں سے کب چرخِ جفاکش رہے ہے
ہر لحظہ یہی مجھ کو پس درپیش رہے ہے

اک روز تو کر مصحفی کی تو بھی زیارت
کوچے میں ترے کیسے یہ دردیش رہے ہے

۵۴۱

جوں ہی ٹمک بار کی پیشانی میں چیں پڑتی ہے
اس تامل کا ہوں کشتہ کہ ترا وقتِ خرام
خارخار اس مژدہ کا بس کہ رہے ہے شبِ ہجر
نیم بسمل گئے میں دے جو ترے کشتہ ناز
سرو ساماں میں مرے برق وہیں پڑتی ہے
پاؤ پڑتا ہے کہیں، آنکھ کہیں پڑتی ہے
ایک پل میرے تئیں نیند نہیں پڑتی ہے
کیونکہ کل ان کے تئیں زیریں پڑتی ہے

مصحفی کے تو گھر آوے تو عجب بھی نہیں کچھ
تجھ سے امید تو اے زہرہ جیں! پڑتی ہے

۵۴۲

عینِ رقت میں کوئی مجھ سے رکا جاتا ہے
کیا کروں خونِ دل آنکھوں سے بہا جاتا ہے

اندک، اے پیش رواں! وقفہ کہ اس منزل میں
 بے حجابانہ زیوں بام پر آیا کرتا
 کون آگاہ ہے یاں درد سے اس گھایں کے
 بیٹھو، اے یارو! کوئی بات بتاؤ مجھ کو
 آج کیا جانے کیا باد چلی گلشن میں
 مصحفی کے بھی میں ابرام کا دیوانہ ہوں
 جھڑکیاں سے ہے وہ، یہ ساتھ لگا جاتا ہے

۵۷۳

سردل پر مجھے اک نیشتر معلوم ہوتا ہے
 نمی سی پنبہ دارِ جگر میں اپنے پاتا ہوں
 کوئی گھر بیٹھے کیا جانے اذیتِ راہ چلنے کی
 امید وصل پڑتی ہے طلوعِ شمس سے دل کو
 کروں کیوں ذکر میں زاہد کے آگے شعر و شاہد کا
 میں تم سے پوچھتا ہوں انتہا اس عشق بازی کی
 مری بھو کی نگاہ میں دیکھ شب، ہمد سے یوں بولا
 کہ ”مجھ کو مصحفی کچھ بد نظر معلوم ہوتا ہے“

۵۷۴

تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے
 اے دل! تو نہ کر ہماری خنمی
 طمک اور بھی صبر کر کہ مجھ کو
 ہم آبلہ بن رہے ہیں ہم کو
 الفت تری اس قدر بہت ہے
 بس اک دل کینہ در بہت ہے
 لکھنا ابھی، نامہ برا بہت ہے
 اک جنبشِ نیشتر بہت ہے

شیشے میں ترے شراب ساقی
اس رنگ سے اپنے گھر نہ جانا
افسانہ عشق کس سے کہیے
مجھ کو نہیں آہ کا بھر دسا
اس دل کی تو تو خبر رکھا کر
یہ آپ سے بے خبر بہت ہے
ٹک ہم کو بھی دے، اگر بہت ہے
دامن تراخوں میں تر بہت ہے
اس بات میں دردِ سر بہت ہے
یعنی کہ یہ بے اثر بہت ہے
یہ آپ سے بے خبر بہت ہے
کیا بگڑی ہے آج مصحفی سے
اس کوچے میں شور و شر بہت ہے

۵۷۵

اٹھ گیا ہے وہ ستم دیدہ کہیں مدت سے
جیسے ناسور شبِ دروز بہا کرتی ہیں
کبھی آزر دگی اپنی کو کریں گے ظاہر
کچھ نہ پوچھو کہ غمِ عشق بتاں نے، یارو!
آسماں تازہ نہیں برسرِ بیداد آیا
کچھ تبسم نے لبِ یار کے ڈالا نہیں شور
کوئی واقف نہیں احوال سے میرے شاید
آبرو کی ہے زبں پاس مجھے، گاڑے پانو
کچھ خبر مجھ کو دل اپنے کی نہیں مدت سے
ہے یہ آزار ان آنکھوں کے تیں مدت سے
دل میں کھٹکے ہے تری چین جیں مدت سے
کر رکھا ہے مری خاطر کو حزیں مدت سے
یاد ہے اس کے تیں شیوہ کیں مدت سے
خندہ زخمِ جگر ہے نکلیں مدت سے
میں تو اس شہر میں ہوں گوشہ نشین مدت سے
گھر میں بیٹھا ہوں میں مانڈنگیں مدت سے
مصحفی اس کی گلی میں ہی رہا آخر ٹھور
تھی مرے خون کی پیاسی یہ زمیں مدت سے

۵۷۶

جب سے اس شوخ نے شمشیرِ دہر باندھی ہے
روز آ آ کے مجھے گالیاں دے جاتے ہو
ہم نے بھی خون پہ یاں اپنی کمر باندھی ہے
مجھ پہ زرد آپ نے اس بات کی کمر باندھی ہے

کیا تماشا ہے کہ اس شعبہ بازی نے تری
گل ہی اس باغ سے جانے پہ نہیں بیٹھا کچھ
جلے مرہم نمکِ سودہ لگایا ہے اسے
آج جو گریے کا سماں ہے یہ اندازِ دگر
دل کو اپنے ہدفِ تیر بلا پاتا ہوں
لختِ دل جھکے ہے یوں چشم کے پرے سے مری
باندھنوں ہم پہ نئے سرے لگے ہیں بندھنے

مصطفیٰ اشکِ مسلسل کے میں صدقے جس نے

ہر پلکے مری اک سلکِ گہر باندھی ہے

۵۷۷

اؤل تو یہ دھج اور یہ رفتارِ غضب ہے
کیونکر نہ تجھے دوڑ کے چھاتی سے لگا لوں
جب دیکھوں ہوں کرتی ہے مرے دل کو پریشا
اے کاش! یہ آنکھیں مجھے یہ دن نہ دکھاتیں
خورشید کا منہ ہے کہ طرف ہو سکے اس سے
میں اور کسی بات کا شاکی نہیں تجھ سے
اب تک حرمِ وصل سے محرم نہ ہوئے ہم
گرا ایک غضب ہو تو کوئی اس کو اٹھاوے
فرہاد بچا عشق سے، نے قیس، نہ دامن

اے مصطفیٰ! اس شوخ سے ٹک بچ کے تو چلنا

سنتا ہے، میاں! وہ بتِ خو خوارِ غضب ہے

راہِ خدا میں اتنی سعی قدم کریں گے
 تیغِ ننگہ کی اس کے سنتے ہیں آبداری
 آئے تھے کچھ سمجھ کر، کیا جانتے تھے یہ ہم
 بن خوں سے لکھے کوئی ہوتا ہے نامہ رنگیں
 جانے لگا ہے پھر دل بے طرح اس گلی میں
 مسجد میں گر خروشاں ہے شیخ یا صمد خواں
 معمورہ جہاں سے دل سرد ہو گیا ہے
 گرتازہ کاریوں پر آئے یہ اشکِ خونیں
 اب اس گلی کا ہم بھی جانا ہی کم کریں گے
 اک دن جگر کے ٹکڑے ہم بھی ہم کریں گے
 تیغِ جفا کو خواں ہم پر علم کریں گے
 ہم انگلیوں کو اپنی اک دن قلم کریں گے
 اس کا بھی رفتہ رفتہ کچھ فکر ہم کریں گے
 ہم بت کدے میں جا کر ذکرِ صنم کریں گے
 یک چند جا کے سیرِ ملکِ عدم کریں گے
 تیری گلی کو جیسے باغِ ارم کریں گے
 کیا غم ہے مصحفی گر کا غد نہیں حنائی
 ہم خون رورداں کو نامہ رقم کریں گے

چاہ ہی کیسے بلا بھی ہوتی ہے
 شیخ جی! سچ کہو تو تم سے نماز
 طبع ہی بتلا بھی ہوتی ہے
 تو نے اک بات پر کیا مجھے قتل
 کبھی حضرت قضا بھی ہوتی ہے
 مار نیس ڈالتے ہیں یوں اس کو
 کہیں ایسی جفا بھی ہوتی ہے
 آدمی سے خطا بھی ہوتی ہے

مصحفی جب میں شعر پڑھتا ہوں
 تحسین اور مرحبا بھی ہوتی ہے

یوں گر کے مرے لاشہ قربان کے ٹکڑے
 مت نام نو سینے کا کوئی ورنہ ابھی میں
 جاتے کدھرا ادبے مری جان کے ٹکڑے!
 کر ڈالوں گا پھر اپنے گریبان کے ٹکڑے

وہ خستہ بدن ہوں میں کہ جب ڈھونڈیں ہیں احباب
تم نے کبھو آگ کو بھی کوئی قتل کیا ہے
اے عشق! ردا ہے یہ، گریبانِ زلیخا
کچھ لختِ دل اور اشک میں آنا تو نہیں فرق
زخموں سے مرنے نکلیں ہیں پیکان کے ٹکڑے
اس طرح نہیں کرتے ہیں انسان کے ٹکڑے
ثابت رہے، یوسف کے ہوں امان کے ٹکڑے
وے پارۂ آتش ہیں، یہ طوفان کے ٹکڑے
اے مصحفی! غیرت سے مرے طرزِ سخن کی
ہراکے کیے پھاڑ کے دیوان کے ٹکڑے

۵۸۱

اول تو قفسِ کامرے در باز کہاں ہے
انجام ہے بد اس کا نہ ہر اک سے ملا کر
بلبل تو طرفِ مجھ سے تو سو مرتبہ ہوتی
معلوم ہی گھر اس کا نہیں، ڈھونڈیں سو کیونکر
طاؤسِ چمن گرچہ بصدنا ز چلے ہے
یار و اکوئی سمجھو تو معنی کی صدا کو
میری ہی طرح اور بھی یاروں کی زباں پر
اے مصحفی! میں جس سے کہوں دردِ دل اپنا
اب کوئی یہاں محرمِ ہماز کہاں ہے

۵۸۲

اس کی جب بات کان پڑتی ہے
دیکھنا سب کا بھول جاتا ہوں
ایک دن بھی معاشرت جس کو (ق)، تم سے اے مہربان پڑتی ہے
جی دیے ہی بنے پھر اس کو صبح
تن بے جاں میں جان پڑتی ہے
جب نظر تجھ پر آن پڑتی ہے
گو کہ شبِ درمیان پڑتی ہے

عشق کی برق گو نہیں ہمہ سوز
مصحفی پر ندان پڑتی ہے

۵۸۳

جوں نقش قدم، پیارے! داں خاک میں جم بیٹھے
احسان کا قاتل کے حق کیونکہ کریں برباد
نت تفرقہ ہی اس میں اور ہم میں رہا یارب
دل کرنے لگا جب شغل اس کوچے میں نالے کا
آتے ہو تو جلدی آؤ یا یوں ہی کہو 'جاؤ'
اٹھنے کی ترے در سے ہم کھل کے قسم بیٹھے
شمشیر تلے اس کی ہم بھی کوئی دم بیٹھے
افسوس کہ اک دن بھی مل کر نہ بہم بیٹھے
اک سمت کے تئیں ہم بھی لے دیدہ غم بیٹھے
تا چند میاں صاحب! در پر رہیں ہم بیٹھے
اے مصحفی آئے تھے دے یار کہ بن بن کر
اس محفل ہستی میں افسوس کہ کم بیٹھے

۵۸۴

خط اچکا پہ ہنوز اس کی آن باقی ہے
گر اور بھی ہوس امتحان باقی ہے
جو اٹھ گئے ترے کو، سے، نشست گاہ ان کی
گداز غم کو جو اب تک ہے لاگ شمع صفت
لیا تو جان و دل، اس وقت وہ بھی لے لیجے
رہا ہے کون سدا اس جہان فانی میں
وہی ادا ہے وہی عظم و شان باقی ہے
تو اب تلک بھی، میاں بنیم جان باقی ہے
برنگ نقش قدم اک نشان باقی ہے
مگر بدن میں کوئی استخوان باقی ہے
کچھ اور بھی اگر، لے مہربان باقی ہے
اسی کی ذات ہے وہ جو ندان باقی ہے
ملے بھی خاک میں ہم یک مصحفی اس کو
ہمارے جینے کا اب تک گمان باقی ہے

۵۸۵

اس کے لب میگوں ہیں سدا کام میں اپنے
ہم خونِ جگر کیوں نہ بھریں جام میں اپنے

کس طرح کریں عشق کہ مانند نگین کے
 بیدار نہ ہوتے کبھی ہم خوابِ عدم سے
 آئینے میں وہ دیکھ کے زلف اپنی پریشاں
 کر کے یہ فریاد فغاں راتوں کو آ بھی
 حرف آتا ہے اس بات کے اک نام میں اپنے
 گر عشق نہ کرتا خلل آرام میں اپنے
 آخر کے تئیں آ ہی گیا دام میں اپنے
 ہم آپ خلل کرتے ہیں آرام میں اپنے
 مر جادیں یہ واعظ کی نہ ہو ہم سے اطاعت
 اے مصحفی یہ کفر ہے اسلام میں اپنے

۵۸۶

دل کو یہ اضطرار کیسا ہے؟
 ایک بوسہ بھی دے نہیں سکتا
 دیکھو بے قرار کیسا ہے؟
 مجھ کو، پیارے! تو یار کیسا ہے؟
 کشتہ تیغ ناز کیا جانے
 خنجرِ ابدار کیسا ہے؟
 ہر گھڑی گالیاں ہی دیتے ہو
 جان میری! یہ پیار کیسا ہے؟
 مے نہیں پی تو کیوں چھپاتے ہو؟
 انکھڑیوں میں خمار کیسا ہے؟

اور تو نہیں ہی، یہ تو کہہ، بارے
 مصحفی دوستدار کیسا ہے؟

۵۸۷

دل میں مرغانِ چمن کے تو گماں اور ہی ہے
 قدر تو خیر نہیں، آفت جاں اور ہی ہے
 پر دل زار کا اندازِ فغاں اور ہی ہے
 جس پہ دل اپنا گلیے وہ جواں اور ہی ہے
 ہم جہاں رہتے ہیں، یارو! وہ جہاں اور ہی ہے
 شفقِ رنگ پہ مت بھولیو اپنے، اے ابرا!
 بدنِ آغشتہ بخوں ہونے پہ موقوف نہیں
 زخمی نازکِ مژگاں کا نشان اور ہی ہے
 گو کہ اوروں کی ہوئیں سرمے سے آنکھیں روشن
 سرمہ بینشِ صاحبِ نظراں اور ہی ہے

گرچہ رکھتے ہیں نزاکت یہ سبھی موکراں وہ نزاکت ہے جدی اور وہ میاں اور ہی ہے
 مصحفی گرچہ یہ سب کہتے ہیں ہم سے بہتر
 اپنی پر ریختہ کوئی کی زباں اور ہی ہے

۵۸۸

یہ نہیں، پیارے! وہ تقریر و بیاں اور ہی ہے
 میں تو کہتا ہوں بہت دن سے کہ ہوں عاشقِ صاف
 کیا عمارات سے ڈھونڈے ہے نشانِ عشاق
 ہو گیا پردہ دل چاک تو تم دیکھو گے
 اور کہتے ہیں جو مؤثر تیری کمر کو تو کہیں
 اک ذرا جھانک تو تو خاک کے پردے سے ادھر
 پھول جھڑتے ہیں قلم سے مرے، گل ریز کی طرح
 جس سے کوئی تم کو سرا ہے وہ زباں اور ہی ہے
 لیک یاروں کو مرے حق میں گماں اور ہی ہے
 ہاے ان خانہ خرابوں کا نشان اور ہی ہے
 اس کے پردے میں کوئی آفتِ جاں اور ہی ہے
 ہم کو کیا کام خیال اپنا میاں اور ہی ہے
 تا تجھے بھی نظر آوے کہ جہاں اور ہی ہے
 کوئی انصاف دیکھے تو سماں اور ہی ہے
 مصحفی ہر کوئی کب پہنچے ہے اس رتبے کو
 رتبہ شعر و سخن سچ ہے کہ ہاں اور ہی ہے

۵۸۹

معتوق کی بلا سے پڑا خوار ہو کوئی
 جس طرح دامِ زلف میں پھڑکے ہے مرغِ دل
 سوتا ہے میرے پاس وہ اور گردِ سبِ رقیب
 کیا ایسی تجھ میں خوبی ہے، کاہیکو، کیا ضرور
 گر کامِ دل کا لیجے اس سے تو خوب سا
 پیارے! کرے نہ آہ تو پھر آہ کیا کرے
 میری طرف سے اکٹے کہاں اس کو کالے میاں (ق) کرتے ہیں یوں خفا سے جو یار ہو کوئی
 جیوے کوئی، مرے کوئی، بیمار ہو کوئی
 یارب نہ یوں کسی کا گرفتار ہو کوئی
 دھڑکا ہے دل میں یہ کہ نہ بیدار ہو کوئی
 جی نیچ کر جو تیرا خسریدار ہو کوئی
 کیا ایک بوسہ لے کے گنہگار ہو کوئی
 ہاتھوں سے دردِ غم کے جو ناچار ہو کوئی
 جیوے کوئی، مرے کوئی، بیمار ہو کوئی

کہنے لگا کہ ”واہ جی تم بھی ہو زور شخص میں کیا کروں جو آپ سے بیزار ہو کوئی“
 سو بار جا چکا ہے یہ گزری میں مصحفی
 وہ دل نہیں کہ جس کا خریدار ہو کوئی

۵۹۰

ہے جی میں تو اپنے کہ دنا کیجیے اس سے
 شاید وہ غم دل کی مرے داد کو پہنچے
 غصے ہو تو کچھ اپنی غرض آپ نہ کہیے
 تا حشر لب شکوہ مرے بند نہ ہو دیں
 وہ ہم سے جو شاکی ہے تو گو ہو دے لیکن
 پیچھے ہی لگا پھرتا ہے جوں سایہ شب دروز
 پر جی ہی کا دشمن ہو تو کیا کیجیے اس سے
 اس بات کو ظاہر تو بھلا کیجیے اس سے
 جو کچھ وہ کہے اس کی سنا کیجیے اس سے
 اس دل کو اگر باتوں میں دلی کیجیے اس سے
 ہم کو نہیں لازم کہ گلا کیجیے اس سے
 کیونکر دل دیوانہ جدا کیجیے اس سے
 سنتے ہو میاں مصحفی! ہو جاؤ گے رسوا
 چھپ چھپ کے نہ راتوں کو ملا کیجیے اس سے

۵۹۱

آہ و فغان و گریہ و زاری
 دیکھ تو تو اس رونے کا رنگ
 اس بُت سے تو وہی بہتہ تھا
 اے دل! اب ہم دور چلے ہیں
 کیا کیا ہم نے کیا نہیں آگے
 ہم ہیں اور یہ رات ہے ساری
 یوں روتا ہے ابر بہاری
 پتھر سے گر کرتے یاری
 دیکھو موت تو راہ ہماری
 چہرہ خراشی، سینہ نگاری
 مصحفی آیا وقت سفر کا
 چلنے کی کیجیے تیاری

ایسے تم کیا ہو میاں جو تمہیں ہم دیکھیں گے
 تم خفا ہم سے بہت ہو گئے اس دیکھنے پر
 قبلہ ہو گئے تو کبھی منہ نہ کریں گے اودھر
 غیر دیکھیں تمہیں اور ہم کو کہو جا بے نہ دیکھ
 دیکھنے کی جو ادھر تم نے قسم کھائی ہے
 دیکھ کر ہم تو چلے پر ہی حسرت ہے کہ ہاے

جا کسی اور ہی کو اب کوئی دم دیکھیں گے
 آج سے ہم کو بھی سو گند ہے کم دیکھیں گے
 بخدا ہم کو بھی، ہم اور صنم دیکھیں گے
 اپنی آنکھوں سے بھلا ہم یہ صنم دیکھیں گے!
 کب تلک نبھتی ہے، ہم بھی، یہ صنم دیکھیں گے
 اب یہ اغیار ترے لطف و کرم دیکھیں گے

ایک دن جان نکل جا دے گی آنکھوں ہی کی راہ
 مصحفی عشق میں گر ایسے ہی غم دیکھیں گے

جب وہ قاتل خرام کرتا ہے
 جو کوئی دیکھتا ہے اس کے تین
 بچہ بن اس میکدے میں اے ساتی!
 تو کھڑا رہ کہ آپھی یہ بسل
 جب کہ نکلے ہے گھر سے وہ باہر
 نہ کرے گا کوئی، میاں صاحب!
 ایک دن آ کے مل بھی جا پیارے!
 ابھی اک زخم اور بھی، قاتل!
 مصحفی دل دیا تو ایسے کو
 جس سے ہر اک پیام کرتا ہے

ہر قدم قتل عام کرتا ہے
 دونوں ہاتھوں سلام کرتا ہے
 کون بسریز جام کرتا ہے
 کام اپنا تمام کرتا ہے
 عالم اک از دھام کرتا ہے
 خدمتیں جو غلام کرتا ہے
 روز کیا صبح و شام کرتا ہے
 تیغ کو کیوں نیام کرتا ہے
 جس سے ہر اک پیام کرتا ہے

کیا کیا تو نے سن تو دیوانے
 کوئی ایسا بھی کام کرتا ہے!

دلِ غش کردہ مرا زار و نزار اس کا ہے
ایسے بد وضع سے اب اپنی، کہو کیونکہ نبھے
داغ ہوتے ہیں اسے دیکھ کے گل گلشن میں
نشہ سے نہیں، یار و ہمراہی آنکھیں سرخ
شمع رو کیوں نہ جلوں رشک سے پڑانے کے
چہرہ زرد پہ عاشق کے نہیں اس کو نگاہ
لے چلو داں مجھے جس جاگہ گزار اس کا ہے
ہر گھڑی غیر سے ملنا، یہ شعار اس کا ہے
سرخ جوں لالہ زبں رنگ عذار اس کا ہے
خونِ دل کل جو پیا تھا یہ خمار اس کا ہے
رات ہوتے ہی تری بزم میں بار اس کا ہے
جو کوئی زرا سے دے، یار وہ یار اس کا ہے

مصطفیٰ گر چہ میں حسرت زدہ ہوں خاک کا ڈھیر
تو بھی ہر روز مرا آئینہ دار اس کا ہے

کیا جانے کب وہ چہرہ پر نور دیکھے
ازبں میں تجھ سے دیکھے ہیں رنج و تعب کہ اب
کیا کر رہے ہو باغ میں زرخس ہی پر نگاہ
وہ دل کہ جس کی آنکھ سے آنسو گرا نہ ہو
ہم رہ گئے، رفیق سب آگے نکل گئے
تم دیکھو آئے میں تمہیں اس کا کیا ہے ڈر
اک تند خواہ سے آنکھ لڑائی تو ہے ولے
مارا ہے ہم کو جان سے اس کے غور نے
کب صبح ہووے یہ شبِ دیبورا، دیکھے
دل دیکھے نہ اس کو اگر حور دیکھے
ٹک اپنی بھی تو زرخسِ مخمور دیکھے
کیا قہر ہے کہ اب اسے ناسور دیکھے
اب ہم سے طے ہو کب یہ رہ دور دیکھے
جو ہو دے اپنی چشم کا منظور دیکھے
ہے حق میں میسر کیا اسے منظور دیکھے
کب مہرباں ہو وہ بت مغرور دیکھے

ایسے کے تئیں نہ پھیرے ز نہار مصطفیٰ
دیوانے پہلے اپنا بھی مقدور دیکھے

نتِ ضعف سے قتادہ یہ سر بزین ہے
مانندِ نقشِ پامرا بسترِ زمین ہے

کلاٹے ہی سے کٹے گی یہ مانندِ بیستون
 پست و بلندِ دہر پہ کیا کیجیے نظر
 اس زلفِ مشکِ فام کی لٹ کھل گئی تھی رات
 بارگنہ سے آپ کو اتنا گراں نہ کر
 فرہاد! راہِ عشق کی پتھر زمین ہے
 جب آنکھیں منہ گئیں تو برابر زمین ہے
 دیکھا تو اب تک بھی معطر زمین ہے
 کشتی کی طرح، پانی کے اوپر زمین ہے
 ہوں خاکِ پائے خلق میں دنیا میں مصحفی
 یعنی بسانِ مور مر اگھر زمین ہے

۵۴۷

کوچے میں اس کے کتنوں کا سرِ بر زمین ہے
 مت پوچھ ماند بود تو اپنے مریض کی
 ہندوستان سے ہلے کوئی کیونکہ بچ کے جائے
 اک دن ہوا تھا وہ گلِ عارضِ عرقِ فشاں
 مسجودِ خلق ہے یہ عجب سرِ زمین ہے
 بالیں جو سنگ سے ہے تو بسترِ زمین ہے
 یہ خاکِ سحر خیز تو کافرِ زمین ہے
 اب تک ہمارے گھر کی معطرِ زمین ہے
 صحرائے دل کی حیثیت کہ بنجرِ زمین ہے
 منزلِ گہِ فقیہ و تو نگرِ زمین ہے
 فرشِ شہی سے کام ہے کیا ہم کو مصحفی
 اپنی نشست گاہ تو اکثرِ زمین ہے

۵۴۸

کوچے کی تیرے خوں میں تر اکثرِ زمین ہے
 ہے بتدل ہمیشہ ہوا آہِ سرد کی
 دل کی طیش پہ میری، ہے اس کا بھی غصہ تنگ
 کس طرح کہیے، چھوٹ گئے مہر کے دے مریض
 کیا کیا نہ خوں ہوئے ترے کوچے کی خاکِ تیرے
 کیا خاکِ کر بلا یہی کافرِ زمین ہے
 اقلیمِ عشق کی بھی عجب سرِ زمین ہے
 صحرائے حشر اگر چہ سرِ سرِ زمین ہے
 سل سی جنھوں کی چھاتی کے اوپرِ زمین ہے
 انصاف ہو تو قابلِ محضرِ زمین ہے

آتا ہے جی میں رُکے ڈبادوں اُسے بھی سب
 گھاڑا تھا تیری زلف کے کشتے کو جس جگہ
 دیکھو نہ خاکساروں کو ہر گز بہ چشمِ کم
 یہ تھوڑی سی جو پانی کے باہر زمین ہے
 کہتے ہیں لوگ واں کی مغیر زمین ہے
 رتبے میں آسماں کے برابر زمین ہے
 جس جا کیا تھا ذبح مجھے اس نے مصحفی
 کھائے سے خوں کے اب بھی وہاں تر زمین ہے

۵۹۹

ہر طرف وہ شمع رو ہے جلوہ آرا، دیکھ لے
 اس گزر کا اور بھی دو دن تماشا دیکھ لے
 ہم کو تو ہر گز نظر آتی نہیں اس کی کمر
 یار کے چہرے سے کھولا چاہتا ہوں میں نقاب
 پھر کہاں پاوے گا، اے دیوانے! یہ فصلِ بہار
 دیکھ تو کیسا یہ تیری راہ میں ہے شور و شر
 بامِ پرآیا تو ہے تو ہو کے ہر شب بے حجاب
 حق نے گردی میں تجھے آنکھیں تماشا دیکھ لے
 آنکھیں کرتی ہیں تری کس کس سے سودا دیکھ لے
 چاہیے کیا ہم نشیں گر تو ہے بیٹا دیکھ لے
 لیک ڈرتا ہوں کوئی اس کو مبادا دیکھ لے
 کر لے سیرِ گلستاں اور کوہ و صحرا دیکھ لے
 رکھ نہ تو، یاں سے قدم آگے، یہ غوغا دیکھ لے
 اور جو کوئی چاند سا تیرا یہ مکھڑا دیکھ لے
 مصحفی آخر تو تو جادوے گا آپھی اس کے پاس
 راہ اس کی اور بھی امر و زورِ فردا دیکھ لے

۶۰۰

نہ کر دیر مرے قتل میں تم آؤ بھی
 سر بسر مایہ شر ہے یہ مری بدستی
 جانِ من! دور کھڑے کیا ہمیں ترساتے ہو
 کون برداشت کرے نت کی تمھاری ہرم
 کیا کروں اب تو کیا تم سے سوالِ بوسہ
 گر نہیں تیغ تو خنجر ہی میاں لاؤ بھی
 شیخ جی! خیر سے تم گھر کو کہیں جاؤ بھی
 آئے ہو اب تو گلے سے کہیں لگ جاؤ بھی
 ایک تو گالیاں دو دوسرے دھمکاؤ بھی
 لبِ شیریں سے جو دینا ہے تو فرماؤ بھی

سارے عالم میں بہت تم نے کیا مجھ کو خراب کہیں، اسے دیدہ دل! اپنا کیا پاؤ بھی
 بزم سب منتظر آنے کی تمھارے ہے غرض
 حضرت مصحفی تشریف کہیں لاؤ بھی

۶۰۱

ہم کو تو اپنا ہی جانا چاہیے
 کیونکہ بے تقریب جاؤں اس کے پاس
 جانے کا کچھ اس گلی میں ڈر نہیں
 کوئی کسی کو مفت بھی دیتا ہے جاں؛
 قصہ غم میں اگر لکھوں تمام
 جب کہ گردن رکھ دی ہو خنجر تلے
 تیرمڑ گاں کے یہ دل قابل نہیں
 رہیے اک شب یاں بھی، ایسی کیا ہے ضد!
 غیرے یوں منہ پھرانا چاہیے
 کچھ تو ملنے کو بہانا چاہیے
 شب کے رہنے کو گھٹکانا چاہیے
 او میاں! اتنا تو جانا چاہیے
 اس کے لکھنے کو زمانا چاہیے
 پھر ہمیں کیا سراٹھانا چاہیے
 یاں کوئی نازک نشانا چاہیے
 بات کو میری بھی مانا چاہیے

مصحفی ناصح تو مکلامنہ کا سخت

اس کے تئیں اب اک دہانا چاہیے

۶۰۲

اے عشق! تیری اکے وہ تاثیر کیا ہوئی
 دیوانہ پن کا میرے جو کرتے نہیں علاج
 آگو کی طرح آپ جو اب بولتے نہیں
 ہم نے تو تم کو دوڑ کے کوئی میں بھر لیا
 شور جنوں کدھر گیا، زنجیر کیا ہوئی؛
 تدبیر کرنے والوں کی تدبیر کیا ہوئی؛
 کیا جانے ایسی ہم سے وہ تقصیر کیا ہوئی؛
 فرمائیے اب آپ کی شمشیر کیا ہوئی؛

کی تھی جو میں مرقع عالم سے انتخاب

اے مصحفی، دریغ! وہ تصویر کیا ہوئی

وصل کی شب جسے کہتے ہیں سوپائی نہ گئی
 عشق سے ہم کو کھلاتا تھا قسم یار بہ تیغ
 تیری تصویر بنا ویسی ہی پھر مانی نے
 آہ، وہ آتش سوزاں ہے کہ جس دم بھر کی
 آج جو طلِ گراں دے اے، دشمن ہے مرا
 گرم ہے آہ سے ہنگامہ آتش بازی
 کب وہ بیت گھر سے نہ مسجد کی طرف اٹکلا
 گریہ کوتاہ کیا قطع کر ان کو توڑنے
 کس طرح ہم تجھے پردے میں چھپا بھلا دیں
 وصل کی شب ہی تو کچھ مجھ سے بگڑ بیٹھے ہے
 ہم گئے جان سے پر تیری جدائی نہ گئی
 تیغ کھائی پہ قسم ہم سے تو کھائی نہ گئی
 اور تصویر بنائی تو بنائی نہ گئی
 پھر کسی طرح سے یہ آگ بجھائی نہ گئی
 جس سے کل مے کی صراحی بھی اٹھائی نہ گئی
 کون سی شب کہ فلک تک یہ مہوائی نہ گئی
 دیکھنے کس دن اے ساری خدائی نہ گئی
 تو بھی، پیارے باتری زلفوں کی رانی نہ گئی
 جب کہ حق سے ہی تری شکل چھپائی نہ گئی
 سب ہوا پر یہ تری شب کی لڑائی نہ گئی

دیکھ اس جنبشِ ابرو کو ہوئے ہم مجروح
 مصحفی ہم سے یہ تلوار بچائی نہ گئی

کل جوں ہی دانی چشم ترا نکشت کے تلے
 صیاد مجھ کو اب ترے چنگل سے چھوٹنا
 قاتل سے میرے خون کا دعویٰ نہ کیجیو
 مرہم لگا دے گر تو مرے داغ کو، طیب!
 مردوں کے زیر دست ہی ہوتے ہیں بھائی بند
 سینے میں داب داب کے رکھوں کہاں تلک
 کا ہیکو اپنا زور سے رکھو تم اس پہ ہاتھ
 آنے لگا لہو سا ہر انگشت کے تلے
 رہ جا دیں گو کہ ایک دو پر انگشت کے تلے
 دیکھو مزار اس کی گر انگشت کے تلے
 رکھ لیجو تلک حنا بھی سر انگشت کے تلے
 جیسے سب انگلیاں ہیں ترا نکشت کے تلے
 دل ہاتھ کے تلے، جگر انگشت کے تلے
 جونا تو اں کہ جائے مرا نکشت کے تلے

تو مجھ سے کیا چھپائے ہے، لایا ہے اس کا خط
 کچھ ہے تو تیرے، نامہ برا انگشت کے تلے

روتے نت زار زار گزری ہے
 جی سے گزرا ہے وہ اتری صورت
 سیکھے عشق ہم سے کوئی کہ اپنی عمر
 اشکِ گلگوں رہے ہیں زیبِ مژہ
 گل کی خاطر میں بھی نہیں اب تک
 پوچھ مت سرگزشت کچھ میری
 کیا کہوں اس نگاہ کا انداز
 کبد و مجنوں سے، ناقہ یلی
 یوں ہی یل و نہار گزری ہے
 جس کی نظروں سے، یار گزری ہے
 کرتے یہی کار و بار گزری ہے
 خار پر بھی بہا ر گزری ہے
 جی سے بلبل ہزار گزری ہے
 زیرِ شمشیر یار گزری ہے
 تیر سی دل کے پار گزری ہے
 آج پھر بے مہار گزری ہے

مصطفیٰ سر سے آپ تیغ اس کی
 جیسے دریا کی دھار گزری ہے

آغوش میں کب آ کے تم اے یار! سو گئے
 اغلب کہ حشر کو نہ اٹھیں گے وے خواب سے
 آتی نہیں جو کان تلک اب صد اے آہ
 جو آئے اس کے کوچے میں، رات ان پہ یوں کٹی
 کیا رکھے چشمِ دا کوئی اس خواب گاہ میں
 بانہر کل تو گھر سے کہیں اب تو، میری جاں!
 محل کی سیج پر بھی نہ آتی تھی جن کو خواب
 گر ہم تمہارے ملنے کو آئے تو تم، میاں!
 خالی بفل ہی ہم تو کئی بار سو گئے
 جو اس کے زیرِ سایہ دیوار سو گئے
 شاید کہ تیری چشم کے بیمار سو گئے
 دو چار جا گئے رہے، دو چار سو گئے
 یاں ہم سے کتنے مردمِ ہشیار سو گئے
 باشندگانِ کوچہ و بازار سو گئے
 سواب مے فرشِ خاک پہ ناچار سو گئے
 چادر سے منہ چھپا دیں یکبار سو گئے

اے مصطفیٰ ملانہ وہ کافر بقول درد
 "ایسے ہمارے طالع بیدار سو گئے"

ہم کو نے دنیا دے دیں چاہیے اک صنم زہرہ جبیں چاہیے
 دل مرے پہلو میں ٹھہرتا نہیں جا اسے اب زیر زمین چاہیے
 یار کے کوچے میں کر مجھ کو دفن یعنی میری قبر یہیں چاہیے
 غم نہیں گر ہو مری خاطر حزیں خاطر عشاق حزیں چاہیے
 گریہ شبنم میں نمک ہے تو لیک خندہ گل بھی نمکیں چاہیے
 چاہیے یہ مہر کی باتیں کر دے ہم سے میاں تم کو نہ کیں چاہیے

بیچتے ہیں مصحفی ہم اپنا دل
 ہم سے تو کہیو جو کہیں چاہیے

چہرے سے نقاب دور کیجے بس شرم و حجاب دور کیجے
 ہو تیغ تو دل کو چاک کر کے پہلو سے عذاب دور کیجے
 ہے جی میں، یہ زندگی کا برقع مانند حجاب دور کیجے
 تا چند نوشت و خواند، لے دل! بس لوح و کتاب دور کیجے

دھو ڈالے خون مصحفی کو
 خنجر سے خضاب دور کیجے

شب ہجر کل بے قراری میں گزری سحر تک ہمیں آہ و زاری میں گزری
 نہ جھپکی نہ جھپکی ذرا آنکھ میسری یہ شب مجھ کو اختہ شماری میں گزری
 کیا اس نے گاہے نہ ملنے کا وعدہ مری یوں ہی امید داری میں گزری
 یہ آنکھیں تری ہیں وہ باز سبک پر کہ جن کی سدا دل شکاری میں گزری

کوئی فعل نیکو نہ ہم سے ہوا ہاے
 یہ عمر دراز اپنی جوں زلفِ خواباں
 کبھو خوں کبھو آب رویا کیسا میں
 ترے روبرو بیٹھا رویا کیسا میں
 اسی جہالت و شرمساری میں گزری
 پریشانی و سوگواری میں گزری
 ان آنکھوں کی نت تازہ کاری میں گزری
 شبِ وصل بھی اشکباری میں گزری
 بیاں کیا کرے مصحفی تجھ سے اس کا
 جو حالت تری دوستداری میں گزری

۶۱۰

تری داں تغافل شعاری میں گزری
 ہوئے آخر کار اپنے دے دشمن
 بن اک خوبصورت نہ ہر گزر ہے ہم
 کبھی ایسی زلفوں کو شانہ کیا ہے
 چھٹی ہی رکھیں منہ پر مڑگان سے چلمن
 مجھے آخر کار آیا یہ رونا
 مری یاں سدا آہ دزاری میں گزری
 جہنوں کی ہمیں دوستداری میں گزری
 ہمیشہ سے یاروں کی یاری میں گزری
 صبا! تیری نت شانہ کاری میں گزری
 ان آنکھوں کی نت پرہ داری میں گزری
 کہ عمر عزیز اپنی خواری میں گزری
 تو کتنا برا ہے کہ اوقات تیری
 سدا مصحفی ہرزہ کاری میں گزری

۶۱۱

اندازِ دنازیں تجھے اتاد کر گئے
 صدا فریاد ہے ان کو جو اس قتل گاہ میں
 آتے ہوئے گلی سے تری جیسے گردِ باد
 پہنچی نہ گوشِ گل میں سدا اس چمن کے بیچ
 کیا ڈر ہے، باغباں! جو کبھی اکے باغ میں
 اہل زمانہ ہم پر یہ بیداد کر گئے
 آما سر کو وقفِ خنجر جلا د کر گئے
 ہم آپ اپنی خاک کو برباد کر گئے
 کیا کیا نہ مرغِ نالہ و فریاد کر گئے
 ہم بھی نظارہ گل و شمشاد کر گئے

گر آگے گلی میں تری ہم کبھی تو، یار! رد کرتی دلِ ناشاد کر گئے
 یارب بھلا ہوان کا جو آتے ہی فزعید زندانیوں کو قید سے آزاد کر گئے
 مرغانِ تیز بال سے شکوہ ہے یہ کہ ہے! ہم کو اسیر جنگل صیتاد کر گئے
 مردانِ دیں انھیں کو لکھا اہل ہوش نے دنیا میں آگے وے جو تری یاد کر گئے
 ہاتھوں کو ان کے چوہے جو اک زخم کے بیچ کاغذ کو رشکِ صفحہ بہزاد کر گئے

اک تو ہی مصحفی نہ گیا قافلے کے ساتھ

اسباب اپنا یار تو سب لا کر گئے

۶۱۲

صورت کے تیری صدقے، تصویر ہے تو یہ ہے عاشق کے حق میں پیارے تیغ ہے تو یہ ہے
 دل پیچ زلفت سے ہو کیوں کر رہا کسی کا گردام ہے تو یہ ہے زنجیر ہے تو یہ ہے
 شبِ خواب میں لیے ہیں بوسے ترے لبوں کے کیوں کر نہ منفعل ہوں تقصیر ہے تو یہ ہے
 دل کی تڑپ سے اپنی پے لے گیا میں یعنی تیرنگہ کا اس کی پنجیر ہے تو یہ ہے
 ہے جی میں شاخِ گل کے لگ کر گلے سے روؤں رنجِ جنوں کی میسر تدبیر ہے تو یہ ہے
 ابرو کے آگے تیری لازم ہے سر جھکاتا محراب ہے تو یہ ہے، شمشیر ہے تو یہ ہے
 میری طرف سے اس کا دل کر دیا ہے پتھر آہ و فغاں کی اپنے تاثیر ہے تو یہ ہے
 گل کی شب، آہ اپنی گردوں سے پار گزری ترکش میں عاشقوں کے گتیر ہے تو یہ ہے
 میں مر گیا پر اس نے میری طرف نہ دیکھا اس جرمِ عاشقی کی تعذیر ہے تو یہ ہے

فرقت میں تیری، پیارے! جیتا رہا ہے اب تک

ہاں سچ ہے مصحفی کی تقصیر ہے تو یہ ہے

۶۱۳

غیر کے قابو میں یوں آجائے یار افسوس ہے ہم رہیں یاں ہاتھ ہی ملتے ہزار افسوس ہے

خاک بھی اپنی نہ پہنچی اس کے کوچے میں، صبا!
ہم صغیرانِ قفس نے باغ کے لوٹے مزے
کیوں نہ میں ماتم میں دل کے، بیٹھ کر زاری کروں
لے دلِ شوریدہ! آخر اس کی زلفوں کی طرح
یہ بھی کچھ قسمت کی خوبی ہے کہ با این ارتباط

یوں کیا برباد یہ مشتِ غبار، افسوس ہے
ہم قفس ہی میں رہے، فصلِ بہار، افسوس ہے
اٹھ گیا دنیا سے ایسا غم گسار، افسوس ہے
ہو گیا تو بھی پریشاں روزگار، افسوس ہے
میری اور اس کی نہ ہو صحبت برابر، افسوس ہے

جس کو ہم سمجھے تھے یارِ بادشاہ، اے مصحفی
آخرش اس نے دیا ہی انتظار، افسوس ہے

۶۱۴

ہم رہیں باحسرت و حرماں دو چار، افسوس ہے
مجھ سے روٹھا ہی پھرے ہر لحظہ یار، افسوس ہے
گل کا پت جھڑ دیکھ کر بلبلی یہ بولی آہ مار
اس کا وہ دامن جھٹکنا اب تلک آتا ہے یاد
عید کے دن بھی رہیں محروم ہی ہم یا نصیب!

آئے ہو اس کا ہم زانو، ہزار افسوس ہے
غیر سے ہو اس کو یوں صحبت برابر، افسوس ہے
”مل گیا یوں خاک میں رنگِ بہار، افسوس ہے“
کیا گیا ہے ہاتھ سے میرے شکار، افسوس ہے
یار یوں غیر دے ہوئے ہمارا افسوس ہے

دیکھتے ہی اس کی صورتِ مصحفی، دل سے مرے
یک بیک جاتا صبر و قرار، افسوس ہے

۶۱۵

کرتے نہیں جو داد تو بیدا کیجیے
دام و قفس کو توڑ کے جاتے ہیں گے ہم
صفحہ پہ دل کے کھینچے تصویرِ رے یار
اک آسمان طرفہ بپا ہو ہوا کے بیچ
تقریب کوئی ہے ہمارے نشاط کی

یعنی کس طرح تو ہمیں یاد کیجیے
کچھ فکر اور، لے مرے صیاد! کیجیے
تضحیکِ کارِ مانی و بہزاد کیجیے
گرا اپنی مشتِ خاک کو برباد کیجیے
اس دل کو کس طرح سے بھلا شاد کیجیے

اپنے نصیب میں یہ لکھا تھا کہ فصلِ گل
کنجِ قفس میں زمزمہ بنیاد کیجیے
صنعت پہ آئیے تو ابھی سنگِ سخت میں
ناخن سے کارِ تیشہ فرما دیجیے
کیوں مصحفی کو دیتے ہو دشنام، ادھیاں!
مرتبا ہے وہ اسے بہ دعا یاد کیجیے

۶۱۶

خاطر کو بندِ غم سے ٹک آزاد کیجیے
چلیے چمن میں روئیے، فریاد کیجیے
تا چند ہم سے، جانِ مری! یہ رکھائیاں
گاہے تسلیِ دلِ ناشاد کیجیے
مانندِ گل جو کھولے دستِ سخا کھو
زراک طرف کہ آپ کو برباد کیجیے
آتما ہے جی میں صورتِ شیریں کو دیکھ کر
جا بیہ تنوں میں ماتم فرما دیجیے
روئے شبِ فراقِ سیہ کا پنتا ہے دل
اس شب کی بے قراریاں گریا دیجیے
کہنا ہے جو کچھ آپ کو پھر سوچتے ہو کیا
ہم کو بجاں قبول ہے، ارشاد کیجیے
گر جائیے چمن میں تو آنکھیں نہ مونہ لے
واں بھی نظارہ گل و شمشاد کیجیے
یک پردہ عنایب سے رکھیے نوا بلند
نالے کی طرزِ اب کے گرا ایجاد کیجیے
ڈرتے نہیں جفا سے جو چوکیں وفا سے ہم
جتنا کہ تم سے ہو سکے بیدار کیجیے

اڑنے کے بال و پر ہیں کہاں مصحفی مگر

اب پھر سراغِ خانہِ صیاد کیجیے

۶۱۷

ہے آج تو گلشن میں بہارِ گلِ منہدی
آتما ہے نظرِ سرخ عذارِ گلِ منہدی
بے برگی غرض اس کی تو ظاہر ہے سبھوں پر
کیا رنگِ شفق ہو دے دو چار گلِ منہدی
کہیے گلِ بے خارا اگر اس کو بجا ہے
یعنی کہ نہ دیکھا کہیں خارِ گلِ منہدی
ہر شاخِ گلِ افشاں سے ہے ظاہر کہ چمن میں
ہے خود گلِ منہدی ہی نشاِ رِ گلِ منہدی

کیونکر نہ گریباں کو کریں چاک کہ بن یار
یوں ہاتھ سے جاتی ہے بہار گل منہدی
زنگین ہے اتنا کہ وہ ہو جاوے خائی
انگشت سے گریجے شمار گل منہدی
اے مصحفی! آتش سی لگا دی ہے چمن میں
اڑتے نہیں پتے میں شرار گل منہدی

۶۱۸

عاشق کو اپنے منع محبت نہ کیجیے
یہ بھی نہ کیجیے، ہو مروت نہ کیجیے
ہے گریہ شبانہ سے آگاہی دل پہ کوفت
اے آہ صبح! اور قیامت نہ کیجیے
میں آپ خوش ہوں، آئیے تلوار کھینچ کر
تم کو قسم ہے میری، رعایت نہ کیجیے
گریہ طیش ہے دل کی تو شاید کہ بعد مرگ
زیر زمین بھی خواب فراغت نہ کیجیے
وقتیکہ دسترس ہی نہ ہو اس عذار پر
پھر کس طرح نگاہ بہ حسرت نہ کیجیے
مقتل کو دل چلا ہے، یہ جانے گا کیا بھلا
گرداں تلک بھی اس کی رفاقت نہ کیجیے
میری طرف بھی دیکھیے ملک میرے ردِ برد
نظروں میں ہر کسی سے اشارت نہ کیجیے
تالوت پر تو آئیے اپنے مریض کے
گر زندہ گی میں اس کی عیادت نہ کیجیے
سرکٹ کر اگر تو مرا پھینک دے میاں!
تو بھی کسی سے تیری شکایت نہ کیجیے
مروت کو ملک ہی دیکھیے اس کی بھی، ناچوا
مجھ کو ہی وقت وقت نصیحت نہ کیجیے
اس دھج سے اپنا پالو نہ رکھیے زمین پر
میری تو کیا ہے، شہر کو غارت نہ کیجیے

اے مصحفی! نہ جائیے اس کی گلی کے پیچ
منیے کسی کی بات، جہالت نہ کیجیے

۶۱۹

اجل کی گفایت، مری جان! ہر کسی پر ہے
بہ ہوش باش کہ عالم رواروی پر ہے
مرہ سے چنی سی آتی ہے کوئی بوند کبھی
زبس کہ خون جگر ان دنوں کمی پر ہے

میں دیکھتا ہوں طرف اس کی، اور بہ رخم مری
 دلاہمیش اگلہ روزگار کیا کیجے
 میں جانتا نہیں تڑپے ہے کون خوں میں ہنگر
 لگا کے تیر مرے، ہمسروں سے یوں بولا
 ہمیں خبر نہیں پر بعضے لوگ کہتے ہیں
 بظاہر اتنی خشونت یہ کیا ہے، حیراں ہوں
 نگاہ اس بت کافر کی آرسی پر ہے
 کچھ ایک پر نہیں یہ حادثہ بھی پر ہے
 کسی کے ہاتھ سے آفت، کسی کے جی پر ہے
 "لگاؤ تم بھی، کہ چوٹ اپنی اب اسی پر ہے"
 کہ خون کتنوں کا اس پان، اس مٹی پر ہے
 مزاج اس کا اگر ہم سے آشتی پر ہے
 خدا کے واسطے ہاتھوں کو مت حنائی کر
 کہ تیرے ہاتھوں سے بیدار مصحفی پر ہے

۶۲۰

شب روتے روتے ہم جو ترے غم میں سو گئے
 آئے جو تیرے کوچے میں سوداگرانِ عشق
 کس سے ہم اپنے دیدہ تر کا کرہیں گلہ
 از بس درو چند شوق رہا مجھ کو، نامہ بر
 تو، کارگاہِ عشق کی کچھ ناز کی نہ پوچھ
 دریائے خوں بہا تھا زلس اس گلی کے بیچ
 آیا نہ تو، تو بجلی کا سینہ ترق گیا
 اس سرزمینِ عشق سے حاصل ہوا نہ خاک،
 میں رہروانِ عشق کا پایا نہ کیں سراغ
 لے مصحفی گئے ہی وہ اس رہ میں جو گئے

۶۲۱

نظروں سے جب نہاں وہ برودش ہو گئے
 ہم لاکھ حسرتوں سے ہم آغوش ہو گئے

آیا چمن میں وہ گلِ نازک جو ہم کو یاد
 گرم سخن تھی جن کی زباں ساری ساری رات
 تزیینِ عاریت کلائے کب خیال ہے؟
 رکھتے تھے دے جو ہوش کا کچھ اپنے اعتماد
 کس کس کو یاد کیجیے، پردے میں خاک کے
 گلہاے باغِ جی سے فراموش ہو گئے
 سووے چراغِ صبح سے خاموش ہو گئے
 قطرے عرق کے، جس کی حدِ گوش ہو گئے
 صورت کو تیری دیکھ کے بیہوش ہو گئے
 کیا کیا نہ ماہِ پارے کہ روپوش ہو گئے
 اس میکرے میں مثلِ غمِ بادہ، مصحفی
 دودن ہمارے دل کے بھی سر جوش ہو گئے

۶۲۲

دین وایاں، دل و جاں سب تجھے دول، ایسے جی
 مجھ سے کہتے ہو، تجھے قتل نہیں کرنے کے
 ہر کوئی منہ میں، مری جان! زباں رکھتا ہے
 مارگیری میں ہوں استاد میں، اے افنی زلف!
 آپ ہر دم جو یہ کہتے ہیں کہ تو کیوں ہے کھڑا؟
 ذبح کر ڈالو ابھی تم تو غریبوں کے تیلوں
 ایک بوسہ بھی عوض اس کے نہ لوں ایسے جی
 غیر سے پھر یہ اشارہ ہے کہ ہوں، ایسے جی
 گالیاں دو مجھے، میں کچھ نہ کہوں ایسے جی
 اک ذرا ہاتھ لگاتے ہی یہ فوں! ایسے جی
 دل تمہیں دے کے میں کیا بیٹھ رہوں ایسے جی
 بخش دیوے تمہیں اپنا کوئی فوں ایسے جی
 زلیت کی، قیس نے جس طرح کہ ویرانی میں
 مصحفی تو بھی ہے گرا ہل جنوں، ایسے جی

۶۲۳

Library
 Pratap College
 SRINAGAR

اس بت کو نہیں ہے ڈر خدا سے
 گو خلق بھی جانے حال میرا
 ہے ہم سے تو آہ آہ کرنا
 ہم نے اسے اپنا سو د جانا
 بگڑی بندے سے گر، خدا سے
 پوشیدہ نہیں مگر خدا سے
 دینا اس کو اثر خدا سے
 پہنچا بھی اگر ضرر خدا سے

دیکھا ہے میں جبکہ وہ بتِ شوخ
 باز پچے میں ہے ادھر وہ مشغول
 کچھ خوب نہیں یہ خود نہائی
 ہے میر خدائی اور خودی میں
 یہ سارے خدا شناس ہیں یک
 دیتا نہیں کوئی خبر خدا سے
 پھر گئی ہے مری نظر خدا سے
 اور بن رہی ہے ادھر خدا سے
 ہاں اے بتِ شوخ! در خدا سے
 اتنی بھی خودی نہ کر خدا سے
 دیتا نہیں کوئی خبر خدا سے

اے مصحفی کچھ کمی نہیں مگر واں
 جو چاہے سو مانگ، پر خدا سے

۶۲۴

بتاں! وہ ہر دم محبت وہ چاہ بھول گئے؟
 کل ایسی شکل سے آیا وہ پیچ مجلس کے
 ابھی تو تم نے کہا تھا کہ بوسہ دیتا ہوں
 پھر اکریں ہیں شب و روز، کیا مگر سیارے!
 تمہارے دل میں جو خطرہ نہیں محبت کا
 ہمارے حال پہ کرنی نگاہ بھول گئے؟
 کہ داد مانگنی سب داد خواہ بھول گئے
 پھر اتنے ہی میں، مری جان! وہ بھول گئے
 تمہارے کوچے میں کچھ ہر وہ ماہ بھول گئے؟
 مگر ہماری وہ فریاد آہ بھول گئے

ہمیشہ مصحفی ہم راہ راہ جاتے تھے
 گئے کل اس کی گلی میں تو راہ بھول گئے

۶۲۵

جادیں کبیدھر کو اب اس تاب و تعب کے مارے
 ابھی چاہیں تو تمہیں بھریں، میاں! کو لی میں
 جا کے پوشیدہ ہوئے کوہِ بدخشان کے پیچ
 ایک بوسہ نے قللیاں ہی کا دے، اے گلِ روا!
 کون ہوتا ہے بلغمِ شدگاہ کا تیسرے؟
 اے بتاں! ہم تو خدا کے ہیں غضب کے مارے
 چھیڑتے ہم جو نہیں ہیں تو ادب کے مارے
 لعلِ دیا قوت تری سرخی لب کے مارے
 دل مرا سوخت ہوا جا ہے طلب کے مارے
 کوچہ عشق میں دے پھرتے ہیں کب کے مارے

خاک بھی ان کی جو جلتی ہو تو کچھ دور نہیں مر گئے دے جو ترے عشق کی تب کے مارے
مصحفی ہم میں تو طاقت نہ رہی، خانہ خراب!
گریہ روز کے اور نالہ شب کے مارے

۶۲۶

ہوسِ گریہ سے ہو دل کوئی دم تا خالی
بس کہ فرقت میں تری سال ہی گزرے ہم کو
ہم دے مے نوش ہیں، ساقی! کہ اگر مستی میں
اور سامانِ طرب سب ہوا موجود پہ، یار!
نقدِ وقت اپنا تو برباد نہیں دیتا میں
دل میں کچھ خوں نہ رہا چشم میں جب اشک آئے
مصحفی دیکھ کے دل کیوں نہ بھر آوے اس کو؟
نظر آتا ہے مجھے قیس سے صحرا خالی

۶۲۷

دن رات دل اضطراب میں ہے
سبحان اللہ تیرا چہرہ
کرتے ہو جو تم عتاب اتنا
اس شاہسوار کے میں صدقے
دل، گریہ گرم دتر کے ہاتھوں
سورج نکلا پہ تیرا مکھڑا
اس دل میں، میاں! تری محبت
جی ہے سو جدا عذاب میں ہے
یہ نور کب آفتاب میں ہے
کچھ لطف بھی اس عتاب میں ہے
جس کے دو جہاں رکاب میں ہے
کچھ آتش میں، کچھ آب میں ہے
اب تک، پیارے انقلاب میں ہے
جیسے کہ نمک کباب میں ہے

پاس اپنے تو مصحفی زہرِ نقد
ایک دل ہے سو کس حساب میں ہے

مشتوقہ گل نقاب میں ہے مجبورہ ابھی حجاب میں ہے
منہدی نہ لگا کہ، جان میری ہاتھوں سے ترے عذاب میں ہے
تو ہے وہ بلا کہ ماہ و خورشید زلفوں کی ترے رکاب میں ہے
ہر اک تجھے آپ سا کہے ہے قضیہ مہ و آفتاب میں ہے
الشررے ترے پسینے کی بو کب ایسی بھبک گلاب میں ہے
اس زلف کا اینٹھنا تو دیکھو بن چھپڑے ہی پیچ و تاب میں ہے
قہاری کی شان جب سے تیری ق عالم کے اد پر عتاب میں ہے
دل کوہ کا ہو گیا ہے پانی دریا سب اضطراب میں ہے
اکھ مصحفی آفتاب نکلا
اب تک تو روانے خواب میں ہے

جب مری خاک پہ ٹک بیٹھ کے یار اٹھتا ہے اس کے دامن کے پکڑنے کو غبار اٹھتا ہے
ہم کو تکلیف نہ دو، شیخ جی! عمامے کی لاویں سر کس کا؟ کوئی ہم سے یہ بار اٹھتا ہے!
جو کوئی تجھ سے مقمرے رکھے ہے بازی نقد دل اپنا وہ اک آن میں بار اٹھتا ہے
آجھمکتا ہے وہیں خونِ دل آنکھوں میں مری ناگہاں جیسے کبھی ابر بہار اٹھتا ہے
پُر بجا آئے ہیں ہم ہاتھ سے ناداری کے جب ہو دوکان سے بنیے کی ادھار اٹھتا ہے
تاب و طاقت ہے کہاں ہم میں تو اب اٹھنے کی ہاں مگر دل سے کبھی نالہ زار اٹھتا ہے
مصحفی کے تئیں، کیا جانے ترا کیا ہے خیال
سوتے سوتے تجھے اکثر یہ پکار اٹھتا ہے

کا ہیکو ترے دام سے آزاد ہو کوئی؟ کیا یاں سے بھی اڑ کر کہیں برباد ہو کوئی؟

گلابن کے تلے جانیو، بلبیل! تو سمجھ کر
گل چاک گریباں ہے تو سنبل ہے پریشاں
بس مرتبہ عشق ہوا ختم اکھیں پر
تم بھیجو گے ہم پاس، میاں! کاہیکو قاصد
کیا پوچھو ہو یارانِ عدم رفتہ کا احوال
کر لے ابھی، اے دل! تجھے ارمان نہ رہ جائے
البتہ گرفتاری میں آزاد رہے وہ

ایسا نہ ہو واں گھات میں صیاد ہو کوئی
اس گلشنِ ناشاد میں کیا شاد ہو کوئی؟
من بعد نہ مجنوں ہو، نہ فسر باد ہو کوئی
قاصد تو وہ بھیجے کہ جسے یاد ہو کوئی
ان یاروں سے حاشا کہ مجھے یاد ہو کوئی
سینے میں اگر اور بھی فسر یاد ہو کوئی
مجھ سا ہی اگر مردمِ آزاد ہو کوئی

چھوڑا نہ میاں مصحفی تم نے کوئی لوند
تم کام میں اپنے غرض استاد ہو کوئی

۶۳۱

سخت نازک ہے تراموے کمر رشتے سے
ہو دے ان تارِ گریباں کی قسم ہی گل کے
زخم پیوندِ رفوگر سے نہ ہو عاشق کا
اب کے کیا جانے اس بند سے کیوں کر چھوٹیں
ان سے کیا فائدہ ہے اس کے سر زلف کا ذکر
اشک کا تار نہ کر صرف قبا و دوزی دل
روز و شب طولِ امل کا ہوں گرفتار کہ ہے
رشتہ داری نہیں کچھ خوب، تو کر آپ کو گم

اس کے واقف ہو، میاں! کیا کوئی سر رشتے سے
باغباں! باندھے تو گلدرستہ اگر رختے سے
پچک زلف سے اس کو مگر رشتے سے
بے طرح باندھے ہیں صیاد نے پر رشتے سے
دے جو واقف ہی نہیں بات کے سر رشتے سے
کفنِ مردہ کو سیتے نہیں تر رشتے سے
دلق درویش کو کام اٹھ پہر رشتے سے
کر کے سوزن کی طرح قطع نظر رشتے سے

اشک مڑگاں سے ٹپکتے ہیں مری پے در پے
مصحفی گرتے ہیں جس طرح گہر رشتے سے

۶۳۲

جان کر زلف کیا ہم نے حذر رشتے سے
سانپ کے کاٹے کو لگتا ہی ہے ڈر رشتے سے

گہ کمر کا تو گئے زلف کا کرتے ہو بیاں
کیا ہی دلچسپ ہے دانتوں کی ترے تبسی
جی میں ہے کجے گریاں کے تیں اتنا چاک
ڈورے کا نہ پہن جامہ کہ میں ڈرتا ہوں
اس قدر چاک گریاں کے مرے ہے مہر و
کیا ستم تو نے کیا؟ مجھ کو کھلا خط بھیجا
گر کمر بند بھی ہوتا نہیں تو رسم ہے یوں

مصحفی اشک یہ مڑگاں پہ نہیں سرخ و سپید

منعقد ہیں کئی یا قوت و گہر رشتے سے

۶۳۳

جگر چہن گئے اس کی پلکوں کے ہلتے
مرے داغ دیکھو، غضب تھا چمن میں
جو دامن کشاں تو چمن میں نہ آتا
وے دلی کے کوچے ہیں اب سارے خالی
غضب تھا اگر نیزہ درانِ مڑگاں
ہم اے کاش اُن انکھڑیوں سے نہ ملتے
گر اس رنگ کے بھی کئی بھول کھلتے
صبا سے کہیں گل کے غنچے نہ کھلتے
کھوے سے کھوے تھے جہاں روز چھلتے
اُٹھا گھوڑے یکبارگی تم پہ چلتے

میاں! عید کے دن تو بیجا نہ تھا کچھ

جو تم مصحفی سے گلے لگ کے ملتے

۶۳۴

ان گرم نگاہوں سے تری کوہ بھی جل جائے
آرام ہو آئندہ کو اور نت کا خلل جائے
کرتا ہے وضو شیخ لبِ حوض پہ بیٹھا
تو دیکھے جو یکبار تو پتھر بھی لگھل جائے
دل آب ہو سینے سے مرے کاش نکل جائے
ایسے میں تماشا ہو جو بالو اس کا پھل جائے

جس آگ میں جلتا ہے پڑا نعلِ دل اپنا
 حسرت تو مجھے یہ ہے کہ با ایں ہمہ خواہش
 اک قطرہ خوں ٹپکے گرا آنکھوں سے ہماری
 گہہ سبزے کو دکھیوں ہوں، گئے آبِ رواں کو
 پتھر بھی اگر رکھیے تو اس آگ میں جل جائے
 آشوب میں کھینچوں اُسے اور یوں وہ نکل جائے
 دانشِ زمانے کا ابھی رنگ بدل جائے
 تا یہ دلِ غم دیدہ اسی طرح بہل جائے
 اک روز تو کر مصحفی اپنے کی عیادت
 شاید تری پرشش سے یہ بیمار سنبھل جائے

۶۳۵

ٹھکراتے طرفِ دامن بندہ تبا کو ملتے
 دے دن کدھر گئے اب، ہو وعدہ کہ میں اکثر
 یا پاس سے ہم اس کے اب آپ بھاگتے ہیں
 شعلے میں شمع کے گر جلوہ ترا نہ ہوتا
 کچھ آج زورِ سچ سے آتے ہو دھج بدلتے
 ہم ہوتے منتظرِ ادرتم دو ہیں آ نکلتے
 یا ایک دن وہ تھا جو ٹالے ہوئے نہ ٹلتے
 پروانے صدقے ہو ہو اس پر سے یوں نہ جلتے
 آنے کی مصحفی کے سن کر خبرِ شتابی
 کل رہ گئے گلی سے ہم اس کی، چلتے چلتے

۶۳۶

انگشتری جو دی ہے، مرے یار! پھینک دے
 اوے تو محرکے میں تو صورت کو تیری دیکھ
 آیا ہوں پھرتے پھرتے پہ ڈر ہے یہی کہ یار
 کیا ہو دے باغباں جو تو، گلشن سے چن کے گل
 کس کام کا یہ دل ہے مرے پاس، لے میاں
 ہو دے نہ اس کا پایے طلبِ ریش پھر کبھی
 دیکھے جو ایک جلوہ ترا شیخ و برہمن
 میں ہوں ادھر کھڑا، پس دیوارِ پھینک دے
 رستم بھی اپنے ہاتھ سے تلوارِ پھینک دے
 کیا جانے پھر کدھر کو بہ یکبارِ پھینک دے
 بلبل کے آشیاں میں بھی دوچارِ پھینک دے
 تو سر سے وار کر یہ دل زارِ پھینک دے
 ہو راہ سے کسی کی اٹھا خارِ پھینک دے
 یہ توڑ ڈالے سبھی، وہ زنا رِ پھینک دے

اور آشیاں کو آ، سوے گلزار پھینک دے
اب آسماں سے کوئی طرح دار پھینک دے
ایسا ہوا اس کے گھر میں شبِ تار پھینک دے
یہ ہے وہ جنس جس کو خریدار پھینک دے
تجھ پر سے وار پھیر کے سوار پھینک دے

ناصح نے پکڑا تیرا اگر یہاں تو مصحفی
بھڑوے کی تو اتار کے دستار پھینک دے

۶۳۷

پھر تب سے خواب میں بھی نہ آئے بھلے گئے
پہلے قدم کے رکھتے ہی، واں دل ملے گئے
وہ شوق ہی نہیں رہا، وے ولولے گئے
جب تک کسی نے ہم کو جلایا جلے گئے
ہم ناتمام بھول گئے، دن ڈھلے گئے

رکھتا تھا مصحفی تو بہت شوقِ کوئے یار
ہم ساتھ اپنے آپ ہی اس کو نہ لے گئے

۶۳۸

اس قفس میں کوئی اسیر ہی ہے
اب نہ شیریں نہ جوئے شیر ہی ہے
پاس اپنے کہاں نہ تیر ہی ہے
کیا کہیں یاں ترا خمیر ہی ہے
دیکھ لو گے ترا عبیر ہی ہے

یہ تو آوازِ ہم صغیر ہی ہے
ہو چکا دورِ خسرو و فرہاد
دشتِ پُرسید ہے تو کیا کیجھے
دل تو اس کوئے کیوں نہیں اٹھتا؟
جل گئے ہم تو اپنی خاکِ ستر

تیری ابرو کے روبرو مہ لو اپنی آنکھوں میں تو حقیر ہی ہے
گو کہ تو، میر سے ہوا بہتر
مصحفی پھر بھی میر میر ہی ہے

۶۳۹

بات سن لے خدا غریبوں کی اجل آدے مرے رقیبوں کی
مجھ سے تم پھر گئے بہ این خوبی یہ بھی خوبی مرے نفیبوں کی
وہ کہ تشخیص میں مرض کی مرے عقل حیران ہے طبیبوں کی
غنچہ گل کی چولی مسکی دیکھ ق عقل بھولی جو عندلیبوں کی
ہاے دیکھی نہیں اسفوں نے مگر وضع دلی کے جامہ زیبوں کی
کہیں کم بختی سے جو جا نکلا ق مصحفی کل طرف جیبوں کی
ان کے مرزائیوں کے ہاتھوں سے
مار اس پر پڑی جریبوں کی

۶۴۰

تسبیح شینخ میں گو ہو دیں ہزار دانے اپنے بھی اشک کے ہیں یاں بے شمار دانے
از بس کہ رنگِ پاں نے تزیین کیا ہے اس کو ہیں دانت سرخ اس کے جیسے انار دانے
جوں خوشنما فلک پر لگتے ہیں عقدِ پروں رکھتا ہے موتیوں کے، کافوں میں یار دانے
زیرِ فلک ہے ہم پر وہ اضطراب پیدا جوں آسیا کے نیچے ہوں بیکرار دانے
میں جیسے اشکِ گلگوں، اے مصحفی، ہمارے
یا قوت کے رکھیں ہیں، کب یہ بہار دانے

۶۴۱

لینے لگے جو چٹکی یکبار بیٹھے بیٹھے یہ چمیر کیا نکالی، اے یار! بیٹھے بیٹھے

اکتا کے اٹھ گئے ہم ناچار بیٹھے
گھر میں کیا کریں ہیں تکرار بیٹھے
کچھ یوں ہی ہو گیا وہ بیزار بیٹھے
یاد آئیاں جو باتیں دوچار بیٹھے

کل وعدہ گاہ میں جب وہ بے وفانہ آیا
جو کچھ پڑھا ہے ہم نے ہم آپھی آپاس کی
ہم نے تو اس کو ہرگز، یار د! کہا نہ تھا کچھ
تجھ بن تو ہم نے دے بھی باخامشی ادا کیں

اے مصحفی! اکھنوں میں صدف نہیں کچھ اپنی
لکھ ڈالے ہم نے کل یہ اشعار بیٹھے

۶۴۲

آگیا یاد تو اک بار ہنسے اور روئے
مگر اتنا ہے کہ دوچار ہنسے اور روئے
پھر تو کوئی بھی نہ زہار ہنسے اور روئے
کیا تری چشم کا بیمار ہنسے اور روئے

بیٹھے بیٹھے جو ہم، اے یار! ہنسے اور روئے
شعر تر پڑھنے سے یاروں میں نہیں کیا حاصل
شادی و غم کی جو اٹھ جائے جہاں سے رہ دسم
نالوانی نے کیا اس کو تو نقشِ قالین

مصحفی رات میں افسانہ دل کہتا تھا
سن کے ہمسایے کئی بار ہنسے اور روئے

۶۴۳

میں صورت ہی سکتا ہوں قاتل کی اپنے
حقیقت کہوں کس سے میں دل کی اپنے
لی اپنی ہی صورت مقابل کی اپنے
غرض طرفہ حالت ہے محفل کی اپنے
جو جھنکار پہنچی سلاسل کی اپنے
خبر زور لی تم نے گھسائل کی اپنے
فلک کو نہیں تاب محفل کی اپنے

خبر کچھ نہیں مجھ کو بسمل کی اپنے
جو گزرے ہے مجھ پر سو حق جانتا ہے
نہ آئینے میں اس نے پھر عکس دیکھا
کوئی لوٹتا ہے، کوئی پیٹتا ہے
دوہیں خفتگانِ عدم چونک اٹھیں گے
کیا زخمی غمزہ اور پھر نہ پوچھا
زمین بوجھ کیونکر ہمارا اٹھا دے

اسے مردم دیدہ کیونکر نہ سمجھے سیاہی تو تو دیکھ تک تل کی اپنے
میاں مصحفی تجھ سے کیا مانگتا ہے
سدا تو جلاسن لے سائل کی اپنے

۶۴۴

پوچھا جو ہم نے اس سے کل تیرا نام کیا ہے؟
جو کھوکھو کروں کے مارے پا مال ہو گئے ہیں
مستغرق تصور کیا ہو رہا ہے، اے دل!
ہم نامہ دے چکے ہیں قاصر کو اپنے، تو کہہ
اس نازنین کی تصویر جو دیکھے ہے کہے ہے
کہتا تھا تو، تو، اے دل! میں ہو چکا ہوں تسکین
کہنے لگا "تجھے کیا ہے چل، تجھ کو کام کیا ہے؟"
کوئی پوچھے اس سے اس کی طرز خرام کیا ہے
ٹک سراسٹھا کے تو دیکھ، بالائے بام کیا ہے
جان بلب رسیدہ تیرا پیام کیا ہے؟
"اس نیم رخ کے آگے ماہ تمام کیا ہے"
پھر اضطراب سایہ ہر صبح و شام کیا ہے
ہونا تھا مصحفی پر جو، ہو چکا، عزیزو!
اب لاش پر پھر اس کی یہ ازدحام کیا ہے

۶۴۵

گالی سے لب شیریں کو بس تلخ نہ کیجے
رستے میں ہول جائے وہ بت ہم کو خدا کا
جائیکہ گل دلالہ ہوں سب چاک گریباں
کھانا کبھو اس غم کا نہ ہو ہم کو گوارا
جو گڑ دیے مرتا ہوا سے زہر نہ دیجے
مسجد کی طرف جانے کا پھر نام نہ لیجے
بیداد ہے گرا اپنے گریبان کو سیجے
ادھر سے جو خوناب جگر اس کے نہ پیجے
آہن مرے گریے سے ہوا آب و لکین
اے مصحفی! یہ سنگ دلاں بت نہ پیجے

۶۴۶

ہذا کر جب وہ اپنے سر کے بالوں کے تیلں جھاڑے
بجائے خاروں موتی ہی رو لے جو زمیں جھاڑے

تو اے نورِ نظر! جس جا قدم اپنا رکھا چاہے
 نمودِ سجدہ ہے منظور، خاک ایسی نمازِ اد پر
 یہ سب دامنِ درازاں بھول جائیں رقص کرنے کو
 نظر آ دیں پڑے بھٹے سے سر پائو میں یاروں کے
 ہر اک خوش چشمِ داں جا رو بہِ مژگاں سے زینِ جہاں کے
 نہیں ممکن کہ زاہد جیتے جی گردِ جبیں جھاڑے
 جو ہو کر دستِ افشاں عاشق اپنی آستین جھائے
 ابھی دودھ پٹے کے ہاتھ اگر وہ ناز نہیں جھائے
 کیا کر خاکِ رو بہی مصحفی ایسے کے تو در کی
 کہ جس کے واسطے روحِ الامیں عرشِ بریں جھاڑے

۶۴۷

ہر اک نے نگاہوں سے مجھے ڈال دیا ہے
 ترکیب تو دیکھو اس کے خوش اسلوبِ بدن کی
 میں ہوں وہ گنہگار کہ غیرت نے ابھی سے
 ہنستے ہو تو اچھی ہی طرح مجھ پہ ہنسو نہ
 یہ عشق کہ جی کو مرے جنجال دیا ہے؟
 تب زلف کا تیری کہیں اک بال دیا ہے
 گو چرخ نے اوروں کو زورِ مال دیا ہے
 اپنا جسے زلفوں نے تری جال دیا ہے
 یہ حسن، یہ نقشا، یہ خط و خال دیا ہے
 ہر اک نے نگاہوں سے مجھے ڈال دیا ہے
 ترکیب تو دیکھو اس کے خوش اسلوبِ بدن کی
 میں ہوں وہ گنہگار کہ غیرت نے ابھی سے
 ہنستے ہو تو اچھی ہی طرح مجھ پہ ہنسو نہ
 یہ عشق کہ جی کو مرے جنجال دیا ہے؟
 تب زلف کا تیری کہیں اک بال دیا ہے
 گو چرخ نے اوروں کو زورِ مال دیا ہے
 اپنا جسے زلفوں نے تری جال دیا ہے
 یہ حسن، یہ نقشا، یہ خط و خال دیا ہے

اے مصحفی! اس شوخ کی باتوں پہ نہ جانا
 لاکھوں کو لگا اس نے یو نہیں ٹال دیا ہے

۶۴۸

رات کے رہنے کا نہ ڈر کیجیے
 لوگ کہیں گے تمہیں 'ہر جانی' ہے
 ایک تو شبِ یاں بھی سحر کیجیے
 دل میں اک عالم کے نہ گھر کیجیے

دیکھتے ہو میری طرف کیا، میاں! اپنی بھی صورت پہ نظر کیجیے
 آہی لیا بے خبری نے ہمیں کون ہے یاں کس کو خبر کیجیے
 غیر کو جادیتے ہو گھر میں اگر میرے تئیں شہر بدر کیجیے
 دیکھو لگا میں تری کہتی ہے خلق ایسی لگا ہوں سے حذر کیجیے
 پھر نہیں ملنا ترا مشکل، میاں! جان کا اگر اپنی ضرر کیجیے

منزلِ مستی میں بہت ہم رہے
 مصحفی اب یاں سے سفر کیجیے

۶۴۹

دل سینے میں بیتاب ہے، دلدار کدھر ہے؟ کوئی مجھ کو بتادو، وہ مرا یاں کدھر ہے؟
 ہم کب کے چن زار میں بیہوش پڑے ہیں معلوم نہیں گل کدھر اور خار کدھر ہے؟
 اس گل کا پتا اگر نہیں دیتے ہو تو، یارو! اتنا تو بتادو، درِ گلزار کدھر ہے؟
 دل چھیننے والے کوئی گھر بیٹھ رہی ہیں! پوچھیں ہیں یہی رستہ بازار کدھر ہے؟
 دیکھا مجھے کل اس نے، تو غیروں سے یہ بولا "لاؤ بھی شتابی، مری تلوار کدھر ہے؟"
 یاں ہو رہا ہے سینہ مرا آگو ہی چھلنی ڈھونڈے ہے کہاں تیر کو سو فار کدھر ہے؟
 احوال نہٹ تنگ ہے بیمار کا تیرے اس وقت تو لے آئے رخسار کدھر ہے؟
 شیریں سخناں سب ہی شکر پیچیں ہیں لیکن انصاف کرو، جو شش خریدار کدھر ہے؟

برسوں نہ ملے اس سے تو اس شوخ نے ہم کو
 پوچھا نہ کبھی "مصحفی زار کدھر ہے؟"

۶۵۰

کس طرح شامِ فراق اپنی سحر ہوتی ہے دیکھیے آج کی شب کیونکہ سیر ہوتی ہے
 چشمِ بیمار کا کوئی اس کی سبب مت پوچھو خوب رو کے تئیں البتہ نظر ہوتی ہے

اس کے کوئے میں کیے ہم نے بہت سے نالے
شیخ جی! چھیڑو نہ بدستوں کو گھر کو جاد
درمیاں رکے ہے اور کچھ نہیں ہوتی معلوم
ایسا آسان نہیں معنی رنگیں کا تلاش
شبِ ہجراں میں تری، شمعِ نبط عاشق کی
پر نہ پوچھا کبھی، یہ دھوم کدھر ہوتی ہے
بات یاں در نہ ابھی نوعِ دگر ہوتی ہے
ہاے یارو! کہیں ایسی بھی کمر ہوتی ہے
ایک اک بیتِ بصد خونِ جگر ہوتی ہے
آستیں دیدہ نمناک سے تر ہوتی ہے

تو نے جو کچھ کہہا، یار! کہوں گا میں تمام
مصحفی! اس سے ملاقات اگر ہوتی ہے

۶۵۱

نہ چھو پیارے! کہ تیری زلف کا ہر تار نازک ہے
نہ ہو کیونکر کوئی شاکی تری باریک مڑگاں سے
گل و نسرين و سنبھل ہیں سبھی نازک تر از نازک
ترے چہرے کے ہنگام تماشا دل دھڑکتا ہے
نہیں تم ذبح کر سکتے جو ہم کو، یہ تو بتلاؤ
نراکت عاشق اور معشوق کی یکساں نہیں ہوتی
تو، کافر بل نہ دے اس کو، کہ یہ زنا نازک ہے
چھبے ہے اس قدر ہی جس قدر یہ خار نازک ہے
نہ تنہا اس چمن کی نرگس بیمار نازک ہے
لگا ہیں سخت ہیں بیاک اور رخسار نازک ہے
تمہارے ہاتھ ہی نازک ہیں یا تلوار نازک ہے
مری گفتار نازک ہے، تری رفتار نازک ہے

نہیں تشبیہ دے سکتے ہم اس کو رشتہ جاں سے
ز بس اے مصحفی، موے میانِ یار نازک ہے

۶۵۲

نا توانی سے تلاشِ سوختن میں مر گئے
ہر سخن اور پر تو کیوں کہنے ہے اب تلوار کو
وقتِ خوش ان ہم صفیروں کا کہ ہنگامِ بہار
دے جو جاں پر کفِ یے پھرتے تھے کتنے تشریب
شمع تک پہنچے نہ پروانے، لگن میں مر گئے
ہم تو، میری جان! تیرے اک سخن میں مر گئے
بے غم دامِ دقفسِ صحنِ چمن میں مر گئے
آخر آخر حسرتِ چاہِ ذقن میں مر گئے

مصحفی عشقِ بتاں کا پوچھ مت کچھ ماجرا
ہم سے کہتے یار اس دیوانہ میں مر گئے

نہ باہری اسے آرام ہے ہرگز نہ گھر ٹھہرے
صفائی میں ہیں تیرے لعل لب کے مشتری حیراں
جوابِ نامہ عاشق کبھی حاصل نہ ہوا اس سے
کہوں کیا اشک اپنے کی خوش آبی اور غلطانی
میں مفلس ہو رہا ہوں، دل کی بیتابی کے ہاتھوں سے
وہ طفلِ شوخ کیا معنی جو تک اک جاے پر ٹھہرے
کہے قیمت تو کوئی تب کہ جب اس پر نظر ٹھہرے
اگر عمرِ ابد تک پاس اس کے نامہ بر ٹھہرے
نہ دل، نہ چشم، نہ مژگاں کے اوپر یہ گھر ٹھہرے
یہی بسمل ہے اب اکسیر گر تک آگ پر ٹھہرے

ز بس اے مصحفی تھا بیچ عرصہ زندگانی کا
جہاں میں آن کر ہم یک دو ساعت جوں شر ٹھہرے

راہ میں جاتے دو چار اک تازہ آفت ہوئی
پچھے پھر پھر دیکھتا جاتا ہوں اور بھاگوں ہوں میں
ہاے رجزِ آکبر بھی رہے غش ہی کے بیچ
نوح ڈالا اپنا چہرہ ہم نے ناخن سے تمام
کیا رہا تھا مجھ میں پیارے تیرے ہنگام و دلاء
سر اٹھاؤں کیونکہ زانوئے سے کہ اٹھتا ہی نہیں
جب تک بیٹھا تھا تو تھے اہل مجلس ہوش میں
غیر کرتے ہی رہیں میں تم سے ہر دم بات چیت
گردم آخر بہ حسرت جان دی میں نے تو کیا
اس کو تم اپنی طرف سے پھر نہیں کرتے ہیں ترک
شب جو دار میں مار دئے ہم تو نقصاں کیا ہوا
یوں رہے بیمار ہی نہت بیک بعد از سال و ماہ
اک نگاہ بطف کو ہم نہت تر سے ہی رہے

پوچھتے کیا ہو کہ ہم پر کل قیامت ہوگئی
اپنے سایے سے بھی اب تو مجھ کو وحشت ہوگئی
ہم نہ چیتے اور کبھی کی زیارت ہوگئی
منہ چپاتے ہی ترے یاں اور ہی سورت ہوگئی
اک ذرا سی جان تھی سودہ بھی رخصت ہوگئی
کیا کروں زانوئے سے اس سر کو محبت ہوگئی
تو ادھر اٹھ کر گیا یا غش کی حالت ہوگئی
ہم بھی گر بولے تو ایسی کیا قیامت ہوگئی
ایک دم کی یہ بھی لے یا رداذیت ہوگئی
جس سے تک اک بار بھی صاحبِ سلامت ہوگئی
بارے اس رونے سے دل کو تو فراغت ہوگئی
جوں ہی تک دیکھا تجھے اور ہم کو صیحت ہوگئی
گو یہ جانِ ناتواں بے تاب و طاقت ہوگئی

جان من! تو تو توانا ہے، تجھے کیا اس کا غم
فصل گل سو بار آئی ہم نہ چھوٹے قید سے
گو یہ جانِ ناتواں بے تاب و طاقت ہو گئی
ہم کو اس کینجِ قفس میں رہتے مدت ہو گئی
ہاے کب سے پھر اب تک نہ ہرگز مصحفی
اس کو داں کیا جانے کس سے محبت ہو گئی

۶۵۵

لیتے ہی بوسہ ہو گئے بیزار کس لیے؟
فصل بہار آئی گئی، اب قفس کے پیچ
زخمِ نخست ہی میں مرا ہو چکا ہے کام
پیارے! جو تم کو شوق نہیں تاک جھانک کا
۲۲ مینہ لے کے دیکھو ٹک اپنے جمال کو
کیا ایسی سخت جانی ہے مرجاتے کیوں نہیں
نے مہرونے دفانِ محبت کا تجھ میں نام
گزری سو گزری اپنے اوپر اس کے غم کے پیچ
سو بار دھولیں کھا چکے مسجد میں شیخ جی
اس نے تو اپنے مکھڑے اوپر ڈال لی نقاب
تم کو کیا تھا اور بھلا یا کس لیے؟
پھر طکس میں طائرانِ گرفتار کس لیے؟
اب دمدم لگاتے ہو تلوار کس لیے؟
پھر وار میں ہیں رخنہ دیوار کس لیے؟
صحت کا شب کی کرتے ہونکار کس لیے؟
نیرے مرض کھینچیں ہیں آزار کس لیے؟
کر تجھ سے دوستی کوئی ہو غوار کس لیے؟
کیجے کسی سے دردِ دل اظہار کس لیے؟
پھر بانہ بانہ آتے ہو دستار کس لیے؟
پھر اب کھڑے ہیں طالبِ دیدار کس لیے؟

اے مصحفی جو یار تجھے پوچھتا نہیں
جاتا ہے دور دور تو ہر بار کس لیے؟

۶۵۶

خیالِ صید جو وہ عنبریں کمند کرے
نفس بھی کھینچتے اب جی مرادھڑکتا ہے
تو حلقے حلقے میں لاکھوں ہی دل کو بند کرے
مبادا تشِ دل شعلہ پھر بلند کرے
تو ہم کو کچھ نہ کہے ترک و عطا و پند کرے
ہے صرف تجھ کو اب اس میں کہ لے ملامت گوا

حدیث شکوہ، میاں! منہ پر آخر آتی ہے
 تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پر
 بفل میں جس کی کہ دل جیسا پکا پھوڑا ہو
 کہاں تلک کوئی اپنی زباں کو بند کرے؟
 وہ مر بھی جائے تو آنکھیں نہ اپنی بند کرے
 پھر آہ آہ نہ کیونکر وہ درد مند کرے؟
 ہمیں تو چاہ نہیں مصحفی کچھ اس دل کی
 ہے نذر اس کی یہ دل اس کو جو پسند کرے

۶۵۷

وہ جس دم ہاتھ اپنا قبضہ خنجر پہ رکھتا ہے
 ہوا تو دیدہ و دانستہ لے دل از غمی مژگاں
 تہ ہر استخوان زار یوں سلگے ہے دل اپنا
 کہ جیسے خار و خس لا کر کوئی اگل رہا رکھتا ہے
 تو پھر کس واسطے دربان اپنے در پہ رکھتا ہے
 اگر غیروں سے خلوت میں نہیں مشغول وہ پیارا
 قدم بیمار تیرا جس گھڑی بستر پہ رکھتا ہے
 بصد بے طاقتی ہوتا ہے مانا نقشِ قالیں سے
 و لیکن صاحبِ معنی نظر جو ہر پہ رکھتا ہے
 لسانِ آئینہ صورت پرستی کام ہے کتنا
 یہ حالِ مصحفی ہے تجھ بن اب گویے کی شہادت
 کہ دن میں سیکڑوں رو مالِ چشم تر پہ رکھتا ہے

۶۵۸

کیونکہ مژگاں کو تری تیزی نشتر پہنچے
 عشق کی منزلِ اول بھی بڑی منزل تھی
 دیکھنا کم نگہی کی بیومت، اے ساقی!
 وال تلک پہنچے تو ہم، یار! پہر کر پہنچے
 اعتدال اس قدر عنا کا بیاں کیا کیجے
 بزمِ عشاق ہے مے سب کو برابر پہنچے
 جس کی خوبی کو نہ سرو اور نہ صنوبر پہنچے
 بارے اس دور میں اک ہم کو بھی سانہ پہنچے
 گردش چشم کبھی، مشفقِ من! ایدھر بھی
 کب یہ ممکن ہے کہ داں اڑ کے کبوتر پہنچے
 جس گلی میں کہ فرشتے کے بھی پر جلتے ہوں

مصطفیٰ میں ہوں زخود رفتہ تو وہ بے پروا
خبر احوال کی میرے اُسے کیوں کر پہنچے؟

۶۵۹

جس گلی میں نہ صبا اور نہ کبوتر پہنچے
یار ہم بادہ نہ ہو اپنا تو کر کے اُسے یاد
آگیا ہاتھ میں گر اب کے گرمیاں اپنا
میں تڑپنے لگوں جب کھا کے تیرا لے کاش!
سینہ بے طرح میں کوٹوں ہوں غم دوری سے
اُس کی مڑگاں نے کیا دل کا مرے کام تمام

مصطفیٰ اتنا میں رویا کہ شب ہجراں میں
اشک آنکھوں سے گرمیاں تیں بہہ کر پہنچے

۶۶۰

ہر آن میں گالی دے ہر اک بات میں جھجلائے
کیا وجہ بتاؤں تمہیں اس زردی رخ کی
گر آبِ رواں سرو قدِ یار کو دیکھے
کام اس سے پڑا مجھ کو جو تصویر کے مانند
تلواریں ہی آتی ہیں نظر چاروں طرف سے
اک یار ملا ہم کو سو اس وضع کالے واے!

رنگ اس کا یہی ہے جو کوئی خون جگر کھائے
جوں دیدہ آئینہ رہے محو سراپائے
میری ہی نے گاہے نہ کچھ اپنی ہی فرمائے
جا کر صفِ مڑگاں میں یہ دل کیونکہ گھبرائے

۶۶۱

بوند اشک کی اک تازہ نت آن نکلتی ہے
ان آنکھوں سے موتی کی اب کھان نکلتی ہے

از بس کہ کبھی اس نے یاں تیر لگائے ہیں
 تو نزع میں آ جس کو دیرار دکھا دے ہے
 کیا بیٹھنا، کیا اٹھنا، کیا بولنا، کیا ہنسنا
 جب گھر سے وہ نکلے ہے بن بھٹن کے کبھی باہر
 دل ڈھونڈوں تو سینے سے پیکان نکلتی ہے
 پھر آنکھوں سے جان اس کی آسان نکلتی ہے
 ہر آن میں کافر کی اک — آن نکلتی ہے
 اس دقت تو پھر اور ہی کچھ شان نکلتی ہے
 اے مصحفی، بھراں بھی اک طرفہ اذیت ہے
 نے یار ہی ملتا ہے، نے جان نکلتی ہے

۶۶۲

جلوہ گریار کا قامت ہے، خدا خیر کرے
 دل مرا اور ترا آج جو مل بیٹھا ہے
 صاف بگڑا ہوا آتا ہے مرا آئینہ رو
 عشق میں اس کے جو بدنام مجھے کرتے ہیں
 حق میں عاشق کے قیامت ہے، خدا خیر کرے
 شیشہ و سنگ کی صحبت ہے، خدا خیر کرے
 آج کچھ اور ہی صورت ہے، خدا خیر کرے
 یہ بُری طرح کی تہمت ہے، خدا خیر کرے
 نہیں منہ موڑتی ز نہار وہ تیغ ابرو
 مصحفی سر پہ بد آفت ہے، خدا خیر کرے

۶۶۳

گر جدا ملک بھی یار ہوتا ہے
 تلخ و شیریں سے کچھ جہاں کے نہ پوچھ
 دل کو پاؤ تلے کھنڈ لنادا ہا
 عشق سے ہجر میں گلہ کیا ہے
 دل بہت بے قرار ہوتا ہے
 ہم کو سب کچھ گوار ہوتا ہے
 کیوں جی ایسا ہی پیار ہوتا ہے
 مے کا آخر خسار ہوتا ہے
 جس میں تیرا گزار ہوتا ہے
 اب کے کھیوے میں پار ہوتا ہے
 اب کے کھیوے میں پار ہوتا ہے
 اس کا یاں نت گزار ہوتا ہے
 مصحفی اب وہ آن نکلے گا ق

مٹھہر تو ملک تو دم لے دیوانے
اتنا کیوں بے قرار ہوتا ہے؟

۶۶۴

گل کترے نہ بلبیل مری فریاد کے آگے
دیر، اے ملک الموت! کہ اس کوہ کنی کا
گلشن سے اڑا کر کے، صبا! میرے پردہ بال
نچھیر سے تا صیدِ حرم فرق نہ سمجھے
گویا نے تلخ اُس کو کہا ایک تو قاصدا
تقصیر اگر کی ہے تو اس شوخ کی، یار د!
نے ذکر ہے، نے شغل ہے، نے یادِ خدا ہے
سر سبز ہو شاگرد کب استاد کے آگے؟
ہے کام بہت سا ابھی فریاد کے آگے
مر جاؤں تو لے جائیو صیاد کے آگے
آجائے جو کچھ اُس ستم ایجاد کے آگے
یہ حرف نہ کہیو دلِ ناشاد کے آگے
کیوں مجھ کو لیے جاتے ہو جلا د کے آگے؟
سب بھول گئے ہم تو تری یاد کے آگے

بد مصحفی کو شیخ جی پیچھو ہی کہوتھے
اب بولتے تم کیوں نہیں داماد کے آگے؟

۶۶۵

ہے تجھ پہ تو زور ہی آن صدقے
کیا چیز جو کبھے جان صدقے
مژگاں پہ تری خدنگ قرباں
وہ ماہ ہے تو کہ جس کے اوپر
رخسارِ ترے دے گل ہیں جن پر
صدقے ترے میری جان صدقے
تجھ پر سے کروں جہان صدقے
ابر وہ پہ تری کمان صدقے
ہوتا ہے نت آسمان صدقے
کبھے گل دارِ غوان صدقے

اے مصحفی تو نے ریختے میں
پانی ہے عجب زبانِ صدقے

فراغت میں، بتاں کی صورتِ دلخواہ یاد آوے
 بیاباں در بیاباں ہر طرف آوارہ پھرتے ہیں
 حقیقت درد مند ایسے کی سن کر کیا کوئی خوش ہو
 سنا کہیں ذکر یوسف کا تو میرے دل میں تو، گزرا
 نہ ہنسنا بولنا نے اس طرف گا ہے نظر کرنا
 ہم اٹھ کر خواب سے تیری گلی کا قصد کرتے ہیں
 اسی کے نور سے تھا کلبہ احزاں مرار و شن

پڑے جب کچھ مصیبت تب ہمیں اللہ یاد آوے
 نہیں بھولے ہوئے ایسے کہ ہم کو راہ یاد آوے
 کہ جس کو بات کہتے ہر سخن پر آہ یاد آوے
 سخن جیسے بقربِ سخن ناگاہ یاد آوے
 بھلا کس بات پر ہم کو تمہاری چاہ یاد آوے
 گدا کو صبح دم جوں بارگاہِ شاہ یاد آوے
 شبِ غم کیوں نہ مجھ کو ہر گھڑی وہ ماہ یاد آوے

نت اس کی بزم میں اے مصحفی ہے ذکرِ فیروں کا
 پہ کیا معنی جو گا ہے بندہ درگاہ یاد آوے

ناچار ہو دین و دل اس شوخ کو دے گزرے
 ہم جن کے سر رہ میں اک عمر سے بیٹھے ہیں
 دی اس نے اگر ہم کو دشنام بہاے دل
 ہر وقت جواب ہم کو تم گالیاں دیتے ہو
 جو ہم پہ پڑی آ کر اس عشق میں کئے گزرے
 افسوس کہ اک دن بھی ایدھر سے نہ دے گزرے
 ہم مثلِ غرضِ منراں دو ہیں اُسے لے گزرے
 نہیں ہم بھی میاں صاحب! ایسے تو گئے گزرے

رفتار پہ خواہاں کی، اے مصحفی! مت جانا
 پامال کیا عالم جس راہ سے بے گزرے

ہے ماہ کہ آفتاب کیا ہے؟
 میں نے تجھے تو نے مجھ کو دیکھا
 دیکھو تو تر نقاب کیا ہے؟
 اب مجھ سے تجھے حجاب کیا ہے؟
 آئے ہو تو کوئی دم تو بیٹھو
 اے قبلہ! یہ اضطراب کیا ہے؟

اُس بن ہمیں جاگتے ہی گزری
 مجھ کو بھی گئے وہ عاشقوں میں
 سیارہ دل کو دیکھ اس نے
 اس میکہہ جہاں میں، یارو!
 جانا بھی نہ یہ کہ خواب کیا ہے؟
 اس بات کا سو حساب کیا ہے؟
 پوچھا بھی نہ یہ کتاب کیا ہے؟
 مجھ سا بھی کوئی خراب کیا ہے؟
 قسمت میں ہماری مصحفی، ہاے!
 کیا جانے ثواب عذاب کیا ہے؟

۶۶۹

آئے ہو تو یہ حجاب کیا ہے؟
 سینے میں کھڑتا ہی نہیں دل
 کل تیغ نکال مجھ سے بولا
 معلوم نہیں کہ اپنا دیواں
 یارب، اے اضطراب کیا ہے؟
 تو دیکھ تو اس کی آب کیا ہے؟
 ہے مرثیہ یا کتاب کیا ہے؟
 پھر اُن پہ، میاں عتاب کیا ہے؟
 مجھ سے ہی تجھے حجاب کیا ہے؟
 اوروں سے تو ہے یہ بے حجابی!
 اے مصحفی! اکھڑ یہ دھوپ آئی
 اتنا بھی، دولے، خواب کیا ہے؟

۶۷۰

مائی ان ابردوں کی تصویر کھینچتا ہے
 دل زلف کی طرف کو کیونکر کھینچا نہ جاوے
 خورشید پر دو دستی شمشیر کھینچتا ہے
 کوئی اس طرف سے اس کی زنجیر کھینچتا ہے
 پہلو سے میرے، ظالم اکبوں تیر کھینچتا ہے؟
 دو چار نالے ہو کر دگسیر کھینچتا ہے
 کل مصحفی کہاں اور تیمار داری اُس کی
 تا صبح اور بھی یہ تاخیر کھینچتا ہے

خط آیا دہ ادا نہ دے اٹوار رہ گئے
 صحبت پہ گل کی شور نہ کرتنا، عندلیب!
 ناگہ جو اُس کے چہرے سے پردہ اٹا گیا
 تیری گلی وہ جا ہے جہاں آ کے رات کو
 دستِ جنوں سے چاکِ نقطِ حیب ہی نہیں
 سودا ہمارا یار سے نظروں میں ہو گیا
 ہم گزرے اس گلی سے تو ہم رقیب سے
 قاتل سے آرزو تھی کسی زخم کی ہمیں
 صیاد نے خبر ہی نہ لی، نہ یرِ دام ہی
 بلبیل کا کچھ نشان نہ رہا باغ میں مگر
 بخشا سبھوں کو لبے ترے شربتِ شفا
 اوروں کو حکیمِ دخل ہوا تیری بزم میں

من بعد کیا ہے قائمہ جینے کا مٹھنی

نے وہ جہاں کی وضع، نہ وہ یار رہ گئے

قد قیام اور خرامِ آفت ہے
 دل دکھا ہی کرے ہے سینے میں
 ہے غضب اک تو قد کا خم کرنا
 دل کو سمجھائیے کہاں تک؟ ہاے!
 نہ پیو کوئی زیادہ بادۂ عشق
 کہیے کیا آفتاب تو اس کو
 وہاں جو کچھ ہے تمام آفت ہے
 یاں یہی صبح و شام آفت ہے
 تپہ طرزِ سلام آفت ہے
 اشتیاقِ مدام آفت ہے
 اس کا تو اک ہی جام آفت ہے
 کوئی بالائے بام آفت ہے

آفتِ عشق ہے وہ دنیا میں
مصطفیٰ جس کا نام آفت ہے

۶۷۳

جا کر کہے یہ حرف مرے یار سے کوئی
پہنچے خبر بہار کی اس کو بھی، اے صبا!
تیکھے تو ہو، پہنچ کہو اس وقت کیا کرد
یارو! خدا کے واسطے جینے بھی دکھیں
دیکھیں تو ہم بھی تم کو، لگاؤ نہ مہرباں
میں تم سے پوچھتا ہوں بھلا اس کا کیا علاج
دامن تمام ہو گیا افشاں، کہاں تلک
کیوں نام لیں کسی کا پہ یہ تو کہیں گے ہم
شع و شراب و شاہد و ساتی ہے رد برو
پیچھے گلہ نہ کیجیو، بیارے! تو مٹ نہ کہہ
تلوار جب چلے ہے تو پھر وہ کرے ہے قتل

کیوں تو نے اس کو کر دیا آزرده مصطفیٰ

ناداں! بگاڑتا ہے طرہ دار سے کوئی؟

۶۷۴

جب میری طرح تو بھی تھے راہ کسی کی
جوں چاہیے، صحبت کی ہوس دل سے نکلی
یہ عشق بُرا ہوتا ہے معلوم کر دو گے
نامے کو مرے پڑھ کے لگا یا رہ کہنے

معلوم ہو تب تجھ کو میاں! چاہ کسی کی
یارب نہ شبِ وصل ہو کوتاہ کسی کی
گا ہے جو اثر کر بھی گئی آہ کسی کی
قاصد! یہ حقیقت تو ہے جانکاہ کسی کی

اے آنکھ مری شکل کا حیران رہا ہے
جوں آنسو دہ غمزدہ رہ جاتا ہے حیراں
از بس کہ تو پیارا ہے مجھے تیرے سوا یارا
کیا دیکھی نہیں صورتِ دل خواہ کسی کی
جب اس پہ نظر پڑتی ہے ناگاہ کسی کی
سو گند میں کھاتا نہیں والد کسی کی
اے مصطفیٰ تربت کا مری نام نہ لینا
گر پوچھے تو کیسوی کہ ہے درگاہ کسی کی

۶۷۵

وے جو ہم لوگوں سے کرتے تھے محبت، مر گئے
جوں ہی کی اس خونی عالم نے آکر اک گاہ
جان کو ہم اپنی کیا رو دیں کہ اس کو چمکے پیچ
نعلش پر زائد کی۔ جائے ہے بہرِ نساہ
جی کے دشمن رہ گئے، اہلِ مردت مر گئے
وے جو جی اُسے تھے پھر روزِ قیامت مر گئے
ہم سے کتنے کھینچ کر رنج و اذیت مر گئے
ایسے بھڑوے کتنے یاں کہا کہے حضرت مر گئے
تو جو جاتا ہے وہیں نت دور دور اے مصطفیٰ
اور کیا دنیا کے سارے خوبصورت مر گئے؟

۶۷۶

بیٹھ کر وہ جہاں سے اٹھتا ہے
اس کو جا بیٹھنا جہاں ہوں وے
نالہ کرتی ہے جس گھڑی بلبل
منہ کو مت کھول، در نہ عالم کے
بیٹھتا ہے وہ جنگجو جس جا
شورِ محشر کہیں ہیں جس کے تئیں
کشتہ عشق یوں نہیں ملتا
جو کہ پتھرِ سا جم کے بیٹھے ہے
ایک فتنہ وہاں سے اٹھتا ہے
کب یہ دل دہراں سے اٹھتا ہے
شعلہ اک آشیاں سے اٹھتا ہے
پردہ رازِ نہاں سے اٹھتا ہے
لڑکے آخروہاں سے اٹھتا ہے
میرے شور و فغاں سے اٹھتا ہے
مر کے کوئےِ بیاں سے اٹھتا ہے
کب ترے آستان سے اٹھتا ہے

مصطفیٰ مت بہت رقیب کو چھیڑ
وہ کوئی درمیاں سے اٹھتا ہے؟

۶۷۷

اہلِ دل گر جہاں سے اٹھتا ہے
چلو، اے مہر ہو! غنیمت ہے
جمع رکھتے نہیں، نہیں معلوم
گر نقاب اس کے منہ سے اٹھتی نہیں
واے بے طاقتی دے صبری
پھر وہیں گر پڑے سے پروانہ
اک جہاں جسم و جاں سے اٹھتا ہے
جو قدم اس جہاں سے اٹھتا ہے
خرچ اپنا کہاں سے اٹھتا ہے
شور کیوں کارواں سے اٹھتا ہے
پردہ جب درمیاں سے اٹھتا ہے
گر تک اک شمعِ اداں سے اٹھتا ہے

قصہ مصطفیٰ سنا کر، یار!
عشق اس داستاں سے اٹھتا ہے

۶۷۸

تاب کس کی ہے کہ بے پردہ ترا منہ دیکھے
روئے ہم سے ہوئی ایسی ہی غفلتِ حاصل
کیا ستم ہے کہ تو آئینے کو رو دے، ظالم!
نہ رہے آپ میں پھر ماہِ شبِ چارِ دہم
ایک نے اس سے کہا ”مصطفیٰ مرتا ہے میاں! ق
غش کرے وہیں اگر تیرا، خدامنہ دیکھے
کیا کسی کا کوئی پھر روزِ جزا منہ دیکھے
اور گنہگار سادلِ دُور کھڑا منہ دیکھے
تک دوپٹے سے اگر تیرا کھلا منہ دیکھے
ہو دے کیا اس کا جو توجا کے ذرا منہ دیکھے

لگا کہنے کہ ”ہو آئینہ بھی جس سے بیزار
ایسے بد شکل کا اپنی تو بلا منہ دیکھے“

۶۷۹

پرواہ تجھے کب ہے، میاں جانِ کسی کی
گو تجھ پہ، میاں! جان ہو قربان کسی کی

دل سخت مشوش ہے مرارات سے شاید
معلوم نہیں کیا غرض اب آئی ہے دریش
سمجھاتے ہیں تجھ کو ہی میاں تیرے طرفدار
سو بار گئے کچھ نہ ہوا نامہ بروں سے
بسل تو تڑپتا تو ہے پر دیکھو زہن ہار
کیا مجھ کو دہن سے ترے دانش کی توقع
گر پھر گیا میں اس سے تو کیا اس کا عجیب
گا ہے جو قدم رنجہ کیا خاک پہ میری
اُس چہرے میں کچھ اور ہی صورت کی صفا
بہدم تو نہ کر میرے اوپر عشق کی تہمت

اے مصحفی یہ شعر دشمن جائے گا سب بھول
گر کھب گئی نظر دل میں زری آن کسی کی

۶۸۰

ہیں نہاں داغِ جگر زخمِ نمایاں کے تلے
آشیاں بندی کی تکلیف نہ دے ہم کو موس
دیکھ پاوے جو ترے چاہِ ذقن کو یوسف
ہیں دو عارض ترے دے گل کہ لبِ شادابی
یار پہلو پہ مرے ہاتھ سمجھ کر رکھیو
ہاے بوسہ نہ لیا ہم نے کبھی اُس لب سے
ہم سے آوارہ کہاں، سایہ دیوار کہاں؟
سر بسرِ چشمہ خورشید ہے یا آبِ حیات

مصحفی اس سے بھی رنگیں غزل اک اور لکھی
رکھ دیا تازہ گلستاں کو گلستاں کے تلے

دل تڑپتا ہے مرے سینے میں، پیکاں کے تلے
 مر بھی جاؤں جو میں، پیارے! تو بلا سے تیری
 گلبدن کا نہیں پا جامہ اگر کیجیے غور
 خندہ زخم جگر، گل کی طرح کرتا ہے
 تجھ سے اک داغ کا اخفانہ ہوا، اے لالہ! با
 سیر گلزارِ شہادت ہو مبارک اس کو
 رنگِ یاقوت کے مانند پڑا جھمکے ہے
 رنگِ شرم ہے تو بھی تری مڑگاں کے تلے
 تو نہ رکھیو لبِ نازک کہیں دنداں کے تلے
 سیر گلزارِ ارام ہے ترے داماں کے تلے
 چاک سینے کا مرے چاک گریباں کے تلے
 یاں ہیں سوداغ چھپے سینہ سوزاں کے تلے
 رکھ دیا جس نے گلا خنجر بُراں کے تلے
 رنگ لب کا مرے رنگِ مہی دپاں کے تلے

مصطفیٰ رور میں اُس کو میں بہائے نالے
 نہر میں جس طرح بہیں جنتِ رضاں کے تلے

زلفوں کا بکھرنا اک تو بلا عارض کی جھلک پھر دلی ہی
 وہ شوخ جو گزرے مثلِ صبا تو بھڑکے نہ کیونکر آتشِ دل
 کوئی کیوں نہ گریباں چاک کرے اب دیکھ کے چھپ کو اس بُت کی
 دل کیوں نہ کرے سینے میں طیش، جب یار کی ہو یہ راہ و شا
 ہم کیوں نہ کفِ افسوس ملیں، جب دے ہی تڑپا بوس کریا
 وہ ماہِ چھپایا تو نے کہاں ہے جس سے جگر پر دلِ غم
 آنکھوں کا ٹکنا ہوش رہا ہر ایک پلک پھر دلی ہی
 اک طور کی اُس کی خبشِ یاد امن کی جھلک پھر دلی ہی
 پنڈے کا جھلکنا ہاے خدا! چولی کی مسک پھر دلی ہی
 رقتار میں اک البیلی ادا اور قد کی لچک پھر دلی ہی
 دامن سے زیادہ بندِ قبا زلفوں کی لٹک پھر دلی ہی
 صورت تو دکھا دے مجھ کو ذرا جلدی سے نلک پھر دلی ہی

اے مصطفیٰ میرے حال پہ اب کیونکر نہ کوئی افسوس کرے
 بیساختہ دل بیتاب ہوا آنسو کی ڈھلک پھر دلی ہی

جسے تصویر دکھلائی ہے تیری
 اے کیا وضع خوش آئی ہے تیری

نہ کراؤں سے، دلا! چپ چپ کے باتیں کہ ان باتوں میں رسوائی ہے تیری
 ہمارا غنچہ، دل کھل گیا ہے صبا جب بولے خوش لائی ہے تیری
 جو صید آیا سیرتیر اس کے بولا تجھے شاید اجل لائی ہے تیری
 خاکے ساتھ دل خوں ہو گیا ہے یہ کس نے مسمیٰ بندھوائی ہے تیری
 نہیں نظروں تلے ہرگز ٹھہرتی جو صورت دل میں ٹھہرائی ہے تیری
 کوئی کیونکر جیسے گا دیکھ تجھ کو بلائے جاں یہ زیبائی ہے تیری
 کہا میں رات اُس سے ایک بوسہ جو چپ کر دے تو دانائی ہے تیری
 خفا ہو کر لگا مجھ سے یہ کہنے ابے کم بختی کیوں آئی ہے تیری

نہ لے، اے مصحفی! تو صبر کا نام
 کہاں اتنی توانائی ہے تیری؟

۶۸۴

بلغ میں جا کے وہ جب بندِ قبا کھولے ہے ہو کے محظوظ گلِ دلے دقتِ تو خوش "بولے ہے
 سر پہ میرے ہی لگاتا ہے فلک آخر کار تیغِ بیداد کو جب ہاتھ میں لے لے لے ہے
 کیوں کے بچھے کہ نہنگِ فلکِ مردم خوار کسول کر منہ کبھی اس کو کبھی اُس کو لے ہے
 جب کہ آغوش میں لیتی ہے تجھے میری نگاہ پہلے سو بار، میاں! صدقے ترے ہو لے ہے
 گھول گھول اُس کی جدائی میں پیاز ہر میں بیک کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ تو کیا گھولے ہے؟

جان و دل دونوں ہیں حاضر یہ پسند اس کی ہے
 مصحفی بول نہ، لینے دے لے جو لے ہے

۶۸۵

غزل سرائی میں گر، وا کردوں زباں اپنی تو جادے مرغِ چمن ببول داستانِ اپنی
 یہ دل تو چیز ہے کیا بلکہ تم اگر چاہو تو، میری جان! تصدق ہے تم پہ باں اپنی

ستارے شب کو نکلتے نہیں جو سچ پوچھو
یہ باتیں خوب نہیں منہ پہ گالیاں دینی
برنگ آئینہ اس زنگبارِ عالم میں
بشرط اس کو اگر معرکے میں رکھ دیجے
میں جبکہ گھر سے نکل بیٹھتا ہوں تک باہر
تو لے چلے ہے وہی کہنہ داستاں اپنی

خدا کے واسطے اے مصحفی کہیں چپ رہ

بہت بھی بک نہ طبیعت ہے ناتواں اپنی

۶۸۶

چھاتی پہ لٹکتی نہیں زنجیرِ طلا کی
افشانِ طلا سے یہ تمھارا خم ابرو
جو چپٹی عن اس کے کو دیکھے ہے کہے ہے
جنت کی طمع کیوں نہ کرے شیخ کہ داں ہیں
ضعفِ جگر و دل ہو جسے غم سے بتاں کے
جاتی ہے تپِ دل کوئی کا فور ملے سے
وہ سوختہ ہوں میں کہ مری خاک کو لے کر
جب آئینہ دیکھے ہے تو کنارن سا ترا رنگ
ہم خانہ بدوشوں کو طلا گر نہیں ملتا

تسخیر کوئی پہنچے ہے اس کو نہ عزیمت

اے مصحفی جو ہوتی ہے تسخیرِ طلا کی

۶۸۷

بزم سے اُسٹے جو ہم ، بیکل گئے
لے کے چٹکی رات وے دل مل گئے

آہ بھی منہ سے نہ نکلی گر چہ یاں
 عاشقوں کے سر پہ آ رہے چل گئے
 خاک پر میری وہ آیا لے کے تیغ
 جب لحد میں استخاں بھی گل گئے
 دختر زرتو تو کس گنتی میں ہے
 یاں پر یزادوں کے جو بن ڈھل گئے
 تھے جو انگارے سے گل اس باغ میں
 دیکھ اس رنگ کفک کو جل گئے
 معرکے میں عشق کے، اے مصحفی!
 سامنے سے میرے رستم تل گئے

۶۸۸

جس دم کہ آنکھ میری اُس شوخ سے لڑی ہے
 کافر نگاہ اس کی بجلی سی آپڑی ہے
 اُگتے ہیں گل چین سے آسودہ شہادت
 کس کی ہو بھری لاش اس خاک میں گڑی ہے؟
 کشتہ ہوں کس نگہ کا جو بہر پاسبانی
 لوحِ مزار اب تک سر پہ مرے کھڑی ہے
 سخت جگر سے از بس پایا ہے رنگ اس نے
 مدِ نگاہ اپنی پھولوں کی سی پھڑی ہے
 بیمار کا تمہارے گل دم الٹ گیا تھا
 کہتے ہیں آج اس پر پھراب وہی گھڑی ہے
 تیری نزاکتوں کو پہنچے ہے کب، وہ لڑکے!
 بوٹے سے قدرے تیرے گوشاخ گل بڑی ہے
 اے مصحفی، وہ اتنا خوش رو نہیں ہے اس پر
 کیا جانے آنکھ تیری کس وضع سے پڑی ہے؟

۶۸۹

لے دل! تو نہ بھڑاس سے کہ تیغ اس کی کھٹی
 باندھے گا بھلا کون ترے زخم کو پٹی
 رنگیں نہیں ناخن ترے پالو کے حنا سے
 پا بوس کو آئی ہیں ترے، بیر بہٹی
 اس کو چے سے ظالم! تو مجھے لے تو چلا ہے
 اے عشق! کہیں خوار نہ کیجیو مری مٹی
 لیجاتے ہو دل مجھ سے تو پھر مانگو ہو جاں کو
 یہ زور لگائی ہے غرض آپ نے جٹی
 اس سببہ صابر چاک میں داغوں کا تماشا
 آدیکھ کہ ہے یہ بھی چہرا غان کی ٹٹی

ایک پیرزن ایسی تری کیا عقل گئی ہے یوسف کی بہا میں بھی کوئی دیوے ہے الٹی؟
 لازم ہے مجھے مصحفی وصف اپنے سخن کا
 کہتا نہیں ہرگز کوئی چھا چھ اپنی کوکھٹی

۶۹۰

رہے جو قبضہ شمشیر کیں پہ ہاتھ دھرے
 کبھی جو آئے نظر سینکے کو ہم کم بخت
 خدا کے واسطے ہمارم ہمیں نہ چھیڑ اس وقت
 نہ دی خبر مجھے اس نے بھی زلف کی گرچہ
 یہ کس کا غم ہے جو اس انجمن میں چھوئے بڑے
 پڑا میں تپ میں جلوں یاں ہزار حیف کہ واں
 مرے سلام کو کب وہ جہیں پہ ہاتھ دھرے؟
 تو اس نے ضد سے رخ آتشیں پہ ہاتھ دھرے
 کہ بیٹھے ہیں دل اندوگہیں پہ ہاتھ دھرے
 میں بار ہا قدم شانہ میں پہ ہاتھ دھرے
 ملول بیٹھے ہیں سارے جہیں پہ ہاتھ دھرے
 طبیب اس کے تن ناز نہیں پہ ہاتھ دھرے
 چل اس طرح کہ نہ اے مصحفی لگے ٹھوکر
 پڑے ہیں دے جو سر جانے زمین پہ ہاتھ دھرے

۶۹۱

خنجر تلے، اے دل! نہ تڑپ اتنا بھی دم لے
 کب چشم خماریا کا تری وصف ادا ہو
 اُن ماتمیوں کی بھی تجھے خبر و خبر ہے
 بواشک کہ گرتا ہے مری آنکھوں سے مجھ کو
 ہاتھوں کی کلائی پہ تری رحم ہے مجھ کو
 کجے سے نکالا جو ہمیں اب کے تو ہم بھی
 چاہا ہو اگر تیرے سوا ہم نے کسی کو
 کس طرح میں دیکھوں کہ مرے سرورِ رواں کی
 کیا کرتا ہے قاتل کا کہیں ہاتھ تو تھم لے
 لکھیے نہ اگر ہاتھ میں زگس کی قلم لے
 کو چے سے ترے جو گئے نالوں کے علم لے؟
 کہتا ہے یہی تو بھی یونہیں راہِ عدم لے
 چُن چن کے گل اس باغ سے دامن میں تو کم لے
 بتخانے میں جا بیٹھیں گے کوئی تازہ صنم لے
 تو جیسی کہ چاہے، تو میاں! ہم سے قسم لے
 پاؤسی کہے رنگِ حنا، زلفِ قدم لے

اے ناخنِ غم! کیا ہے تجھے اتنی شتابی
اوروں نے متاعِ طرب و عیش اٹھائے
مرہم کا یہ پھا ہا تو مرے داغ پہ جم لے
ہم غمزدہ دنیا سے گئے دردِ الم لے
کیا مصحفی خستہ کے دل پر تو مٹا ہے
زلفوں کی کمندوں میں کوئی صیدِ حرم لے

۶۹۲

دکھا کر منہ کو چھپ جایا نہ کیجے
میں اس وضع ترسایا نہ کیجے
مجھے کیا بلکہ مشاطہ کو اپنے
منالی ہاتھ دکھلایا نہ کیجے
جو آیا کیجیے بندے کے آگے
تو میری جان! شرمایا نہ کیجے
تمہیں کہتا ہوں، اے دامنِ درازدا
مری آتش کو بھڑکایا نہ کیجے
پکارے گو کوئی، یوں گھر سے باہر
کھلے بالوں نکل آیا نہ کیجے
تمہاری زلف بل کھاوے تو کھاوے
ولیکن آپ بل کھایا نہ کیجے
خطا پاؤ گے اک دن مصحفی تم
بہت اس کوچے میں جایا نہ کیجے

۶۹۳

کیا کروں میں جو گلستاں میں بہا را آئی ہے
یاں تو آنکھوں میں مری جانِ نزار آئی ہے
مر گیا ہوں تو مری روح بھی تجھ کو، قاتل!
تیرے دردِ ازے پہ جا جا کے پکار آئی ہے
اک ذرا رہ کہ مری آنکھوں میں جو قطرہٴ اشک
جان ترے قدموں پہ ہونے کو نثار آئی ہے
تینخ کو سان پہ رکھا ہے سرے قاتل نے
آج شاید اجلِ تازہ شکار آئی ہے
ہے بہت رنگِ حنا آج جو تغیر مگر
بازی ہاتھوں سے ترے رات وہ ہا را آئی ہے

مصحفی ضد سے وہ ٹکڑا کے چلا ہے اس کو
راہ میں اس کی اگر میری مزار آئی ہے

مجت میں صادق یہ اغیار ٹھہرے
 نہ ٹھہرے دل میں پیکاں تو تیرا
 میں بیچا دل اپنا تمہارے ہی ہاتھوں
 گلی سے تری کوئی پنج کر نہ آیا
 دل آنسو سے ہے سین کی رگزر میں
 ستم یہ بڑا ہے کہ یہ بے دفا بھی
 ہوئے کامیاب اُس سے، بیدرد یا رب
 برسنے کا ساون کے خطرہ نہیں کچھ
 صفِ جنگ سے ٹل گئے سب فلک کی
 گلی سے تری ہم تو اٹھ کر چلے تھے
 ٹھہر جائے یہ جان برباد سیدہ
 تو اک دار میں ہانپ جاتا ہے بیچارہ!
 ہم اک بات کہہ کر گنہگار ٹھہرے
 غنیمت ہے یہ بھی جو سونہار ٹھہرے
 کہ اس جنس کے تم خریدار ٹھہرے
 چٹیلے گئے دے جو دو پار ٹھہرے
 عجب ہے کہ اس گھر کی دیوار ٹھہرے
 ستم کر کے ہم پر وفادار ٹھہرے
 ہم ان حسرتوں کے سزاوار ٹھہرے
 جھڑی تیری، اے چشمِ خونبار ٹھہرے
 جو ٹھہرے تو میدان میں یار ٹھہرے
 ہوا ضعف مانع، سونا چار ٹھہرے
 جو وعدے پہ اپنے وہ عیار ٹھہرے
 ترے ہاتھ میں کیونکہ تلوار ٹھہرے

سدا ہم سے بیوشیاں ہی ہوئیں یاں
 ہم اے مصحفی کیونکہ ہشیار ٹھہرے

برقِ رخسارِ یار پھر چمکی
 تو نے پھر اس کو سان پر رکھا
 میرے گریے سے آبِ دُنا آیا
 خونِ عاشق سے وہ زہِ دامن
 دیکھو پاؤں رکھ دیا کس نے
 وہ جواک نہیں سی ہے دل میں مرے
 اس چمن کی بہار پھر چمکی
 تیرے خنجر کی دھار پھر چمکی
 صورتِ روزگار پھر چمکی
 دمِ شمشیر وار پھر چمکی
 آج کیوں لوک خار پھر چمکی؟
 رہ کے بے اختیار پھر چمکی

مصحفی کی جو تو نے ڈرریزی

شاعری تیری یار پھر چمکی

۶۹۶

کبھی ہو، بحر میں ہم بے قرار ہوتے تھے
لگا رہا تھا نشانے پہ کل وہ تیرا دھر
گئے وہ دن کہ بہ تحریکِ نالہ بلبلی
خوشی کے مارے میں گل کھا کے رہ میں جا بیٹھا
میں دیکھتا تھا کھڑا اک طرف جو راہ میں رات
عرق کی بوندیں نہ گرتی تھیں اُس کے گھر سے
تو جا کے اُس کی گلی کے نشانہ ہوتے تھے
ادھر وہ میرے کلجے کے پار ہوتے تھے
ہم اُس چمن میں مہیائے کار ہوتے تھے
کہ کل وہ سیرِ چمن کو سوار ہوتے تھے
تمہارے غیر کے قول و قرار ہوتے تھے
ستارے بدر کے رو پر نشانہ ہوتے تھے

نہ پوچھو ہم سے میاں مصحفی کہاں تھے تم

خراب پھرتے تھے گلیوں میں خوار ہوتے تھے

۶۹۷

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
اس کے کوچے میں ہے نہ صورتِ بیادنی
نہیں معلوم کہ ماتم ہے ظک پر کس کا
وہ میں اپنی بھی ہے باریک تراز مؤگردن
کر کے میں یاد دل اپنے کو بہت رقتا ہوں
اس کی مژگاں کا کوئی نام نہ لو کیا حاصل
کوئی شہر میں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے؟
قتل ہر خستہ باندا زِ دگر ہوتا ہے
روز کیوں چاک گریبانِ سحر ہوتا ہے؟
یتخ کے ساتھ یہاں ذکرِ کمر ہوتا ہے
جب کسی شخص کا دنیا سے سفر ہوتا ہے
میرا ان باتوں سے سوراخ، جگر ہوتا ہے

مصحفی ہم تو ترے ملنے کو آئے کئی بار

اے دِوانے! تو کسی وقت بھی گھر ہوتا ہے؟

کبھو پلکیں جی میں دبا گئے کبھو انکھ ٹریوں کو لڑا گئے
 سحر آکے مجھ کو دے ناز سے چڑھی بھوں جو اپنی دکھا گئے
 ہے قدم قدم پہ نشانِ خوں، سرِ خار سارے ہیں لالہ گول
 سرِ راہ باتیں وہ کرتے تھے کسو ساتھ آنکھیں ملا ملا
 رہے نقشِ پاکی طرح سے ہم چین جہاں میں ہزار حیف
 کھلے بندوں در پہ وہ بیٹھے تھے جوں ہی سامنے سے آگیا
 نہ چلے جنازے کے ساتھ دے، مرے دو قدم بھی تو ناز سے
 ٹک اسی بہانے سے دکھیں ہم تمہیں اس میں کیا ہے بھلا بُرا
 غرض اس طرح ہی یہ خوب رو مجھے چاہ اپنی جتا گئے
 کہوں کیا کہ غصے کی شکل سے مرے دل کو کیسے دھجائے
 کوئی مجھ سے پوچھے تو یوں کہوں کہی یاں سے آبلہ پا گئے
 میں اچان چک جوں ہی آگیا مجھے دیکھا آنکھیں چرا گئے
 ہو مثالِ بادِ دریا یہ تھے دے بزرگِ موج ہوا گئے
 نہ بن آیا کچھ تو دوپٹے میں دو نہیں گات اپنی چھپا گئے
 یوں نہیں کہنے سننے سے خلق کے ذرا ہاتھ آ کے لگا گئے
 اگر آکے کوٹھے پہ دھوپ میں کبھو سر کے بال سُکھا گئے
 گئے پھوڑ وادیِ عشق میں مجھے ہر باں سبھی مصحفی
 میں اکیلا روتا ہی رہ گیا کہ نہ ساتھ اپنے بلا گئے

غرض ان بیوناؤں سے وفاداری تو مشکل ہے
 بتنگ آئے ہیں ہم تھوڑی سی بخشش میں معاذ اللہ!
 تپِ غم کا علاج، اے دل! جو کچھ ہو تجھ سے کرنا وہ
 ہجومِ جلوہ خوں کے ہم پامال ہیں، ہم سے
 مرمتِ قصرِ تن کی کر کہ ہے ناموسِ جاں اس میں
 بہت ناصح نے ضبطِ گریہ و زاری کو فرمایا
 مددِ ادیرہ خونبار کا اپنے بھی کچھ کیجئے
 نہ کیجئے آپ بھی گرا اپنی غمخواری تو مشکل ہے
 گرا آئے درمیاں میں اور یزاری تو مشکل ہے
 وگرنہ ہو گئی مژمن یہ بیماری تو مشکل ہے
 اب ایسے وقت میں دل کی خبرداری تو مشکل ہے
 جو ناگہ ڈھے گئی یہ چار دیواری تو مشکل ہے
 کروں کیا آہ ضبطِ گریہ و زاری تو مشکل ہے
 اگر لویں ہی رہے ناسور سے جاری تو مشکل ہے

لگا بیٹھے ہو تم جی جان تک داؤِ محبت میں
 یہ بازی بھی جو تم نے مصحفی ہاری تو مشکل ہے

تیرے سوا کسو کی تمنا نہ چاہیے
 خوگر نہیں ہوئے ہوتا شے کے تم ابھی
 مجلس میں اپنی میری نگاہوں کو دیکھ کر
 پیچھے پڑے ہو تم جو بلا کی طسرح تمہیں
 ہر گوشہ دیکھتے ہو کہ زگر ہے دیدہ باز
 دل بن رہا ہے غم سے ترے جیسے ابلہ
 اسباب زندگی جو میسر ہو تو ، دلا !
 ساعد کی ناز کی پہ یہ تیری ہے مجھ کو رحم
 غافل ! نہ آساں کے تلے خواب گاہ کر
 کہتی ہے شرم عشق یہی نت مجھے کہ "یار !
 آنے میں تو بہار کے کہتے ہیں دیر ہے
 جس تازہ گل میں ہووے نہ تیرے بدن کی بو

تو چاہے گر ہمیں تو میاں کیا نہ چاہیے
 ہر لحظہ تم کو آئندہ دیکھنا نہ چاہیے
 کہتا ہے اس کے سامنے بیٹھنا نہ چاہیے
 اتنا خیالِ عاشقِ رسوا نہ چاہیے
 بندِ قبا کو باغ میں کھولا نہ چاہیے
 کیا فائدہ ہے، بس اسے چھیڑنا نہ چاہیے
 سب چاہیے ہے زلیت کو کیا کیا نہ چاہیے
 ہاتھوں میں تیرے پھولوں کا دستا نہ چاہیے
 زیرِ پلِ شکستہ تو سویا نہ چاہیے
 گلیوں میں ڈارہیں مار کے رویا نہ چاہیے
 ہم کو بھی غش سے ہوش میں آیا نہ چاہیے
 انصاف تو یہ ہے اُسے مونگھانا نہ چاہیے

غصے میں منہ تھمے وہ بیٹھتا ہے مصحفی

اب اُس سے ایسے وقت میں بولا نہ چاہیے

دحشت اگر یہی ہے تو صحرا کو جائیں گے
 صورت سے تو ہماری خفا ہے تو لے چلے
 ان خوش قدوں کے ہاتھ سے جادوں کہاں نکل
 مانگی ہزار بار دعا پر نہ کچھ ہوا
 محرابِ تیغِ یار ہوئی جلوہ گر تو ہم
 آنکھیں برنگِ آئینہ اس دم تو خشک ہیں

صحرا کے دھنیوں سے دل اپنا لگائیں گے
 پھر آگے تجھ کو اپنی نہ صورت دکھائیں گے
 یہ چال ہے تو مجھ پہ قیامت یہ لائیں گے
 ناچار اب دعا ہی سے ہم ہاتھ اٹھائیں گے
 سجدے میں سب سے آگے سر اپنا ٹھکائیں گے
 گر تر ہوئیں تو ان سے ہی دریا بہائیں گے

کل ایک نے کہا کہ، میاں مصحفی، یہ بات ق کہتے تھے اب کے اس کی جو مجلس میں آئیں گے
پھونکیں گے اس کے کان میں کچھ اور ہی فلول اور اس بہانے زلف کا بوسہ اڑائیں گے

کہنے لگا وہ شورخ کہ ”کچھ ان دنوں کے بیچ

وے بے ادب ہوئے ہیں بہت مار کھائیں گے“

۷۰۲

چمن کے بیچ ہے اب تو بہارِ عباسی	نگہ سے کیجیے بوس و کنارِ عباسی
اگا ہے خاک سے شاید بطالعِ عاشق	کہ رنگِ زر سے ہے مانا غدارِ عباسی
سپید و سرخ نظر آتے ہیں گل اس کے مجھے	ہیں بھول سیم و طلا کے شمارِ عباسی
گلابی رنگ کی میں اس کے کیا کردن تیرا	ہے میری آنکھوں میں اب تک شمارِ عباسی
چمن ہے تختہ نقاش کی سراسر شکل	وے ہوا ہوں میں اس میں دو چارِ عباسی
بنا ہے ان سے زبس تختہ چمن گلام	ہوا ہے مرغِ دل اپنا شکارِ عباسی
گنے وہ کیونکہ بھلا داغ میرے سینے کے	نہ کی ہو باغ میں جس نے شمارِ عباسی
بہارِ لالہ خونیں کی خوش نہیں آتی	ہوا ہے جب سے مراد ل فکارِ عباسی

نقطہ اس نے کیا شیخ مصحفی کا خون

ہے سیدوں کی بھی قاتل بہارِ عباسی

۷۰۳

دو مندرِ دوست بے آہ و فناں کیونکر رہے؟	عشق ہے یہ تو چھپائے سے نہاں کیونکر رہے؟
جوشِ گل سے ساکنانِ باغ پر ہے عرصہ تنگ	دیکھیے بلبیل کا اس میں آستیاں کیونکر رہے؟
یوں بھی ہوتی ہے اُسے تو ہاے بے چینی زیاد	ایک ہی کر دٹ یہ جسمِ ناتواں کیونکر رہے؟
کیا بلا درپیش آئی اُن کو ایسی کیا ہوا	پیچھے اس منزل میں میرے ہم راہ کیونکر رہے؟
وصل کی شب ہے نہیں تدبیر بن آتی کچھ آہ!	کیا کروں گردش سے اس شبِ آسمان کیونکر رہے؟

اک نگہ میں صبر و طاقت کا ہوا خانہ خراب
 میں تو زنداں میں پھنسا، اے جانِ عاشق! یہ ہو
 جب کترنی سی چلے اس کی زباں ہر بات میں
 خلق نے میری طرف سے اس کو کچھ کچھ ہی کہا
 دل مرے کہنے میں اب، اے دوستاں! کیونکر رہے؟
 بارے تم کو نے سے سیرِ گلستاں کیونکر رہے؟
 منہ میں مجھ کو بخت کے، یارو! زباں کیونکر رہے
 پاس میرے رات کو وہ بدگماں کیونکر رہے
 عشق کا گھوڑا نیٹ منہ زور ہے، اے مصحفی
 ہاتھ میں میرے بھلا اس کی عنایاں کیونکر رہے

۷۰۴

مگر کہ جذب کی طاقت گئی گریباں سے
 زمینِ جادہ جو ہے رشکِ کہکشاں، یارب
 اداے شکر کروں کیا میں تیرے تیروں کا
 نظر تو کیجیو کن شوخیوں سے رنگِ کفک
 خبر تو لیجو کوئی خستہ مر گیا تو نہ ہو
 یہ کیا سلوک کیا تو نے مجھ سے دستِ جنوں
 سراغِ قافلہ اشک کیجیے کیونکر
 زبں میں آنکھوں پہ دھڑکے ہاتھ روتا ہوں
 نمک کو چھڑکے ہے وہ زخم پر مرے کم کم
 ذرا تو دیکھیو اس طفلِ نازنیں کی بہار
 ہوا نہ گریے سے کم سوزِ سینہ بلکہ مرا
 بغیر قیس کے یاں تک یہ دشتِ سونا ہے
 کہ اشک گزرے ہے مانندِ چاک داماں سے
 گیا ہے گرم یہ کناں کون اس بیاباں سے
 کہ چاکِ دل کو مرے سی دیا ہے پیکاں سے
 کرے ہے جلوہ گرمی اس کے طرفِ داماں سے
 کہ آج آتی ہے آوازِ نوحہ زنداں سے
 کہ سی دیا مراد امن میرے گریباں سے
 گیا ہے دور نکل وہ دیارِ حرماں سے
 ہیں آستینوں کے حلقے تنورِ طوفاں سے
 مزہ ہو جب کہ نمک گرم پڑے نمکدراں سے
 بغل میں پھول لیے آئے ہے گلستاں سے
 یہ آگ اور بھی بھڑکی ہوائے باراں سے
 کہ وحشت آتی ہے اک سایہ مغیلاں سے

یہ کس کے شوق میں اے مصحفی تو روتا ہے
 لہو چھپے ہے جوئیوں تیری چشمِ گریباں سے

گڑے ہیں کشتہ الفت جہاں زمیں کے تلے
ذرا تو گورِ غریباں میں رکھ سمجد کے قدم
اس آسماں سے دل اپنا بتنگ آیا ہے
زمیں کے پردے نہ ہوں کس طرح سے چادرِ یوز
گیا میں لے کے جو داغِ فراقِ سیمبرِاں
مسافرانِ عدم کی خبر نہ پوچھو کچھ
بنے ہیں خون سے واں گلستاں زمیں کے تلے
کہ ہر قدم پہ ہے یاں آستاں زمیں کے تلے
بنادیں گے کوئی اور آسماں زمیں کے تلے
ہوئے ہیں چاند کے ٹکڑے نہاں زمیں کے تلے
جلا کریں گے مرے استخواں زمیں کے تلے
کہ گم ہوئے ہیں بہت کارواں زمیں کے تلے
جو دیکھا کھول کے میں مصحفی کی تربت کو
گڑے ہوئے تھے کئی استخواں زمیں کے تلے

اگر بتوں کی تمنا سے دل مرا پھر جائے
قبول ہوتی ہے زاری نہ ہے دعا میں اثر
جو دیکھتا ہے مرا حالِ زار کہتا ہے
بھلا رکھے کوئی بیگانے سے توقع کیا
عجب نہیں جو تری خو کے ڈر سے اے ظالم
بغیر خشت نہ ہو ہم کو تاجِ زرِ روزی
کیا ہے بند خدا نے درِ اجابت کو
اگر میں روئے پہ آؤں برنگِ ابر بہار
پڑا ہے اس طرح اُس زلفِ تابدار میں پیچ
ہمارے دل کو مشبک ہی پھر تو دیکھے خلق
کو ہوشِ جی تم آج کتنا یہ ہودہ
تری ہی راہ میں بنوادیں گے مزارِ اپنی
تو دو نہیں شعر و سخن کا مرے مزا پھر جائے
میں ہوں وہ بندہ کہ جس بندے سے خدا پھر جائے
خدا کرے کہ کہیں اُس سے دل مرا پھر جائے
جب آشنا ہی سے بے پیچ آشنا پھر جائے
زباں پر آ کے مری حرفِ مدعا پھر جائے
ہمارے سر پہ اگر سایہ ہما پھر جائے
کہ تاٹیک کے سراپنا مری دعا پھر جائے
ابھی زمانے کی اے دوستو ہوا پھر جائے
کہ جس طرح کوئی نٹ کھاتے ہی کلا پھر جائے
گر اس طرف تری مڑگاں کا رخ ذرا پھر جائے
مجھے یہ ڈر ہے کہیں سر نہ آپ کا پھر جائے
ہماری خاک پہ شاید قدم ترا پھر جائے

خدا خدا بھی کہا میں تو کچھ نہیں ہوتا ہزار حیف کہ بندے سے یوں خدا پھر جائے
 پکارتا ہے تجھے مصحفی جواب تو دے
 کھڑا رہے یہ ترے آستان پہ یا پھر جائے

۷۰۷

قفس میں مرغِ گرفتار کیوں پھڑکتا ہے خبر تو لو کوئی کیا اُس کا دل دھڑکتا ہے
 نہ میری آگ پہ دامن جھپک، صبا! در نہ اس آگ سے ابھی شعلہ کوئی بھڑکتا ہے
 کہو نہ ابر کو دل کھول کر ذرا برے یہ میری خاک پہ پانی سا کیا پھڑکتا ہے
 کدھر چلا ہے، کھڑا رہ، ذرا تماشا دیکھ ابھی تو خاک پہ بسمل ترا پھڑکتا ہے
 میں اس کی نظروں میں اتنا ہوا ہوں غار و ذلیل کہ بات بات پہ میرے تئیں جھڑکتا ہے
 ملوں میں مصحفی اُس خانہ جنگ سے کیونکر
 کہ اُس کے ملنے سے اپنا توجہ دھڑکتا ہے

۷۰۸

داں کبے ذقن اس نے زلفوں میں چھپالی ہے جی دیتے ہیں ہم ناحق یہ چاہ نرالی ہے
 بھولوں کی چھڑی جس کے ہاتھوں سے نہ اُٹھتی تھی اب نامِ خدا اس نے تلوار سنبھالی ہے
 مجلس میں کوئی اس کی کیا جادے کہ اب داں تو ہر حرف میں جھڑکی ہے ہر بات میں گالی ہے
 وہ جن و صفا، اے بُت! تجھ میں ہے کہ صلح نے تصویر تری گویا اب سانچے میں ڈھالی ہے
 تیغِ خیمِ ابرو کا دیتا ہے نشان سب کو سینے میں مرے، یارو! جو زخم ہلا لی ہے
 ہر گام پر اک ٹھوکر لگتی ہے مرے دل کو ان روزوں نئی اس نے کچھ چال نکالی ہے
 کب پیک کا رنگ ایسا ہوتا ہے خبر تو لے دامن پہ ترے ظالم لوہو کی سی لالی ہے
 کس طرح کوئی جھانکے، دیوارِ فلک میں تو رختِ جگر کا ہے از بس کہ ہجوم ان پر
 رختہ ہے، نہ روزن ہے، غرض ہے نہ جالی ہے ہر مدنگ میرے بچوں کی سی ڈالی ہے

کیا جانے گیا ہوں میں آغوش میں کس گل کی
 آغوش مری مجھ سے اس رات تو خالی ہے
 کرتا ہوں رقم کس کے دصفِ گمراہِ زک
 اے مصحفی جو میرا ہر شعر خیالی ہے

۷۰۹

زلف اگر دل کو پھنسا رکھتی ہے
 آنکھ پر دوں میں چھپا رکھتی ہے
 ساتھ فہمیدگی گر ہو دے تو پھر
 بت پرستی بھی مزا رکھتی ہے
 چہچہا رنگ مرے نون کا سا
 تیرے پاتوں کی حنا رکھتی ہے
 آرسی ہوتی ہے ستمکھ تیرے
 کچھ بھی آنکھوں میں حیا رکھتی ہے؟
 کر دیا اس نے تو مجھ کو مدہوش
 کس کی بویا در صبا رکھتی ہے؟
 خاکِ دہلی کی ذرا سیر تو کر
 کہ عجب آب و ہوا رکھتی ہے
 ہائے تیکھی نگہ اس کا فر کی
 کیا کہوں میں جو ادا رکھتی ہے
 تیری تصویر کو لے کر شیریں
 بارے اس باغ میں کیا دیکھا ہے
 جب تلک آوے ہے تو پھر کے یہ چال
 آرسی سے نہ کرو، کج نظری
 آہ میری ہے اثر سے ہمدوش
 کیا ہے تقصیر جو ہم کو تجھ سے
 جھک پڑے ہے ہری پابوسی کا
 گوشت اور پوست بھی گل جاتا ہے ق
 جسم کے بیچ یہ کیا رکھتی ہے

مصحفی نام ہے جس چیز کا چاہ

آدمی کو تو کھپا رکھتی ہے

فدا کہیں بندھی ہے کہیں ہے حنا لگی بے طرح ہا ستم یار کے طرز جفا لگی
 نازک ہے میرا شیشہ دل اس قدر کہ بس مثلِ جناب پھوٹ گیا اگر ہوا لگی
 جوں سایہ لگ چلا میں تو وہ مجھ کو دیکھ کر بولا یہ میرے پیچھے کہاں کی بلا لگی
 کیوں نیچی نظریں کر لیں، میاں! یہ تو تو بتا آئینہ دیکھتے ہی تجھے کیا حیا لگی
 پھرتا ہے تو، تو گلیوں کے اندر خراب خوار
 اے مصحفی یہ کس کی تجھے بددعا لگی

رباعیات

جواشک ان آنکھوں سے جدا ہوتا ہے مڑگاں تلک آیا کہ فنا ہوتا ہے
نظروں سے گرے نہ کوئی کسی کی یارب نظروں سے گرا بہت برا ہوتا ہے

درد و غم یار جی کا جی ہی میں رہا اس گل سے یہ خار، جی کا جی ہی میں رہا
ردے تو بہت سے ہم ولیکن خسوس نکلا نہ غبار جی کا، جی ہی میں رہا

جواپھ میں رکھتے ہیں بھی منہ پہ نقاب آنکھوں میں ہر ایک بشر کی ہوتا ہے عجب
اے خانہ خراب! لیکن انصاف تو کر اتنا بھی کوئی کسی کو کرتا ہے خراب؟

کر کے اس در پہ آہ و نالے کتنے مہر گئے ہم سے مرنے والے کتنے
اچھی طرح اس نے منہ دکھایا کس کو ترسا ترسا کے مار ڈالے کتنے

دل شغل میں نالے کے تو کیوں رہتا ہے اور اشک ہو آنکھوں سے تو کیوں بہتا ہے
اپنا توجہ آیا ترے ہاتھوں سے بتنگ اے خانہ خراب! کہہ لے کیا کہتا ہے

اے کاش نہ ہم ایسی محبت کرتے اور کرتے تو کچھ صبر و طاقت کرتے
گر ہے یہی بیکلی تو اک دن یارب مر جا دیں گے یوں ہی عصمت، عصمت کرتے

ہے جی میں مقیم کنج عزالت ہو دیں
کیا فائدہ نت کی ہرزہ گردی سے بھلا

اور در در کے داغ اپنے دل کے کھودیں
دنیا تو گئی ہے، دین کو پھر کیوں کھودیں

ہے حیف تو یہ کہ با جمال چوں ہو
یہ وہ ہے مثل کہ مصحفی کہتے ہیں

عصمت اور ہودے ماہل فسق و فجور
برعکس نہند نام زنگی کا نور

ٹوٹا ہے پڑا ایک طرف پیمانہ
نے ذکر ہے یاں نماز، نے روزے کا

لوٹے ہے کوئی ایک طرف متانہ
مسجد نہ ہوئی ہوا یہ قہوہ خانہ

تپ سے ہوئی بندگانِ عالی کو شفا
ہاں وقت ہے حرمی کا اور عہدِ طرب

ہے دل میں سرورِ میاں ہر اک کے پیدا
بھر بادۂ ناب سے تو، ساقی مینا

وہ شوخ ابھی تو مجھ سے رم کرتا ہے
اتنا تو ستم نہیں، نہ ملتا اس کا

جوں چاہیے اختلاط کم کرتا ہے
غیروں سے ملے ہے یہ ستم کرتا ہے

جس دم وہ بہ قصدِ دل ربانی آوے
گو دین سے اپنے ایک عالم پھر جائے

کچھ کام نہ زبرد پارسانی آوے
وہ بت نہ پھرے اگر خدائی آوے

لے دل! تو رہے کا کہ شربانی کب تک؟
اب ہوئے بنائے عمر کوئی دم میں خراب

جوں غنچہ نعل پیچ گلابی کب تک؟
لے خانہ خراب! یہ خرابی کب تک؟

مارے تپِ غم کے میں گلا جاتا ہوں
موقوف جس نہیں ہے جانا میرا

اس داغِ جگر سے سب جلا جاتا ہوں
جوں شمع کھڑا ہوں اور چلا جاتا ہوں

افسوس کہ دل کی بے قراری نہ گئی فریاد و فغان و آہ و زاری نہ گئی
وہ کونسا روز رہے کہ تجھ بن ہوں شمع روتے ہوئے مجھ کو رات ساری نہ گئی

ہر چند کہ وہ ہو کے تنہا جاتا ہے اس بن کوئی عاشق سے رہا جاتا ہے
دل بستگی ہے دل کو زبیں اس سے کمال وہ جھڑکے ہے، یہ ساتھ لگا جاتا ہے

کیا درک کرے مدرکہ انسانی جوں آئینہ لازم ہو جسے حیرانی
سب دیکھا چشمِ دل، بہ اس ہمہ دید سو جھانڈوہ والے غفلت و نادانی

اے عشق! کہیں آگ لگا دے مجھ کو میں ہیزم خشک ہوں جلادے مجھ کو
لے جل کے میں خاک بھی ہوا آپھی آپ اب دیر نہ کر اس میں اڑا دے مجھ کو

اس سال کہ پھر عیدِ سعید آئی ہے تیرے لیے پیغامِ خوشی لائی ہے
کر میر نعیم خان تو عیش و عشرت جب تک کہ ترا جلوسِ امرا لائی ہے

میں دردِ دل اپنا جو نہیں اظہار کیا پھر نامِ دوا کا نہ طبیبوں نے لیا
عیسیٰ کی بھی کر چکا میں کتنی منت اس نے بھی مجھے جوابِ شافی نہ دیا

وہ سیرِ نظارہ درو باہم کہاں؟ وہ وعدہ صبح، وہ گرمیِ شام کہاں؟
وہ زیرِ لب خندہ و دشنام کہاں؟ دل کس سے لگائے، دل آرام کہاں؟

دنیا پر دلچسپ محض مفہوم ہوئی خاطر یہاں آ کے سخت مغموم ہوئی
بندے سے نہ کیجے اب خارا کا شکوہ بس آپ کی کائنات معلوم ہوئی

ہو دم ہے سو دید اس جہاں کا کیجے اندیشہ نہ کچھ سو روزیاں کا کیجے
کچھ وال بھی کیا تھا فکر یہاں آنے کا پس کا ہیکو یاں بھی فکر وہاں کا کیجے

گو آٹھ پہر سامنے نظروں کے رہو یوں کوئی کسی حسین کو تک تو سکو
کیا آنکھ میں اس کی رہی ہے آنکھ گڑو اس آرسی کا تو دھویا دیدہ دیکھو

نے شکوہ دور آسمانی کیجے نے ذکرِ شہانِ پستانی کیجے
اے مصحفی! اب تو اس زلمے کے پیچ جس طرح سے ہووے زندگانی کیجے

نوروزِ عجب سالِ سعید آیا ہے نوروز نہیں یہ روزِ عید آیا ہے
بادام سے کرشگون تو اقل یعنی بادام کے رنگ پہ پدید آیا ہے

ہے برجِ حمل آئنے دارِ نوروز خورشیدِ شرف میں ہے دو چار نوروز
لے آئنے تو بھی ہاتھ میں تاکہ تجھے آنکھوں سے نظر آئے بہار نوروز

یارِ شہرِ اپنیوں چھڑا یا تو نے دیرانے میں مجھ کو لا بٹھایا تو نے
میں اور کہاں یہ لکھنو کی خلقت اے ولے یہ کیا کیا خدا یا تو نے

یارِ تری بزمِ رشکِ گلزار رہے اور بختِ جواں سدا تر یا رہے
ہے مصحفی غریب کی نت یہ دعا جب تک کہ جہاں رہے جہاندار رہے

اس طرح سے روکہ دل کو تسکین ہووے گو دامنِ دآستیں نہ تزیں ہووے
اے دیدہ! لہو کی تہ نہ آنسو میں ملا ہیرے کا عیب ہے جو رنگیں ہووے

مسدس

اے کہ ہم نرمی اغیار خوش آئی ہے تجھے کیا کسی نے کوئی ترکیب دکھائی ہے تجھے
صلح غیروں سے مرے ساتھ لڑائی ہے تجھے وضع کس شوخ طرحدار کی بھائی ہے تجھے

ان دلوں تجھ کو مشوش میں بہت پاتا ہوں

بکھرے بالوں کو ترے دیکھ کے گھبراتا ہوں

کیا کسی سے تجھے ناورد ہے، کیوں خیر تو ہے؟ پھول سا چہرہ ترا زرد ہے کیوں، خیر تو ہے؟

اور دم گرم ترا سرد ہے کیوں خیر تو ہے؟ سچ تو بتلا تجھے کیا درد ہے، کیوں خیر تو ہے؟

اشک آنکھوں سے تری ہیں یہ رواں کس کے لیے؟

اپنا منہ دیکھ تو روتا ہے، میاں! کس کے لیے؟

بعضے کہتے ہیں کہ آسبِ پری ہے تجھ کو بعضے کہتے ہیں پریشاں نظری ہے تجھ کو

بعضے کہتے ہیں کہ دردِ جگری ہے تجھ کو بعضے کہتے ہیں زخود بے خبری ہے تجھ کو

تہمت چند، میاں! تجھ کو لگا چاہتے ہیں

تیری آنکھیں تری پلکوں کا بُرا چاہتے ہیں

اشک آنکھوں سے تری نت جگری نکلتے ہے ساتھ اس اشک کے پھروں بھی ذری نکلتے ہے

گھر سے تو بال کھلے جیسے پری نکلتے ہے وضع سے اک تری شوریدہ سری نکلتے ہے

میں نہ مانوں گا ہوا ہے تو کسی پر عاشق

اُسی ہاتھ میں لے، ہے نہ اسی پر عاشق؟

رنگ چہرے کا ترے زرد ہے، اے غیرتِ راہ! مجھ کو بتلا تو ترا کون ہے ایسا دل خواہ؟
کر گئی دل میں اثر تیرے یہ کس بت کی چاہ؟ حسرت آگیاں نظر آتی ہے مجھے تیری نگاہ

کوفتِ دل کی ترے چہرے سے عیاں ہوتی ہے

چاہ بھی چیز ہے ایسی کہ نہاں ہوتی ہے؟

پر تعجب ہے یہ مجھ کو کہ بہ ایں کا ہشِ غم نہیں رتبے سے گرا حسن کا تیرے عالم
اک کھلے بالوں سے تو نکلے ہے وضعِ ماتم ورنہ آنسو ترے عارض پہ ہیں گلِ پرشبنم

جس سے دہنی نظر آتی ہے نزاکت کی بہار

گل نے پائی ہے کہاں ایسی لطافت کی بہار؟

پھول گل کھاتے ہیں اب تک تری رعنائی پر آنکھیں تاروں کی پڑیں ہیں تری زیبائی پر
دہی عالم ہے ترے حسن کی سرسائی پر تو نے باندھی ہے کمر کے لیے رسوائی پر؟

نام چاہت کا جو ہر دم تو لیا کرتا ہے

اور دن رات یہی ذکر کیا کرتا ہے

دہی چشمک ہے، دہی جھانولی، ویسی ہی نگاہ دہی منہ پھیر کے چلنا، دہی ہر بات پہ واہ
دہی اندازِ قدم کا، دہی رنگینیِ راہ دہی دامن کی درازی، دہی ٹھوکر کا نباہ

دیکھ سب زیرِ وز جس کو ہوئے جاتے ہیں

مردے جی اٹھتے ہیں اور زندے ہوئے جلتے ہیں

آستینوں کی تری مہریاں ویسی ہی تنگ دہی چولی کی مسکاد روہی پنڈے کا رنگ
دہی نن شیشے سا نازک دہی دل بختی میں سنگ دہی مکھڑے کی صفا جیسے کہ تصویرِ فرنگ

اس پہ بھی قدر کو اپنی تو نہ جلنے تو نہ جان

عاشقی خوب نہیں، تجھ کو کہا، میری جان!

گو تو ظاہر میں، زباں پر نہیں لاتا یہ راز پر کہے دیتے ہیں سب مجھ کو یہ تیرے انداز
کون اس کام میں ایسا ہوا تیرا انباز جس کے اغوا سے تو شاہد سے ہوا شاہد باز

آنکھ تیری بھی لگی حسن و نمک پر پڑنے

تو بھی بچوں سے لگاتین پکڑ کر لڑنے

خانہ جنگی کی اگر وضع خوش آئی تجھ کو

روے خوش پر نہیں زمینیدہ لڑائی تجھ کو

در نہ دو کھے گی کھڑی ہو کے خدائی تجھ کو

کوئی دینے کا نہیں اس میں بھلائی تجھ کو

شہر کے لوگ برا تجھ کو کہیں گے سارے

مان کہنے کو مرے بہرِ خار، باز آ رہے

حق میں تیرے نہیں یہ خیرہ سری ہرگز خوب

کیونکہ ہے جان مری تو ابھی آپھی محبوب

عشق بازی کا یہ ہرگز نہیں ہوتا اسلوب

نیک و بد جانتے ہیں اس کے تئیں سب محبوب

کون کہتا ہے نظر باندھنی کیجے موقوف

اک ذرا تیغ د سپر باندھنی کیجے موقوف

اور بھی لوگ ہیں دنیا میں میاں حسن پرست

حوصلہ تم نے کہاں سے یہ نکالا ایک دست؟

ہاتھ میں تیغ لیے پھرتے ہو جیسے بدست

مجھ کو یہ ڈر ہے کہیں آپ پہ آوے نہ شکست

کیونکہ دلی ہے یہاں سیکڑوں خوں ہوتے ہیں

خانہ جنگوں کے علم جلد نگوں ہوتے ہیں

عاشقی شیوہ خوبان خوش اندام نہیں

عاشقی سے کوئی معشوق تو بد نام نہیں

تو دل آرام ہے، کیا اور دل آرام نہیں؟

مصحفی کے تئیں پر اس سے بھی کچھ کام نہیں

یہ سخن محض بھلائی کو تری کہتا ہے

اور جو اس میں بھی بُرا مانے تو چپ رہتا ہے

مختصر

پروانہ اور شمع میں چاہت نہیں رہی بلب سے گل کی گرمی صحبت نہیں رہی
 مجنوں کے ساتھ لیلیٰ کی سنگت نہیں رہی دنیا میں دل کو دل سے محبت نہیں رہی
 ہرگز کہیں دو شخص میں الفت نہیں رہی

سینے سے بہ گیا ہے یہ دل آب ہو کے سب دیکھوں تو میں جگر میں بھی باقی رہی ہے کب
 جسٹہ تھا جب ملک، میں اٹھاتا تھا تیرے اے دیدہ! زار زار نہ رہا اس قدر کہ اب
 مجھ کو بھی گریہ کرنے کی طاقت نہیں رہی

بعد از ہزار سہی کہ ہمت دلیل ہو بالفرض ملنے کی بھی گرا اس سے سبیل ہو
 جاؤں نہ میں فرشتہ مرا گر کفیل ہو مجلس میں اس کی جا کے کوئی کیا ذلیل ہو
 ہرگز موافق اپنے وہ صحبت نہیں رہی

صفحے سے دل کے حرف طمع کو اٹھائیے اہلِ دول سے ملنے کو ہرگز نہ جائیے
 بہتر تو یوں ہے حال بد اپنا چھپائیے کیا جا کے اب کسی کے تئیں منہ دکھائیے
 وقتیکہ وہ زمانے کی صورت نہیں رہی

مشہور ہے جہاں میں تو زور آور اس قدر ہاتھوں سے تیرے سیکڑوں، ظالم! گئے ہیں مر
 کیا فائدہ جو ہو دے مری جان کا ضرر اے غم! فشارِ دل میں نہ انہی بھی سہی کر
 جانے بھی دے کچھ اس میں تو حالت نہیں رہی

لائی تھنا شکنجِ اسیری میں جب ہمیں مشقِ طیش میں ان نے رکھا رزد و شب ہمیں
 گودِ سج ہو دی وہ جس و حرکت ہے کب ہمیں پھر کے ہیں زیرِ دام ہم اتنے کہ اب ہمیں

خنجر تلے تر پنے کی حسرت نہیں رہی
 اس شرم کی بزم میں گراب کے آئے
 اپنی بھی شرم کو نہ تو اس کو دکھائیے
 دیکھے بھی وہ تو آپ نہ سر کو اٹھائیے
 کیا فائدہ ہے اس سے گرا نکھیں ملائیے
 آنکھوں میں اس کی کچھ بھی مرّت نہیں رہی
 داں گر کے ریزہ ریزہ ہو پھوٹی ہے آرسی
 ہیبت نے اس کی سنگ سے کوئی ہے آرسی
 خادم کا ہاتھ کا نپا ہے پھوٹی ہے آرسی
 آتے ہی اس کے سامنے ٹوٹی ہے آرسی
 ہرگز نظر سے اس کی سلامت نہیں رہی
 ظاہر کی دوستی ہی رہی گو ہمارے ساتھ
 اور نہ ہم اس کے ساتھ پھریں دو ہمارے ساتھ
 پر یہ نہیں کہ گرم وفا ہو ہمارے ساتھ
 اتنا امیدہ خو ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ
 الفت تو اک طرف کہ خصومت نہیں رہی
 بازی نہ کھائیو کہیں ان سے تو ردِ سیاہ
 آتے ہیں پیش بے ادبانہ یہ کج کلاہ
 ہر چند ہودیں چہرے میں مانند ہر دماہ
 اے مصحفی نہ کیجے سوئے کو دکاں نگاہ
 اس کام میں بزرگوں کی حرمت نہیں رہی

مخمس بر غزل آصفی

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ پیاں شکن جدا
 آتش میں تن جلے ہے جدا اور من جدا
 ہودے کو طرح سے یہ رنج و محن جدا
 صورت گراں ہلاکم ازاں سیم تن جدا
 سازید صورتے کہ بنا شد ز من جدا
 ہرگز غم معاش سے رکھتا نہیں میں درد
 فکرِ معاد نے نہ کیا رنگِ چہرہ زرد
 جو ربتاں سے بھی نہیں بھرتا میں آہِ سرد
 دارم زلالہ زارِ جہاں داغہا کہ کرد
 یعقوب رازِ یوسفِ گل پیر ہن جدا

ہے بس کہ میری جان مجھے تجھ سے اتحاد
 تیرے سوا کسی کی نہیں میرے دل میں یاد
 جب تک کہ میں ہوں اور ہے تو ہے یہی مراد
 دور از رخت مباد مرا دیدہ بلکہ باد
 مردم زدیدہ، دیدہ ز سر، سر ز تن جدا
 جس وقت تیرے چہرے پہ کرتا ہوں میں نظر
 ہوتا ہے اشتباہ مجھے دل میں بیشتر
 بہر خدا تو میرے تئیں اس سے دے خبر
 خال است زیر چشم سیاہت ز مشک تر
 یا ناف شد ز ناف غزال ختن جدا
 کی زندگی میں تجھ سے دفا میں نے گلبدن
 ایسی کہ گل سے کرنہ سکے بلبل چمن
 مرنے کے بعد بھی جو مرا خاک ہو گا تن
 پیوند نگلد ز سگت استخوان من
 روزیکہ بند بند شود از کفن جدا
 ہر دم تراست بر ہمہ یاراں ترحمی
 گاہے بخویش و گاہے بہ عزیزاں ترحمی
 گاہے بہ مصطفیٰ غزل خواں ترحمی
 داری بحال زار غریباں ترحمی
 جز آصفی کہ بہر تو شد از وطن جدا

در بیان بچہ پسر حجام

ز بس آئینہ رو ہے طفل حجام
 نہیں بن دیکھے اُس کے جی کو آرام
 وہ گرچہ عاشقوں کا ہے کلیجا
 یہ سر سہلائے کے کھاتا ہے بھیجا
 اُسے ہر اک نے بالادست پایا
 تبھی تو اس کے آگے سر نوانا
 نہیں آئینہ ہی با چشم منماک
 ہے شانے کا بھی دل اس ہاتھ سے چاک

جو دیکھے انگلیاں وہ گوری گوری
 ہے اس کے ہاتھ سے ہر ایک مفتوں
 نہرنی لے کے جب وہ پاس آوے
 حجامت اس سے بتا دے جو شایق
 نہیں محتاج کسبت کا وہ لڑکا
 بہ شکلِ استرہ ہے تیغِ ابرو
 یہ چشمِ دیدہ باریک بیناں
 حقِ عاشق میں بہرِ قطعِ اعراض
 کفِ دست اس کا تسمہ نگ ہے دل
 میسر از سرمہ دُنبالہ دارش
 وہ جس کے رو برو ناگاہ آیا
 اگر آوے بہ قصدِ مو سے چینی
 نہ کہینچے خامہ مو اس کی تمثال
 ہے اس کے ہاتھ میں روزی کی مفتاح
 نہیں ملتا وہ ہرگز صبح تا شام
 کرے جب خوش وہ کرے مشتِ مالی
 وہ ہے دندانِ شکن بالہ مشہور
 کچھ اس میں غیرِ جلادی نہیں ہے
 ملا جب آنے کو ایسا نائی
 بنے خورشیدِ پانی کی گوری
 برنگِ شیشہ حجامِ دلِ خوں
 مہ نو بدرِ ناخن سے بتا دے
 کرے یکبارگی ترکِ علایق
 ہے اس کے پاس سب ساماں مٹا
 نہیں کچھ فرق اس میں یکسر مو
 کٹوری چشم ہے اور شانہ مزگاں
 کرے ہے انگلیوں سے کارِ مفرض
 نہ کہیے کیونکر اس کو تیغِ قتال
 کہ ناخن گیر شد منکام کارش
 اسے حیرت نے آئینہ دکھایا
 کرے مینی تلک باریک بینی
 کہ ہے وہ عاشقوں کی ناک کا بال
 خطِ خوباں کو دیتا ہے وہ اصلاح
 کرے ہے گرم جوشی روزِ حتما
 نہ ہو عاشق کا کیونکر کیسہ خالی
 نہیں چوں دیگران محتاجِ زتبور
 کہ اس کا کام نصادی نہیں ہے
 بنائی چار ابرو کی صفائی

سے ہے مصحفی اب تو بھی فی الحال

منڈا کر سر کو ہو جا فارغ البال

در بیان ہجو چارپائی

یہ جو ہم پاس چارپائی ہے
پتی پائیے تمام ناہموار
کچ دواج کچ ہے بس کہ وہ یکسر
کیوں نہ دل داغ غم سے ہو دے تنگ
ڈھانچ سرے اس کا بس کہ اول جلول
پایے ہیں کہنگی سے زرد سیاہ
بس کہ ہے ڈھلڈھلی و پوچ و لچر
اس کی کستا ہوں جس دم ادوا میں
لیک جس وقت اس پہ پاؤں دھرا
بافت کی اس کی کیا کروں تعریف
چھید رکھتے ہزار بانوں میں
گر گدی لے کا اس پہ ہو بستر
آکے جب رات اس پہ سوتا ہوں
یہ وہی ناتواں پلنگڑی ہے
نہ چھپر کھٹے اس کی نسل لے
بس کہ ہے تنگ گیر اس کا نالو
نیچے اور نیچے جو اس کے ہیں پایے
بس کہ دل اس سے خوش نہیں ہوتا

گور ہے یا کنواں یا کھائی ہے
اور بانوں کی جھول جیسے کہ غار
نخس گردوں کو رشک ہے جس پر
کہ درندے ہوئے ہیں مثل پتنگ
کہیں سل بیٹتی نہیں ہے چو ل
سیر وں کا بھی حال پھر ہے تباہ
چو ل کو روز چاہیے پچس
اک ذرا اس گھڑی تو جائے ہے تن
جیسے کوئی کنویں میں آن گرا
تقادہ بافندہ بس کہ ذات شریف
گر ہیں بے شمار بانوں میں
تو بھی چھتی ہیں بھانس جو نشتر
کر کے ضامن کو یاد روتا ہوں
جس کو کہتے ہیں لولی لنگڑی ہے
نہ کھٹوے کی قسم کوئی کہے
اس پہ بیٹھے، پڑیں ہیں کاٹھیں پاؤ
ہیں معطل زمیں پہ پروایے
مارے غصے کے میں نہیں سوتا

جب کہیں آدھی رات جاتی ہے
کیونکہ اس پر کوئی دو گانا ہو
طول میں میرے قدر سے بھی کم تر
ایسی جب تنگ چار پائی ہو
اونگھ کے مارے نیند آتی ہے
گر رہے مجھ سا جو یگانا ہو
عرش میں میرے تن سے بھی لاغر
بس مسافر کی کیا سمائی ہو

اب بھی جانے تو گھر کو خالی کر
مصطفیٰ اس سے بویا بہتر

در صفتِ اجوائن

کیا کروں دصف تیرے، اجوائن!
باو گولے کا تو نے سر توڑا
اشتہا تجھ سے صاف ہوتی ہے
بھوک لگتی ہے تجھ سے صبح و شام
سوءِ مضمہی کو دیوے سے تو شفا
تجھ سے فوراً ڈکار آتی ہے
تیسرے درجے ہے تری تیزی
گاہ کھولے تو سدّہ امعا کا
بلغنی صفرا جس کو ہوتا ہے
ہاتھ پاؤں جس کے ہو گھٹیا
تیری گرمی میں کچھ نہیں ہے تصور
بس کہ اس کی نفخ کی ہے دوا
تو ہے آرام جان و راحتِ تن
رنج نے تیرے ہاتھ گھر چھوڑا
موت سر کو پکڑ کے روتی ہے
تب تو ہے ناخواہ تیرا نام
امتلا تجھ سے ہے اسیر بلا
گلِ جاں پر بہار آتی ہے
سو نہ حدت کو تیری کب پہنچی
کہ کرے بلغم لزج کو فنا
تیرا اک دانہ اس کو کھوتا ہے
ہے ترا تیل اس کا عقدہ کشا
تجھ سے سردی کا دردِ سر ہو دور
دردِ اورام تجھ سے پادے شفا

وقت حاجت ترے عرق کا قطور
 ہڑ کے پانی نے کی بہت تیزی
 نت تو لذت ہر ایک کی چکھے
 کوئی تجھ سے نہ پاوے بچلونا
 تو نہ چورن میں ہو اگر داخل
 دے جو اجزا کو کوٹ چھانتے ہیں
 قدر نفل کی تیرے آگے نہیں
 تیرے دودانے جو کوئی کھا دے
 درد دکھ میں جو ہو دے تو درکار
 بعضے پانی کے ساتھ کھاتے ہیں
 الغرض خشک دتر ہے تو نافع
 تجھ کو کب پہنچے رنگی ہڑ پھونڈی
 بس کہ گرمی ہے تیری برسرِ کار
 گر تری منفعت کو پائے کوئی
 جان تیرے عرق کی قیمت ہے
 بس کہ تو ہے محلّ بلغم
 منفعت تجھ میں ہیں نہ ہفتہ ہزار
 نخلِ صحت کو تن میں بوتے ہیں
 تو غریبوں کے کام آتی ہے
 کوئی کھا جائے گر دو لقمے زیاد
 تیرے دانے کو مرغ اگر کھا دے
 قسم تیری جو ہے خراسانی
 چوٹ کو اس کی سینک جو دیوے

کرتا ہے دردِ گوشِ ریگی دور
 پر نہ پہنچا وہ گرد کو تیری
 عرق گھی کو ار میں بھی تو ہی رہے
 باندھ لاوے کوئی ترا دونا
 پھر وہ چورن بنے تو کیا حاصل
 جزِ اعظم تجھی کو جانتے ہیں
 حق نے دی ہے وہ تیری تیس
 دو ہیں عمرِ دوبارہ وہ پاوے
 جھاڑ اور پھونک کر تجھے یکبار
 بعضے سوکھی ہی پھانک جاتے ہیں
 ہیفنہ محتس کی بھی رافع
 پیلا مور ہے تری لونڈی
 تر پھلے کا بھی سرد ہے بازار
 نہ مڑے کو ہڑ کے کھائے کوئی
 عرقِ بادیاں فصیحوت ہے
 تجھ سے کتا ہے نت دلِ بلغم
 رگِ صحرا ہے جن کا ہونہ شمار
 تیرے دودانے دکھ کو کھوتے ہیں
 رخِ صحت انہیں دکھاتی ہے
 اس کو کر دے ہے محدے میں تواماد
 سنگ دانہ ہو آب بہ جاوے
 اور ہے اس میں بھی تن آسانی
 پوٹلی اس کی درد چن لیوے

گر سٹھوری میں ہو نہ دخل ترا
 اور جو کہتے ہیں تو نہ ہو مخلوط
 بس کہ تو ہے عزیز دینداراں
 دے جو قرآن کریں ہیں اکثر ختم
 بعد ازاں ہاتھوں ہاتھ پیردہواں
 چائے کوئی تری جو پتی ذرا
 کھاوے حیواں اگر ترے اشجار
 میں تو لاؤں اکھاڑ، پاؤں جہاں
 لے کے دو پھول جو ترے کھاوے
 باغِ جنت میں گرنے ہووے تو
 کیونکہ واں کے جو کھائے میوے
 ہوزباں تیز پات تانا مری
 مصحفی کو جلا دیا تو نے ق
 نہ زچہ کو ہو اُس سے نفع ذرا
 عقل ہووے نہ فریب و مضبوط
 از براے شفاے بیماراں
 رمضاں میں کریں ہیں تجھ پر ختم
 تجھ کو لے جاتے ہیں تیرک جاں
 باغ کے باغ پھر تو کر دے ہوا
 نہ نباتات کا رہے آثار
 بیخ و بن سب تری ہی داروے جاں
 غنچہ رطب اس کا کھل جاوے
 میں تو ہرگز کروں نہ اودھر رو
 کون اصلاح ان کو پھر دیوے؟
 کس طرح کر سکوں میں وصف تری
 شعر کا یہ صلا دیا تو نے

تیری ہمت پہ آفریں کہیے
 جانِ آدم ترے تئیں کہیے

SRI PRATAP COLLEGE
LIBRARY

Subject P-6-(i)

No. 47.

اختلافِ نسخ

اشاریہ

کک :	نسخہ لکھنؤ
د :	نسخہ دیوبند
لا :	نسخہ لاہور۔ اول
	(کلیات)
لب :	نسخہ لاہور۔ دوم
پ :	نسخہ پٹنہ
شا :	ابواللیث صدیقی
	(مصحفی اور ان کا کلام)
حسرت :	حسرت : انتخاب سخن
کمال :	(شاہ کمال) تذکرہ مجموعۃ الابیات
ہندی :	مصحفی : تذکرہ ہندی
حسن :	میر حسن : تذکرہ شعراے اردو
آصفیہ :	فرہنگ آصفیہ
نیاز :	لنگار (مصحفی نمبر)
گلزار :	محمد ابراہیم خاں خلیل : گلزار ابراہیم
سرور :	سرور : عمدہ منتخبہ
شیفتہ :	شیفتہ : گلشن بے خار
سحر :	احمد حسن سحر : بہار بے خزان
بیاض :	بیاض ، انڈیا آفس لائبریری

(الف سے مصرعِ اول اور ب سے مصرعِ ثانی مراد ہے)

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱	۲ ب	لا، ث، د	ہے گردش میں
۱	۸ ب	لب، ث	سمن بر
۲	۳ ا	د، حسرت	میرے سر پہ ہو
۲	۳ ا	ث	گئے دن سوتے تھے
۲	۳ ب	لب، ث	نالوں نے میرے
۲	۴ ا	حسرت	روزِ رومال بنا
۲	۷ ب	لب، ث، د، حسرت	ہاتھ ان نے کمر پہ رکھا
۲	۸ ا	لب، ث	کیا برائی جو رہے
۲	۸ ا	لک	اب یاں بیٹھا
۲	۸ ب	ث	در پر بیٹھا (سہو کتابت)
۲	۱۱ ا	د	دیداروں نے
۲	۱۲ ا	ث	لے تو، بھی
۳	۵ ا	آصفیہ	زخم سے اترتا کھرنڈ
		حسرت، ث	اترتا تھا کھرنڈ
		لا، لک، د	اترا تھا کھرنڈ
۳	۶ ا	لب، ث، د	کچھ ادا دیکھیں
۳	۸ ب	لا، لب، ث، لک، د	کہیں مکھڑا سنور چکا
۳	۹ ب	آصفیہ	نیچہ یہ تیرا
۳	۱۱ ا	لب	چہرہ خراشی دے کشی (سہو کتابت)
۳	۱۱ ب	ث	تیرے ہاتھوں سے
۳	۱۶ ا	لا	میں رویا خونِ دل

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۴	۱۲	ث	روئے کا کھاتا ہے قسم
۴	۱۶	لب، ث	ہو دیکھ
۴	۱۸	لب، ث، د	مہیں نہ کر شور
۴	۱۲	ث، لب	ہلے اب یہ گرم خوشی
۴	۱۳	ث	میں تو سر فراز کا (؟)
۴	۱۴	ہندی	میں تو کرتے
۴	۱۴	ہندی	ہم سے دست آویز تھا
۵	۱۳	لب	ہرگز نہ سوچھا (ہرگز "مرکر" پڑھا جاتا ہے)
		ث	مرکر (ہرگز؟) نہ سوچھا
۵	۴	پ، لب، لک	خوں ریز
۵	۸	ث	میں جو دکھلایا
۵	۱۲	لک، لب، ث	کاہے کو بیٹھوں جا کے
۶	۱۲	د، لک، پ، لب، ث	پھونکی میں اس کے جب وہ بات
۶	۵	لک	اس کو تو
۶	۶	ث	کام اپنا
۶	۸	پ	اس کا فرکی
۶	۱۴	لب، ث	تورشتہ رہے گا
۶	۱۵	د	خاکِ عدم کے
۶	۱۶	ث	گر اس فصل میں
۷	۱۴	ث	الٹا جو صبح
۷	۸	ث	ایک دل کو تو
۷	۱۴	د، لب، ث	دلِ بیمار
		پ	دلِ بیتاب
۸	۷	پ، لب	کیوں قتل کیا مصحفی خستہ کو تو نے

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۸	۱۶ ب	لب	داں آ کر کے
۸	۱۷ ا	ث	یا تو آگے آئینہ دیکھتے
۹	۱۶ ا	ث	ہم بھی نہیں اب آشنا
۹	۱۷ ا	ث	یوں کب آتے تھے غش
۹	۱۸ ا	د، لک، لا	اس کو یہ تلوار
۹	۱۹ ا	د، لب	یاں جن کو ہے یہ عشق کی
۹	۲۰ ا	ر	کھینچے ہے اپنی اپنی طرف
۹	۲۱ ا	لب، ث	اک نگہ میں
۹	۲۲ ا	ث	وہ بھی ہے یک بیک
	۲۳ ب	ث	خوبان کج کلاہ کی دستار
۱۰	۲۴ ا	لا	ہم جیسے
۱۰	۲۵ ا	ث	تجھے ہے مری قسم
		حسرت	تجھے میری ہی قسم
۱۰	۲۶ ب	حسرت، د	کوئی اور طر حدار
۱۰	۲۷ ا	د	بحر اشک کا
۱۱	۲۸ ب	ث	جس جا کہ
۱۱	۲۹ ا	ث	تا سحر صداغ
۱۱	۳۰ ا	ث	تو بھی فرو نہ ہوئی (۹)
۱۲	۳۱ ا	لا، لب، لک، د	کیا اب تو عشق کو
۱۲	۳۲ ب	لک	بس تو تو رو رہی
۱۲	۳۳ ا	ث	آ گلے سے لگ
۱۲	۳۴ ا	لب	ہر وہاں ہوس سا ہر جائی
۱۲	۳۵ ب	ث	ہے مصحفی تو گر دیدہ
۱۳	۳۶ ب	لب	رو و مت

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۳	۱۲	کک	گردن نہیں کھلتا
		لب	دل نہیں لگتا
۱۳	۱۸	ث	دمِ مرحوم (۹)
۱۲	۱۶	حسرت	وصل میں ایسے ے
۱۲	۳ ب	ث	منہ کو شیراز کیا
۱۲	۱۲	حسرت، نیاز	ہم نے ذرا قصد حب کیا
۱۲	۹ ب	لب، ث، د	اگر وعدہ شب کیا
۱۲	۱۳	ث	باتنِ گریہ (۹)
۱۲	۱۳	کک	انساں نہیں کوئی
۱۲	۱۴	لب، ث	ماہِ جبین کی
۱۲	۱۴ ب	پ، کک	زندہ نہیں کوئی مگر اک دم ہے ہمارا
”لا“ میں پہلے متن کے مطابق تھابعد میں ”زندہ“ کا اضافہ کیا گیا۔			
۱۵	۱۳	کک	کیا جامہٴ صد چاک کو
۱۵	۸	اصل	مصرعوں کی ترتیب غلط ہو گئی ہے
۱۵	۸ ب	سرور	زہر بھی مجھ کو
۱۶	۱ ب	کک	حشر تک
۱۶	۱۲	ث	غنیمت ہے
۱۶	۸	لب، ث	زخمِ سینہ پر
۱۴	۱۲	حسرت	کدھر کہاں وہ کینجِ قفس (سہوکتا بت)
۱۴	۸	لا	باہم ہوئی یوں تو دید و ادید
۱۴	۱۲ ب	نیاز	وہ بھی خانہٴ خراب ہی نکلا
۱۹	۱۲	لا	اک کاٹ سی ہے
۱۹	۶	لا، پ	نالہ مرا کرتا تھے
۱۹	۱۲ ب	لا	جاؤ کہیں

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۹	۱۳ ب	لا، لک، پ، د	تم سیر گلستاں میں
۱۹	۱۴ ا	شفیتہ	میرے ہاتھ موت
۲۰	۱۲ ا	لب	صبا برگ گل
۲۱	۲ ا	د	جب خاک تری
۲۱	۳ ا	لا	زلفوں سے میں نے اس کی
۲۱	۸ ا	لک	فلک کا ہوتا نہیں گزارا
۲۱	۱۲ ا	حسرت	میں دیوانہ ہوں
۲۲	۱۱ ا	حسرت	جو اس کوچے میں پہنچنا
۲۲	۱ ب	د	مرے پیغام
۲۲	۱ ب	حسرت	اپنی ہی کہنا
۲۲	۷ ا	لب	حلق میں گیا (سہو کتابت)
۲۲	۱۶ ا	لب، لک	دارغ عشق
۲۵	۳ ا	لا، لب، لک، د	صور اسرافیل سے
۲۵	۴ ا	حسرت	میرے جی میں رات
۲۵	۱۰ ا	حسرت	دہن (ب) میں رات
۲۵	۱۸ ب	د، حسرت	جو میں اے مصحفی
۲۶	۱ ب	لک	اس باب میں
۲۶	۳ ا	لب	تکلیف پہلو کیا
۲۶	۳ ب	لب	جی سے اترتا
۲۶	۳ ب	لب	رفتہ رفتہ اس نے ہے
۲۶	۸ ا	حسرت	چین ہی جاتا رہا ہے
۲۶	۱۰ ا	لب	جس کو نہ لگا
۲۶	۱۷ ا	لب	نت فرشِ گلیم
		لک	فرشِ گلیم لکھ کر قلم زد کیا گیا ہے

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۷	۶ ب	د، حسرت، نیاز	پس پردہ سے
۲۸	۱۵ ا	د	اس شوخ نے دوہیں
۲۸	۱۶ ا	د	ترے عود کے مانند
۲۹	۱۳ ا	د	خردہ پہنچا
۳۰	۸ ب	لا	اب تیری زباں دانی کا
۳۰	۱۶ ا	لب	چمن میں چیں بجیں
۳۱	۳ ا	حسرت	ملنے کا مانع
		لا	ملنے میں مانع
۳۱	۵ ا	د، لا، لب	صنف تر
۳۱	۷ ا	حسرت	اس چمن میں
۳۱	۷ ا	لک، لب	لباس عشق
۳۱	۸ ا	لب	مطرب پسر کی دست درازی کو دیکھیے
		حسرت	مطرب پسر کو دست درازی کی مشق ہے
۳۲	۱۲ ا	لا	تجھے جب کہ ہم راہِ اغیار دیکھا
		لب	تجھے جب سے
۳۲	۱۲ ب	د	منہ اپنا
۳۳	۲ ا	د	سمجھے وہ نہ مومن
۳۳	۵ ا	د	دیکھ کر وہ بولا
۳۳	۷ ا	حسرت	زلفوں کی برہمی نے
۳۳	۸ ب	حسرت	بے گمان مارا
		لب	بے تکان
۳۳	۱۳ ب	د	خبر تھی جی رات
۳۴	۶ ا	لا	نہ قطرہ اشک نے
۳۴	۱۷ ا	د	تیز تیغ آیا نظر

صفحہ نمبر	شرح صفحہ	حوالہ	اختلاف
۳۵	۸	ک	آہ جاتی ہے
۳۶	۳	د	موجہ (؟) اس کام کا تو ہے
۳۷	۲	ب	پالو کا بھی دھمکانا
۳۷	۲	د	مل گیا
۳۷	۱۰	ب	کوئی دار پر چڑھا ہے کوئی تیغ تک رہا ہے
۳۷	۱۳	ب	کیا جانے گیا ہے
۳۷	۱۲	ب	نقشا بھی ہم وہاں کا
۳۷	۱۶	ب	ہاتھ اٹھا
۳۷	۱۷	لا	منہ چھپایا
۳۸	۱۵	ب	مشتاق یہ دل برسوں
۳۸	۱۲	ب	نقشا کچھ
۳۹	۱	ب	جو صید گہ میں تیری آیا قضا کا مارا
۳۹	۲	ب	ٹکڑے پڑا ہوا تھا
۳۹	۹	ب	بیاباں کی تو دیکھے
۳۹	۱۲	ب	وہ کشتہ غم
۴۰	۱۲	ب	آتا ہے مجھ کو یاد
۴۰	۱۸	د	لیکن اک دن
۴۱	۱۶	ب	عشق تو کیا
۴۲	۱۰	د	انگلیاں جن کی (؟)
۴۲	۱۱	ب	بے کسوں کا
۴۲	۱۳	ب	صحرا کے کرگسوں کا
۴۳	۲	د، پ، ب	جوں دیا منہ ان نے کھول
۴۳	۶	ب	جب خدائے دوست (سہو کتابت)
۴۳	۱۲	ث	تب کرتے ہو رم کیا

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۴۳	۱۷ ب	د	زیادہ موقوف کیا
۴۵	۲ ب	د	گردش میں ہی
۴۵	۳ ا	ک	بستہ بوں کے
۴۵	۳ ب	پ، لا	حکم اس کی دم تیغ کو ہے آب رواں کا
۴۵	۸ ب	ک، د	حسن بتاں کا
	۱۰ ا	ک، پ	دور کھینچی ہے
	۱۶ ا	د	باتوں میں کوئی اس کی
	۱۷ ب	پ، لب، د	غم مارا
۴۶	۳ ا	پ، ک	لبِ جانناں
	۹ ا	پ، ک	کہتا تھا
	۱۲ ا	پ	نہ کوئی بولو
۴۷	۱ ب	د، لب	جوشانے کے ہاتھ سے
۴۸	۷ ب	ک	بیاں کیا کیجیے البتہ
۴۸	۸ ا	ک، پ	سج کو بنا
۴۸	۱۰ ا	ک، لب	سنگیں دلاں
۵۰	۱ ب	د	سوئی تاگا
۵۰	۱۵ ا	ک	چرخ پر
۵۰	۱۷ ب	ک، د	سج تو کہہ
۵۲	۲ ب	لب، د	رہوا کر دیا
۵۲	۵ ا	ک، د	دی ملی ساتی نے
۵۲	۱۸ ا	د	مارے ڈر کے کچھ اس سے
۵۲	۲ ا	لب، د	ساتھی ہو
۵۲	۱۳ ب	د	نہ کبھی تارا
۵۲	۱۵ ا	ب	آئینے کا

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۵۵	۲۱۶	لا، لب، در، حسرت	بالش سرے گزرا
۵۵	۸	حسرت	اے مصحفی
۵۵	۱۲	حسرت	رکھے گاواں قدم کو
۵۶	۸	د	رہتے ہیں کیا بلاواں
۵۶	۱۵	د	جفا کی کریں
۵۷	۸	حسرت	آوارہ پڑا رہتا ہوں
۵۷	۱۶	د	کوئی گبرو کوئی مسلمان کوئی جمع کوئی پریشان
۵۹	۱۲	د	اور تو بیٹھے بھی
۵۹	۱۳	د	باقی نہ رہی
۵۹	۱۵	لب، لک، د	اب تو کچھ مجھ کو یہ بھیکا سا نظر آتا ہے
۶۰	۵	۴ صفیہ	حمام کی طرف جو گیا بہر غسل تو
۶۰	۶	لا	دشت عشق میں
۶۰	۹	حسرت	دیدہ رخسار
۶۰	۱۲	لب	ان آنکھوں سے
۶۱	۲	لب	بھلا اے دوستوں
۶۱	۲	حسرت	کبھی اشک
۶۱	۱۳	لک	آخر کو مہتاب (۶)
۶۱	۱۵	لب، د	روز سجدہ کریں تھے
۶۲	۱	ہندی	وہ صیدِ رس بستہ
۶۲	۱۳	حسرت	نجلت سے ہاتھ میں
۶۲	۱۴	حسرت	دامان رہ گیا
۶۲	۱۱	حسرت	ہم الم اپنا
۶۲	۲	د	مرے سینے ہی میں
۶۵	۵	لک	اک اس زمین میں ہی تو اور اے مصحفی کہہ جا

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۶۵	۸	حسرت	غمیں (؟) ہم کو دکھاتا ہے
۶۵	۱۱	لب، حسرت، د	نت اے عشق
۶۵	۱۳	حسرت	کیا گزرا اسیروں پر
۶۵	۱۴	د	ہم امید رکھتے تھے
۶۵	۱۴	لک	یہ روشن
		د	یہ یارب
۶۵	۲۰	د، حسرت	نہ لے تو آگے میرے نام
۶۶	۱۰	د	قبول، انا
۶۶	۴	لب	ہرگز نہ تاب لایا
۶۶	۱۲	حسرت	کیا دیکھتا ہے لے بھی
	۱۲	حسرت	ہو آپ یار ساقی شراب جام لایا (؟)
۶۸	۱۰	لب، د	یہ کہتے
	۱۰	لا، د	ہو جاگی صبح روشن
		لب	ظالم یہ وصل کی شب
۶۹	۳	لا، لب، د	شب ہجران میں میری
۷۰	۸	د	نامہ آمال (سہو کتابت)
۷۰	۱۰	د	عذاب عجیم تھا
۷۰	۱۵	حسرت	کہ باغ میں
۷۰	۱۴	حسرت	مارے اشک (؟) کے
۷۱	۱۵	د	پار کیسے شتاب
۷۱	۱۳	د	رفتار تو دیکھو
۷۳	۱۱	سرور	وہ جوانی تھی (؟)
۷۳	۲	لا، لالی، لک، لالہ، د، علی	
۷۴	۲	د	جاگتے تھے یہ نصیب اپنے

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۷۵	۱۵	حسرت	تم نہ کہتے تھے
	۱۱	لب	مر گئے، چھوٹ گئے
۷۶	۱۰	لک	عرشِ ناساز (؟)
	۱۲	لب، لک، دل	دیتا ہی نہیں
۷۷	۷	لب، لک	یہ بھی ہوتی ہے
۸۰	۱	د	کہیں میں
	۲	ث	رہا پر دل
۸۱	۸	د	نہ کر مجھ سے تو
۸۱	۱۴	لا، د	رنگِ درخ سے
۸۳	۵	لا	جھڑ پڑے
۸۴	۹	لب، د	عرقِ آلودہ یار
۸۶	۱	د	صورت پرست
۸۶	۸	د	دیکھی ہے
۸۷	۶	د	اس باغ سے
۸۷	۱۱	د	ہم پھرین
۸۸	۱۲	د	عاشقِ ترسا کا
۸۹	۹	د	اس گلِ بیتاب کو
۸۹	۱۷	د	ہے لاش پہ
۹۰	۱۲	د	ہے کیا علاج
۹۱	۳	لا، لب، د	سو آگے ہی پڑ چکے
۹۲	۸	د	چمکے پھرتے ہو تو
۹۲	۱۱	د	شورِ بیا نہیں مرزائی کا
۹۲	۱۷	د	نہ کیوں خون میں لوٹیں
۹۳	۱	د	اپنے جی پر

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۹۳	۱ ۱	حسرت	اپنی جن نے
۹۳	۱ ۴	لا، د	کیا چھپے کریں تھے
۹۳	۱ ۷	د	نکل پڑے ہے
۹۳	۱ ۱۲	د	زخمی تیغِ زبانِ شمع
۹۴	۲ ب	د	محمل کے بیچ
۹۴	۴ ب	لا، د	اپنا دیوانہ کی طرح
۹۴	۱۳ ب	لا	بس کہ لیتی تھی
۹۵	۸ ۱	د	تھی دیدنی
۹۸	۴ ب	د	مشہور غلط ہے یہ
۹۸	۱۳ ب	د	تپ والے کو
۹۹	۲ ب	د	ہوا تو تو میاں سرد
۹۹	۱۳ ۱	د	ہم اس کا عجب نہیں
۹۹	۱۶ ۱	لا	چہرے پہ ایک کے بھی
۱۰۰	۱۲ ب	لا	شب سے سحر سفید
۱۰۲	۴ ب	لا	ہوئیں آخر کو ہم
۱۰۳	۶ ۱	لب	اُس نے یارب
۱۰۷	۸ ۱	د، لا	چوبِ قفس کو بند کر
۱۰۶	۷ ب	د	یوں ہی ہو جادیں گے
۱۰۶	۱۶ ۱	د	افس کہ ہوئے تڑپیں
۱۰۸	۸ ۱	لا	اُنکو تو یارِ ذبح کیا
۱۰۹	۴ ۱	لک، لا	جیتا کوئی نہ آیا
۱۰۹	۴ ب	لک،	جائے تو جا سمجھ کر
۱۰۹	۸ ۱	حسرت	بے (یے) دیدہ تر
۱۱۰	۱۵ ۱	د	رنتِ تورہ رواں

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۱۳	۴ ۱	سرور	میری جان اتارا
۱۱۳	۱۰ ب	د	اب اُس کے سچی رہتی ہے
۱۱۴	۱۲ ۱	حسرت، د	عجب ڈھنگ دیکھا
۱۱۵	۹ ب	لک	اک پڑے تھے
۱۱۵	۱۰ ۱	د	کہیں خدا
۱۱۶	۱۰ ۱	د	خوب رو تو
۱۱۶	۱۱ ب	حسرت	پھرتا ہے ہر گلی میں
۱۱۷	۲ ب	حسن	قابل خیر
۱۱۸	۳ ۱	لا	آنکھیں جب سے کھلیں
۱۱۸	۱۵ ۱	گلزار	آگیا خط
۱۱۸	۱۵ ب	گلزار	ڈھپ پہ
۱۱۹	۱ ب	لب، د، لک	لگا رہتے ہیں
۱۱۹	۱۲ ۱	لب	مے پر ہے وہ سارا
۱۲۰	۳ ب	لب	برسر طادس
۱۲۱	۱ ۱ ب	لب، د	شعر کی ترتیب الٹی ہے
۱۲۲	۹ ۱	د، لب، لک، سرور	کیون نہ یہ زلف پھنسنے
۱۲۳	۱ ب	لک	لوگ سب جمع ہوئے
۱۲۳	۲ ۱	حسرت	رنگ معشوقی صیاد
۱۲۳	۶ ۱	د	ایسے عالم سے
۱۲۳	۷ ب	لک	دیکھتے کب تک
۱۲۳	۱۳ ۱	لب	خواہش رخسار میں جاں دیتا ہوں
۱۲۴	۲ ب	لب	داں دل سے ہی افزائش
"	"	حسن	داں اتنی ہی افزائش
۱۲۴	۶ ب	حسن	اُس سے بھی فرمائش

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۲۴	۹	لب، حسن	دیکھئے کیا صورت ہو
۱۲۵	ب	د	دیکھی نہیں
۱۲۵	۷	حسرت	صرف میں لاؤ
۱۲۵	۱۵	د	لے ہاتھوں پہ
۱۲۶	۹	لا، د	تیرے جی سے اخلاص
۱۲۷	۳	د	کیا عیب کوئی دیکھ کے بتلاوے
۱۲۷	۱۴	د	اُس کا غبارِ عارض
۱۲۸	۱۱	د	کھینچا ہے گرچہ
۱۲۸	۱۲	پ، د	شراب سرخ
۱۲۹	۴	د	نے بار شمع
۱۳۱	۲	د	کچھ کچھ کھلا رہے گا
۱۳۲	۴	د	اب پھر مدام تیغ
۱۳۲	۷	پ	ابر و مرزاں سے
۱۳۲	۱۱	حسرت، د	چھنالی تیغ
۱۳۳	۱۲	د	بیٹھے ہیں بجاں آمدہ
۱۳۳	۱۳	د	ترے خوں میں
۱۳۴	۸	لب، د	جادے کبھی
۱۳۴	۱۰	لب، د	جب لعل لب سے ہو ہے تو اپنے گہر نشاں
۱۳۴	۱۶	پ	کم بخت ایک ہم ہی
۱۳۵	۷	د	برگشتہ بختی پر نہ ہنسومیری دیکھو تم
۱۳۵	۷	لب	میاں نام کی طرف
۱۳۶	۷	د	ان باتوں کے تئیں
۱۳۸	۱	لا، د	خلق اگر
۱۳۸	۷	د	ہو جا ہے

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۳۹	۱۲	لا	کوچے پہ اُس کے
۱۳۹	۱۳ ب	د	پھر ہوئی ہے رسائی ہم کو کمر تک (۹)
۱۳۹	۱۴	د	جو میں لکھ لکھ کے
۱۴۰	۱ ب	د	تیرے جگر تک
۱۴۱	۱۳	آصفیہ	اے شوق
۱۴۱	۲ ب	آصفیہ	نہ آتے جاتے تو لانگھ
۱۴۱	۱۰ ب	لب	خنجر قاتل
۱۴۱	۱۶	د	جاے سپندر عود جلانا
۱۴۲	۵ ب	حسرت	زخموں میں چراتا ہے
۱۴۳	۴ ب	د	اور ہاتھ ہیں دونوں
۱۴۳	۵	د	نمود کم تھی
۱۴۳	۸	لا	کبھی تیرے دام تک
"	"	لب	کوئی تیرے دام تک
۱۴۴	۵ ب	د	آتی ہے ان کے رنگ میں
۱۴۴	۱۲	د	میری تربت کو (۹)
۱۴۵	۱ ب	د	آنکھوں میں ہی پھرتی
۱۴۵	۴	د	ہو چکے وہ دل
۱۴۶	۱۱	حسرت	لب بستہ
۱۴۶	۱۵	حسرت	ہو گئے خاموش
۱۴۷	۶ ب	د	ہے مٹھنی یہ ہی تو مری
۱۴۷	۱۱	د	سُنی نہ دیکھی
۱۴۹	۱۱	د	ترے حق لب نے؟
۱۴۹	۱۳ ب	د	مسکنے سے
۱۵۰	۲ ب	سحر	لب سے میں اتنا

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۵۰	۱۷۷	د	از بس کہ ڈال رکھے ہیں
۱۵۱	۱۷۸	د	جواہلِ جوش
۱۵۲	۱۷۹	لا، لب، د	دل کی نافہمی سے اپنا جی تو اب گہرا گیا
	۱۸۰	د	باغ سے جاتے
۱۵۳	۱۸۱	لک، د	رات میں دامن میں کرہم
۱۵۴	۱۸۲	د	خوش ہونے کا نہیں
۱۵۵	۱۸۳	لا، لب، د، لک	کسی سے
	۱۸۴	حسرت	گر مجلسِ خواباں میں ذرا سیر کی باہم
	۱۸۵	لا، لب، د	کیا وصلِ شب کا میں کہوں
۱۵۶	۱۸۶	حسرت	پیش ازیں
	۱۸۷	د	یہ بھی کوئی انصاف ہے
	۱۸۸	د	وے بے خبری
	۱۸۹	لب	ہے کوئی پیچھے
		د	ہے گو پیچھے
۱۵۷	۱۹۰	لب	بند کب کی
۱۵۸	۱۹۱	لا، لب، لک	اپنی جان
۱۵۹	۱۹۲	د	سو پھر ساماں کہاں
	۱۹۳	د	اس شوخ سے کھا رہتے ہیں
۱۶۰	۱۹۴	د	خلقِ بسل
	۱۹۵	پ	شمارِ آستین
	۱۹۶	ث	کیا کیا ہوں (۹)
۱۶۱	۱۹۷	اصفیہ	یہ خوش جنہوں کی
	۱۹۸	د	طفلوں میں

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۶۱	۱۶ ا	د	اے یار د
	۱۶ ب	لب	مت پوچھ تیرے روبرو
		لک	مت پوچھ، تجھ سے
۱۶۲	۷ ب	لا	بٹھا رکھے کون
۱۶۳	۱۳ ب	د	کھولی کبھی سوہم نے
	۱۴ ا	لب	سر کو پٹیا ہوں
۱۶۵	۵ ب	د	پاتھوں کے تئیں
	۶ ا	د	کبھی کھاتا ہے وہ گریبان
	۱۵ ا	د	اک جلوہ
۱۶۶	۱۷ ا	لب	کوئی داد
۱۶۷	۱۶ ا	حسرت	تجھ کو بتاؤں کیا
۱۶۸	۱ ب	حسرت	غضب کی ہوتی ہیں
۱۷۰	۲ ب	د	کون وہ مرغِ چمن ہے
	۱۱ ا	د	روتا چلا ہے
۱۷۱	۵ ا	د	مشکل ہووے
	۱۱ ب	لب	کبھی ہوتا ہے
۱۷۳	۱۰ ب	د	یا کہ اب
۱۷۶	۱۴ ب	د	جو مرضی اللہ ہی نہیں
۱۷۷	۱۳ ب	حسرت	یہی تو
	۱۴ ب	حسرت	میں جب ناچار ہو کر
۱۷۹	۲ ب	پ	سو ہووے ہے
		د	سو ہووے یہ شفا کی کہاں
۱۸۰	۴ ا	حسرت	سن بعدِ مرگ (۹)
۱۸۱	۱۰ ا	د	ایک دن در پہ کھڑا

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۱۸۲	۴ ب	سرور	کردن چشم میں
۱۸۴	۱۴ ب	د	کردن افشاں
۱۸۵	۱۹ ا	پ	مجھ سے ہر دم
۱۸۷	۱۴ ا	پ	جان اپنی
۱۹۱	۹ ب	لک	پھر جو کئی
۱۹۲	۱۱ ب	پ	یا خود ہی میں شاید ہوں (یہی ترین قیاس ہے)
۱۹۵	۴ ا	پ، لک، الب	کس طرح میں نہ باندھوں
۱۹۵	۱۵ ا	د	آنسوؤں کا ہے مجھے اپنے
۱۹۶	۱۱ ب	آصفیہ	آپ نے دیکھے تو نہیں
۱۹۶	۱۲ ا	پ	میں قربان کہیں
۱۹۷	۶ ا	لک	درد محبت کی دوا
۱۹۷	۱۷ ب	د	لہروں کے ہاتھ میں ہے جو تلوار تنگیان
۱۹۹	۳ ا	د	کبھی اُس پر
۱۹۹	۱۵ ب	د	اُس کی خانہ داروں سے مت پوچھو
۱۹۹	۱۶ ب	پ	خرابی شہر کی
۲۰۰	۶ ب	د	ہائے اُس روز
۲۰۰	۹ ب	اصل	فساد (سہو کتابت)
۲۰۰	۱۱ ا	پ، د	ہر نخل جو آ
۲۰۱	۱۵ ب	حسرت	بہنے دو
۲۰۱	۱۷ ا	د	آپ ہی پھر
۲۰۲	۱ ا	پ	فتنہ نہیں ہے کہ وہ
۲۰۳	۱ ا	پ	اور نہ بام پر آوے
۲۰۳	۵ ب	د	گلی بجال تباہ (سہو کتابت)
۲۰۳	۶ ا	پ	تم کہو سو بار اگر

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۰۲	۱۲	پ	تو بھی مر نہیں جاتا
۲۰۳	۱۵	د	آستان سے دور ہو
۲۰۴	۸	پ	چل بے یاں سے دور ہو
۲۰۴	۹	د	لیک گر آیا
		پ	منہ سے منہ اس کے لگا
۲۰۴	۱۰	سرور	ادھر دیکھو، کدھر دیکھو
۲۰۴	۱۰	پ	آؤ نہ ادھر کاٹ لوتن سے مرے سر کو
۲۰۵	۷	پ	دیکھ دل
۲۰۶	۹	پ	بے طرح پہ
۲۰۶	۱۲	لک، د، لب	تو ہاتھ سے
۲۰۷	۱۱	د	خانے کو یجائے (سہو کتابت)
۲۰۸	۹	د	برسر دل تیری ہے (؟)
۲۰۹	۶	د	دہیں میاں چرالو
۲۱۰	۱	د	دل بے جگر
۲۱۰	۱۷	د	چھپائے ہوئے تم جاتے ہو
۲۱۰	۱۸	د، پ	نہیں ہونے کی صلاح
۲۱۱	۱	سرور	کس کشتی پہ یار بتا خشکیں ہے تو
۲۱۱	۹	پ	خاتم پہ چشم میری کے
۲۱۱	۱۱	پ	جو اس قدر ہے اندوہ گیں
۲۱۱	۱۶	پ	کچھ اس کی جب تک تو
۲۱۳	۱۲	پ	جا بے کیوں آیا
۲۱۳	۵	پ	آئے ہم بھی تو ہیں
"	"	د	آئے ہم بھی تو ہیں
۲۱۴	۱	پ	تب تو شب سے

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۱۴	۱ ۵	پ	اُس نے چُن کے
۲۱۴	ب ۷	پ	تم ہمارے پاس بھی ایک شب کو
۲۱۵	۱ ۶	د	رگ نیچے (سہو کتابت)
۲۱۵	۱ ۹	د	دل سے تصویر (سہو کتابت)
۲۱۵	ب ۱۷	پ	کس بات پہ چلیں بہ چلیں
۲۱۵	۱ ۱۸	پ	باندھو تو سر میرا
۲۱۶	۱ ۱	د	کچھ مجھ کو نہیں کام کسی سے
۲۱۷	ب ۲	د	مجلس سے تیری رخ
۲۱۷	۱ ۵	ہر نسخے میں	دے ڈالو (ڈالو) دل مصحفی
۲۱۷	۱ ۶	د	ہم نے چاہا تھا کرنیکو
	۱ ۶	سرور	آج جاناں پہ نگاہ
	ب ۶	سرور	اکثر سرِ مرزاں پہ نگاہ
۲۱۷	۱ ۱۳	د	ہم تو مدت سستی
۲۱۷	ب ۱۴	پ	ان اوراقِ پریشاں
۲۱۷	۱ ۱۵	د	ڈریے اُس چشم سے
۲۱۸	ب ۲	پ	ترمی چشم کے
	۱ ۶	سرور	جس جاگہ
۲۱۹	۱ ۷	گلزار	دہاں کلفتِ دل
۲۱۹	۱ ۸	د	شہیدوں کو ترے
		حسرت، پ	شہیدوں کو مرے
۲۱۹	ب ۸	د	جوشِ خوں سے ہے یہ خود
۲۱۹	ب ۹	د	سو شرارِ آلودہ
۲۲۰	۱ ۱	پ	دل کہ خون شیشہ سے
۲۲۰	۱ ۲	پ	ہم کو حیرت

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۲۱	۶ ۱	د، لا	اُس کا شکست
۲۲۱	۱۲ ب	د	دو چار آئے (سہو کتابت)
۲۲۲	۳ ۱	د	قاتل ہے کون
۲۲۲	۱۲ ب	پ	ٹک بھی تو میاں
۲۲۲	۱۳ ب	پ	ہے یہ بھی کوئی چال
۲۲۳	۷ ۱	د	گرا اُس کا
۲۲۳	۱۶ ۱	لک، ب، لب	دوبے دل دیکھ
۲۲۵	۱۷ ۱	د	کہا دے اُس کو
۲۲۶	۵ ۱	پ، لک	دنیا سے سفر کرتا ہے
۲۲۶	۹ ۱	پ	جلی شب
۲۲۶	۱۰ ۱	پ	ہرگز نہ اُسٹیں گے یاں سے
	۱۷ ۱	اصفیہ	دمبدم سینے میں نالہ ہے دم سرد ہے آہ
			سراٹھانے نہیں دیتا ہے یہ کچھ درد ہے آہ
۲۲۷	۱ ۱	سرور	جگہ تھا پیکاں (پیکاں ہی قرین قیاس ہے)
۲۲۷	۱ ۱	لا، لب، پ، د	گئے دے دن
۲۲۷	۲ ۱	د، پ	کو نصیب
۲۲۷	۵ ۱	پ، د	میں دکھلایا
۲۲۷	۱۲ ۱	پ	دولوں جہاں ہم
	۱۷ ب	سرور	اور ظالم مرے جگر کو
۲۲۸	۶ ب	پ	دل تو ٹک خوش ہے
۲۲۸	۱۶ ۱	بیاض، زیبا	جو آنکھ
۲۲۹	۴ ب	پ	ہماری بھی چشم زار
۲۲۹	۱۷ ب	پ	اک دل خستہ میں
۲۲۹	۸ ۱	سرور	آخری ہم سے سنو

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۳۲	۱۳	د، لا	برقعہ ہے یا
۲۳۲	۱۴	د	دھڑائیاں اُس کی
۲۳۳	۶	د	کہو تم کدھر ادر کہاں بیٹھے
۲۳۳	۸	پ، لک	یاں آئیے
		د	یہ آئیے
۲۳۳	۱۲	پ، لک، لب	تم آنکھوں میں بیٹھے ہوئے ہو
۲۳۳	۱۵	سرور	پر دے سے (دل سے) ہیں اس
۲۳۴	۲	د	یہی نکلے ہے آواز
۲۳۴	۳	لک	اللہ کے ہیں
۲۳۴	۴	د	کبھو کا ہے
۲۳۴	۱۴	پ	جس رہ میں
۲۳۵	۱	پ	ہم کو رہنا تھا
۲۳۵	۴	پ، لک	اک بدلی
۲۳۵	۱۶	د، لک	عجب مزا ہو
۲۳۶	۵	لا، پ، د، حسرت	خط لکھ لکھ
۲۳۶	۱۳	لک	اُس کو کوئی
۲۳۷	۱۴	پ	کنو بی میں
۲۳۸	۱۱	پ	کیا کیا جھکے
۲۳۹	۸	د	قرض عام
۲۳۹	۱۳	لک	کیوں آنکھ جھکے
۲۳۹	۱۵	لک، د	دے خوں کے
۲۳۹	۱۸	لا، لک، د	دے میاں
		پ	وہ میاں
۲۴۰	۲	پ، لک	کیا عہد دنا

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۴۰	۹	حسرت	شاعر وہ ہے جو ایسی زمیں پر
۲۴۰	۱۱	د	مک دل بس
۲۴۱	۳	ب	رگِ فتراک
۲۴۲	۷	پ	درپے صد جستجو
۲۴۳	۸	پ	سب پانوں پھیلائے ہوئے
۲۴۳	۷	ب	پھڑکائے ہوئے
۲۴۵	۸	رک	اس آنے میں جانے میں
۲۴۵	۱۲	پ	گلے سے کلی
۲۴۸	۳	ہندی	نراکت کو نظر کیجیو
۲۴۸	۶	ہندی	میرے پہلو سے
۲۴۸	۱۰	پ	کیا حصول ہے
۲۵۰	۶	پ	بلائے جاں ہے ہوتی
۲۵۲	۱۵	د	کھینچ اُس کو اک دن
			(حاشیہ پر لڑکے)
۲۵۳	۳	ب	سدا (سہو کتابت)
۲۵۳	۵	ب	تو اب مارا اٹھا ہے
۲۵۴	۸	لا، د	گریہ دزاری کرتے
۲۵۶	۱۲	اصل، لا، پ	اب تک آنکھوں سے
۲۵۷	۴	اصل اور ہر نسخے میں	اگر تک کی ہے ہم نے جنش (ناموزوں)
۲۵۷	۱۲	پ، لک	اُسی کو کہتے ہیں سنا ہوئے گا
۲۵۸	۳	اصل، د	جواک ہم
۲۵۸	۶	د	باندھتے ہو تو کیا
۲۵۸	۱۲	اصل، د، لا	ہیں ایسے کہاں
۲۵۹	۲	د	نہ اُس سے لیے

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۵۹	۸ ۱	د	پھیری نہ ہرگز
۲۶۰	۲ ۱	حسرت	ہم نے لالہ (۹)
۲۶۰	۵ ب	د	جیسے شب چراغ
"	"	حسرت	مسل چراغ
۲۶۰	۷ ۱	حسرت	کون آیا ہے
۲۶۲	۶ ب	د	میں ادھر ترسوں ہوں
۲۶۲	۹ ب	د	دعویٰ محشر
۲۶۳	۱ ۱	پ	اُس بے گناہ پر
۲۶۳	۱ ب	پ	غوغائے خلق ہے
۲۶۴	۸ ب	لا، د	صحبت کہاں رہی
			(اصل میں - صوت پڑھا جاتا ہے - صحبت ہی ہونا چاہیے)
۲۶۵	۴ ب	د، ب	ہم ایک ہی اُس کی
۲۶۶	۱۳ ب	د	زباں نہ ایک دن
۲۶۸	۱۶ ب	حسرت	جز درد و غم
۲۶۹	۱۲ ۱	حسرت	اُس شوخ کو عاقل
۲۷۰	۹ ب	پ	نعلش گرمی ہے
۲۷۱	۵ ب	پ	کیے ہی بنے
۲۷۱	۱۵ ۱	د	نامے کو یوں مت
۲۷۳	۸ ۱	حسرت	آغازِ صبح
۲۷۴	۹ ۱	حسرت	جانفشانی
۲۷۶	۱۰ ۱	پ	اُس شامل کا
۲۷۶	۱۴ ۱	د	عین آفت میں
۲۷۷	۱۵ ۱	د	لے دل دیوانہ
۲۸۰	۱۳ ۱	پ	مار یوں ڈالتے نہیں

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۲۸۰	۱۵ ب	د	جاتا ہے کہاں
۲۸۲	۱۷ ب	د	کرتے ہیں یوں صفا
۲۸۷	۱۰ ا	پ	زرگس پہ تم نگاہ
۲۸۸	۳ ب	د	دیکھا جواب
۲۸۸	۱۳ ب	د	خاکِ کر بلا سے ہی
۲۹۰	۵ ب	پ	رہنے کا ٹھکانا
۲۹۰	۷ ب	پ	بہانہ چاہئے
۲۹۰	۱۲ ا	د	اے عشق اب کے وہ تری
۲۹۱	۲ ا	پ	عشق کی ہم کو کھلاتا ہے قسم
۲۹۱	۱۲ ا	د	جوں ہی ڈالی
۲۹۲	۱۶ ا	پ	نہ آتا تھا جن کو خواب
۲۹۵	۱۷ ا	د	یار کے قابو میں
۲۹۷	۷ ا	د	شیریں تو دیکھ کر
۲۹۸	۱۳ ب	د، پ، لا	عاشق کو وقت دقت
۲۹۸	۱۶ ا	پ	اجل لگائے ہوئے گھات
۲۹۹	۵ ب	د	اور مسمیٰ پر ہے
۲۹۹	۱۶ ا	پ	نہ کچھ سراغ
۳۰۰	۱ ا	پ	جو مجھ کو یار
۳۰۰	۱۵ ب	پ	مگر خدا سے
"	"	لب	گہر خدا سے
۳۰۱	۹ ا	لب، پ	کہا تھا میں بوسہ
۳۰۲	۴ ا	د، لا، لب	خالی ہی گزرے
۳۰۴	۴ ب	پ	وہ بھیجے گا
۳۰۵	۵ ا	لا، لب	گریباں کے تئیں ہے

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۳۰۵	۱ ۷	لب	رسم ہے یہ
۳۰۶	۱ ۵	پ	آ مصحفی کی ہر عیادت
۳۱۰	۱ ۶	د	ہم نام لے چکے ہیں
	۱ ۳	سرور	صاحب کا نام کیا ہے
۳۱۱	۱ ۸	حسرت	عسرت نے ابھی سے
۳۱۱	۱ ۹	حسرت	مجھ کو ہنسونا
۳۱۱	۱ ۱۷	د	ہر جالی ہو
۳۱۳	ب ۵	سرور	کی تر ہوتی ہے
۳۱۵	ب ۱۶	پ	شعلہ سر بلند کرے
۳۱۷	ب ۱۱	د	آ تہ رہے
۳۱۷	ب ۱۵	د	مرے منہ سے
۳۱۸	۱ ۱۳	آ صفیہ	کھنڈ لٹا ہاے
۳۱۹	۱ ۱۰	پ، لک، لب	ہے تجھ پہ تو
۳۲۰	۱ ۸	حسرت	اُس کے جرم میں (سہو کتابت)
۳۲۱	۱ ۱۱	لب	اوروں سے ہے یہ
۳۲۳	ب ۴	اصل، د	تم کو گلے لگا کے
۳۲۴	۱ ۸	د	نفس پر ناصح کی
۳۲۶	۱ ۱۲	حسن	ہے نہاں
	"	پ	ہیں یہاں
۳۲۶	۱ ۱۳	حسن	نہ کر ہم کو ہوس
۳۲۶	ب ۱۳	حسن	کسی دیوار گلستاں
۳۲۷	۱ ۱۶	د	جسے تصویر دکھائی
۳۲۸	۱ ۴	لا، لب، پ	حنا کے ساتھ ہی
۳۲۹	۱ ۱۰	لب، پ	کیوں نہ کروں
۳۸۶			

صفحہ نمبر	شعر نمبر	حوالہ	اختلاف
۳۲۹	۱۳ ب	پ، لا، لب، د	اکثر (۹)
۳۲۹	۸ ا	سرور	جب سے کہ شمشیر طلا کی
۳۲۵	۱ ب	پ	چاہ اپنی دکھا گئے
۳۲۵	۲ ا	پ	صبح آنے
۳۳۵	۴ ب	اصل (عاشیہ پر) لا، لب، پ، د	نظر میں جرا گئے
۳۳۶	۶ ب	پ	عیش کو کیا کیا نہ چاہیے
۳۳۷	۱۵ ب	لب	پر چشم ناتواں
۳۳۹	۲ ا	د	اب دل بتنگ آیا ہے
۳۳۹	۵ ا	لب، د	فراقِ سیم تنناں
۳۳۹	۱۰ ب	لا، حسرت	دل ترا پھر جاے
۳۳۹	۱۷ ب	پ	گرا اس طرح
"	"	لا	کہ اس طرف
۳۴۲	۸ ا	لک	دکھایا کس کو
۳۴۲	۱۱ ب	پ	زور و طاقت کرتے
"	"	لک	صبر بہ طاقت کرتے
۳۴۶	۲ ب	لا	پس یاں بھی نہ کچھ فکر
"	"	د	پس یاں بھی فکر
۳۵۰	۵ ا	د	جس سے تھا
۳۵۳	۲ ا	گلزار	جو دیکھیں
	۲ ب	گلزار	بنا خورشید

SRI PRATAP COLLEGE
LIBRARY

Subject P-6-(i)

No. 47

فرہنگ

اچھنا: (ہ) پیدا ہونا، جی میں آنا

اٹی: (ہ) سوت کی لچھی

اٹیرن ہونا: (ہ) چکرا جانا

اچپلا: شوخ اچپلاہٹ، اچپلائی: شوخی

چٹون میں وہ لگاؤٹ، سرے کی وہ گھلاؤٹ

پھر قہر یہ سجاؤٹ، یہ اچپلائیوں ہوں

— انشا

اچان چک: (ہ) اچانک، دفعتاً

اچوک: (ہ) خطانہ کرنے والا

احتیاج: (ع) ضرورت، حاجت

احتیاط: (ع) حفاظت،

جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں

گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

— درد

احسنت: (ع) خوب، آفریں

ازند: (ہ) بڑے بڑے پتوں والا ایک درخت، جس کے

پتے منہدی لگا کر باندھے جاتے ہیں۔

اشتباہ: (ع) گمان، شبہ

آشتی: (ف) صلح، دوستی

اغوا: (ف) درغلانا

Spring College
SRINAGAR

افتاد: (ف) طرز، مصیبت

افترا باندھنا: (ا) بہتان لگانا

اک ڈال: (ہ) بے جوڑ

اکٹانا: (ہ) دل برداشتہ ہونا، گھبرانا

اگلنا: (ہ) نکالنا، تلوار کا نیام سے باہر نکل پڑنا

الجھیرا: (ہ) جھگڑا، مصیبت

تیری زلفوں کے نہ الجھیرے میں جو کوئی پھنسے

وہ جہاں جائے کسی طرح نمودار نہ ہو

— انشا

الّا: (ع) سوا، مگر

الی الان کماکان: (ع) اب تک ہے جیسا کہ تھا

اچور: (ہ) بمعنی لاغر، سوکھا ہوا

امڑنا: (ہ) جمع ہونا، نکلنا

امتلا: (ع) بد معنی، جی متلانا

امعا: (ع) انترپی

انباز: (ف) سناہتی

اولی البصار: (ع) بصیرت والا

اول جلول: (ہ) لاطائل، بے معنی

اورام: (دورم)

اوگھٹ: (ہ) ناہموار، دشوار

ادجھڑ: (ہ) ضرب

اکمن: (ع) بے خوف

انیٹھنا: (ہ) روٹھنا، خفا ہونا، اکرنا

بالا پوش: (ف) لحاف، پلنگ پوش

بان: (ہ) تیر، ایک قسم کی ہوائی

باجنا: (ہ) مشہور ہونا، موسوم ہونا (گنوار، فرہنگ، صفینہ)

لیک یہ کر گیا ہے ایسا کام

کہ سدا باجتا ہے اس کا نام
— بیان

بالادست: (ف) زبردست، غالب

باقندہ: (ف) بننے والا

بادگوئے کا درد (ہ) تلی کا درد

بالا (ہ) چھوٹا

بار (ف) اجازت، دخل

بدرنا (ہ) شرط لگانا

برن (س) بھیس

بسارنا (ہ) بھلانا

بسرنا (ہ) گزرنا

ماہ گزشتہ کا حال انشا کہوں سو کوئی نہ کر

مر مر بسر گئے ہیں دن اور رات تیسوں
— انشا

لسان (ف) مانند

لسان نقشِ پائے رہداں کوئے تمنائیں

نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں ناچار بیٹھے ہیں

— انشا

بلوا: ہنگامہ، حملہ

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی

مفت اس بلوے میں شبِ خونِ تمنا ہو گیا

— مومن

بندھنا (ہ) سوراخ ہونا، چھیدنا، پرویا جانا

بھڑنا، جا بھڑنا (ہ) مقابل ہونا، لڑنا

جا ہی بھڑا اس صفِ مڑگاں سے آج

دل تو بڑا سا ہی جگر کر گیا — سودا

بھیچک (ہ) حیران

بھگواں (ہ) گیرا

بھال (ہ) تیر کی نوک، برہمی

بھڑا دینا (ہ) لڑا دینا

بھوکا (ہ) شعلہ، چمک

فیضِ صحبت سے جویاں دل کے بھوکا نہ ہوا

خلوتِ داغ میں کب مرہم کا فور گیا — قائم

بہ شدن (ف) اچھا ہونا

بہلہ (ف) چمڑے کا دستانہ

بیمِ سستن (ف) ٹوٹنے کا خوف

بے نقط گالیاں سنانا (ا) بے محابا گالیاں دینا

بے سرو بن (ف) بے سرو پا، ناپیدا کنار

بیزن گیویں گودر کے بیٹے کا نام جو دختر افراسیاب

پر عاشق ہونے کے جرم میں کنویں میں قید کیا گیا۔

بیر (ہ) مخالفت، دشمنی

بے پیچ (ف) بیکار، بے سبب

پانوَ توڑنا (ہ) دوڑانا، پریشان کرنا

پاستاں (ف) قدیم

پاتا (ہ) پتا

پٹ، پچھ (ہ) محل، ملاوٹ

ٹھنڈک کو انکمڑیوں کی وہ تر پھلا لگا دو

جس میں کہ آنوے کی پٹ ہونہ ہو پٹیرا

— انشا

پنج (ہ) ضد، جانب داری
پنج آ پڑی ہے وعدہ دہار کی مجھ
وہ آئے یا نہ آئے یہاں انتظار ہے
— غالب

پچھر (ہ) منج - کھینچی

پدید آنا (ا) ظاہر ہونا

پرچنا، پرچانا (ہ) دل موہ لینا

پدر کی یاد بھولا کیونکہ اس کو پرچاؤں
الہی اس کا نہ دو کہ دیکھوں کاش مرچاؤں

فضلی: کر بل کتھا / ۲۷۶

پرا (ہ) قطار

تسلیم کے سواروں نے گھوڑے دیے ملا

اور ان میں پیدا لوں کا بھی آکر پرا ملا
— دبیر

پرچھا کر دنیا (ہ) بھیڑ کم کر دینا، مخقر کرنا

ہنس کے بولایا، میں مارے خوشی کے مر گیا

قصہ طولانی تھا، دو باتوں میں پرچھا کر دیا
— آتش

پرکالہ (ف) صحیح پرکالہ: آصفیہ / اول: ۱۶۰ چنگاری

پروایا (ہ) زیر پایہ، چارپائی کے پایوں کے نیچے رکھنے

کی چیز (اصل میں پر پایہ تھا)

پلنگی کرنا (ا) لڑنا؛ بے سبب الجھنا

پل (ف) نقدی، پیسہ

پنڈا (ہ) جسم

پنپنارہ، سرسبز ہونا، موٹا، صحت مند ہونا

پوچ (ہ) کمزور

پھینٹا (ہ) سرپیچ، چھوٹی پگڑی (فرہنگ اصطلاحات)

پھٹکار (ہ) بددعا (فرہنگ آصفیہ)

پھبن (ہ) زیبائش

پھینا (ہ) زیب دینا

پھکیت (ہ) پٹے باز

پترار (ف) جوتی

پیلا امور: پیلا موڑ (صحیح پیلا مول: آصفیہ / ۲۲۲) دار فلفل

پے لینا (ا) پتا لگانا

”نعمان لعین نے گھوڑے کے پاؤں کی پے پی“

فضلی: کر بل کتھا / ۱۰۹

تاو (ہ) حرارت، غصہ، سختی کا غد

تاپاک، تپاک (ف) اضطراب، بے چینی

تبخالہ (ف) پھیلا

تردستی (ف) مہارت

ترسانا (ہ) لپکانا، جھوٹی امید دلانا

ترسا (ردی) اصطلاحی، نصرانی آتش پرست ”چونکہ

یہ لوگ عموماً خوبصورت ہوتے ہیں اور نیز اہل اسلام کے

عقائد کے موافق کافر، پس اس وجہ سے شعرا اکثر معشوق

کو اس نام و صفت سے تعبیر کیا کرتے ہیں“ آصفیہ / ۱۷۷

ترپھلا (ہ) ہڑ، بہڑا، آلہ

ترقنا، ترخنا (ا) پھینا

ترنمین (ع) آرایش

تطاؤل (ع) ظلم - غرور - گستاخی

تعب (ع) رنج، تکلیف

تجیہ کرنا (ا) ملا دینا

تف (ف) بھاپ

تفحص (ع) تلاش، جستجو

تلاشی، کوشش سے کہی گئی

تودہ (ف) نشانہ بازی کے لیے بنایا گیا مٹی کا ڈھیر

توتیا یا نرھنا، توتیا جوڑنا (ہ) الزام لگانا

میں نے چلا جو تجھ کو لے نکلیں مجھ سے ہر ایک بگڑا ہوا

توتے جوڑتی ہے کیا کیا خلق جی لگانا بلائے جان ہوا

— رنگین

تھانا (ہ) روکنا، باز رکھنا

تھان (ہ) روضہ، مزار

تھانا مارنا (ہ) سپاہیوں کا چڑھ آنا

تھیکانا (ہ) آہستہ آہستہ چوٹ لگانا

تھانک (ہ) پرندوں کی کیس گاہ

تینس (ہ) واسطے لیے یہ لفظ اپنے کے ساتھ مستعمل

ہے۔ جیسے اپنے تینس کچھ غرض نہیں پہلے غیر کے

ساتھ بھی بولتے تھے جیسے تیرے تینس، اس کے

تینس وغیرہ۔ آصفیہ

تیورانا (ہ) چکر آنا، غش آنا، آنکھوں کے آگے اندھیرا آجانا

تیمار : توجہ، علاج

ٹک (ہ) کچھ، ذرا

سربانے میر کے آہستہ بولو

ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

میر

ٹلٹنا (ہ) جگ سے ہٹنا۔ سرکنا

ٹو کنا (ہ) تعرض کرنا، سوال کرنا، نظر لگانا

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹو کو

یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

— منظر جاجاناں

ٹھٹکنا (ہ) اچانک رک جانا، تامل کرنا

ٹھٹک کر وہ گھوڑے کا چلنا سنبھل

ہما کے وہ دونوں طرف مور جھل

— میر حسن

ٹھٹھولیاں (ہ) تمسخر، چیسر چپاڑ

جاں کن (ف) اذیت دینے والا

جریب (گریک کا مترب: آصفیہ ۳۵/۲) پیائش کی زنجیر لکھی

جدد (ع) گھونگریا لے بال، چوٹی

جگر دار (ف) بہادر

ججخال (ع) مصیبت، وبال

جوشش (ف) جوش

جھمکا (ہ) چمک، جھمکنار (ہ) چمکنا

جھونک (ہ) بچک

جھپکی (ہ) جھلک

جھیلنا (ہ) برداشت کرنا

جھانولی (ہ) جھلک، آنکھ کا اشارہ

جھکجھولا، جھکجھورا (ہ) چمک، ہچکولے

مت دوپٹے سے میاں چہرے کو اتنا کھول موند

لائے گا اس ڈھب کے جھکجھوروں کی کہتا ہے تائب

— قائم

جی چلنا (ہ) خواہش ہونا، جی چلنا۔ دلیری کرنا، خواہش کرنا۔

جی چلا: دلیر

آزاد نے مجھ اور محادروں کے اے بھی مقامی
محاورہ بتایا ہے۔ لیکن اس محاورے کو اکثر اسانڈہ
نے استعمال کیا ہے۔

ہوسِ جمالِ حبیب ہو تجھے کچھ، دلا تو کلیم دوش
نہ وہ لن ترانی اوھر کی سن، ارنی ہی کہنے پہ جی چلا
— انتہا

جی چلا بوسے پہ یاں ہم سے طلبگاروں کا
اڑ گیا رنگ وہاں یار کے خساروں کا
بن بلائے ہم تو اس کوچے میں جا سکتے نہیں
دل تو چلتا ہے بہت پر جی چلا سکتے نہیں
— معرّف

آہ ظالم نے کچھ نہ مانی بات
میں تو اپنا سا جی چلا گزرا — سوز
(بحوالہ صام)

چار شاندار مضبوط آندہ درست

چت (ہ) نظر، خیال، دل

چت چڑھنا: دل میں کھینا

یہ کون تیرے چت پہ چڑھا ہے بتا مجھے

جرات کچھ ان دنوں تزامنہ سا اتر گیا — جرات

چترنی (ہ) چالاک عورتوں کی چار قسموں میں سے ایک (ٹٹیس)

چکلا باندھنا (ہ) مشکوٰۃ پھوڑنا

چٹی (ہ) دھونس۔ تادان۔ ضرر

چٹیل (ہ) زخمی، جوٹ کھایا ہوا

چشم رکھنا (ا) امید رکھنا

چکل: ترکستان کا ایک شہر جہاں کا حسن مشہور ہے۔

چلبلاہٹ (ہ) شوخی، شرارت

چمپی (ہ) جسم کی مالش

چمال (ف) ناز سے چلنے والا

چمک (ہ) کسک، درد

چنی (ہ) سرخ چھوٹا رنگ

چنگا (ہ) تندرست

چنت (ہ) چینِ جامہ

چونا، چوڑنا (ہ) ٹپکنا

چوکننا (ہ) خطا کرنا، بھولنا

چورنگ: نشانہ، برش شمشیر کی ایک قسم

نگاہ یاروں دل پر مرے ہر بار پڑتی ہے

پیائے جس طرح چورنگ پر تلوار پڑتی ہے

— شیدا

چھلنا (ہ) فریب دینا

ہے تری چشم وہ غزال کہ شوخ

جن نے لاکھوں شکار یوں کو چھلا

— قائم

چھینا (ہ) لپیٹا جانا۔ مٹی سے بند کرنا

چھب (ہ) حسن، آرائش

چھلاوا (ہ) غول بیابانی، شہابہ

چھن جانا (ہ) چھلنی ہو جانا

چھبیا (ہ) خوش الحانی

چھچھا: شوخ سرخ رنگ

چیتنا (ہ) ہوش میں آنا، جاگنا

چمیر (ہ) بعض فارسی کے شعرا نے بھی چمیر باندھ لیا ہے: آصفیہ

ایک قسم کی منقش پگڑی۔

حدّت (ف) تیزی

حرمّت (ع) عزّت، عظمت

حرز (ع) تعویذ

حکاک (ع) مہر کن، کھودنے والا

حلقہ بگوش (ف) غلام

حلّہ (ع) لباس

خارخار (ف) خواہش۔ بے کلی

خروس (ف) مرغ

خشونت (ف) سختی

خصومت (ع) دشمنی، عداوت

خصم (ف) دشمن

خمیازہ (ف) انگڑائی

خوش ڈول (ع) خوش وضع

خوں دار (ف) قاتل

خوندار کشتگانِ وفا غیر یار نیست

خونم حنائے پائے تو شد پائے مال شد

(تاثیر آئندرج)

دانگ (ہ) درم کا چوتھا حصّہ

دار (ع) گھومنے والا

دادخواہ (ف) فریادی

داڑ مارنا (ہ) زور زور سے رونا

مستی میں شرم گنہ سے میں جو رو یا دار طہیں مار

گر پڑا بخود ہو واعظ جمعے کو منبر سمیت

— میر

داعیہ (ع) دعویٰ

دیکنا (ہ) چھینا

درنگ (ف) تاہل، ڈھیل

درک (ع) عقل، دریافت

دراج (ع) تیر

دغدغہ (ع) خوف

دلو (ع) ڈول

دم کھانا (ہ) دم نہ مارنا، خاموش ہو جانا

مرغانِ باغ سے نہ ہوئی میری دل کشی

نالے کو سن کے وقت سحر دم ہی کھا رہے

— میر

دم باز (ع) فری

کیا کیا دیے دم اس نے باتیں بنا بنا کر

دم باز کے تصدّق، اس گفتگو کے مددے

— جرات

دم دینا (ع) بہکانا

یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا

تھے غلط پیغام سارے کوں یاں تک آئے تھا

— مومن

دنبال (ف) پیچھے

دوالمیان، دلمیان، چٹکے میں لگی ہوئی تھیلی

کاش اس تماش کی دلمیان کے بدلے انشا

وہ پھرا کر مجھے اک سنگِ فلاخن مارے

انشا

دولاب (ف) رہٹ

دوگانا (ف) دوہرا، جڑواں

دوش (ہ) الزام

دوکھنا (ہ) دوشنا، عیب لگانا

مجھ کو دوکھا جو کسی نے تو وہ بولے لے والے

ایک میرا ہے وہ لاکھوں کے برابر عاشق

انشا

دوسا ہونا (ہ) تیر کا ترازو ہونا

دھج (ہ) طرز، انداز

دھویا دیدہ ہونا (ا) شوخ چٹم، بے باک، بے غیرت ہونا

دھڑکا (ہ) خوف

ڈانک (ہ) نگینے کے نیچے لگایا گئی سنہری یارو پہلی درق

کیا چمک لختِ جگر کی ہے بہ زیرِ اشکِ چشم

عشق نے اچھا دیا یہ ڈانک گوہر کے تلے

جرات

ڈانڈنا (ہ) تاوان لینا

ڈھلڈھلی (ہ) ڈھیلی ڈھالی

ڈنڈ (ہ) بازو

ڈول (ہ) وضع، انداز

رام کرنا (ا) قابو میں لانا، مسخر کرنا

رباط (ع) سرائے، عمارت

رکیک (ع) ذلیل، کمزور

رکھائی (ہ) بے اتفاقی

جی چاہتا ہے بولیں پر بولتے نہیں ہیں

ہو دیں اگر تو باہم ایسی رکھائیاں ہوں

انشا

رلنا، رل جانا (ہ) مل جانا۔ آزاد کرنے اس محاورے پر

بھی اعتراض کیا ہے مستند لغات کے علاوہ اساتذہ کے

کلام سے اس کی سند مل جاتی ہے۔

ہرزہ خاک تیری گلی کی ہے بے قرار

یاں کون سا ستم زدہ مانی میں رل گیا

میر

چاہے ہے اگر کل کو تری نشو و نما ہو

دل کھول کے دانے کی طرح خاک میں رل آج

قائم

رمناء، رم کرنا (ا) بھاگنا، نفرت کرنا

جوشِ قلق نے اس کو بھی دیوانہ کر دیا

پہلے تو اس کی طبع و تحمل میں رم نہ تھا

مومن

رنڈی (اصل لفظ رانڈی تھا: آصفیہ) عورت

روز (ف) روزینہ، اجرت

رلس (ہ) مقابلہ، حرص

رلیو (ف) دھوکا، فریب

زور: بہت۔ غضب۔ خوب

زہ داماں (ف) دامن کا کنارہ

سٹھراو پڑنا (ہ) مقتولوں کا فرش ہونا

انداز سے جدھر وہ قدم پاؤ پڑ گیا

کوسوں ادھر دلوں ہی کا سٹھراو پڑ گیا

ظفر

سٹھوری (ہ) زچہ کو پلایا جانے والا ایک طرح کا مشروب

سری (ہ) خدنگ

سرول (ف) چوکھٹ

سزا (ف)، سزاوار

سم لینا (ا)، گھوڑے کا ٹھوکر کھانا

سمیت (ف)، زہریلا ہونا

سمکھ (ہ)، سامنے

سندان (ف)، نہائی

سیانا ہونا (ا)، سن تیز کو پہنچنا۔

عسل (ع)، شہد

عسس (ع)، کوتوال

علف: سبز چارہ

علوے چشم (ف)، آنکھوں کا اٹھنا

غزہ (ع)، غدر

غرفہ (ع)، جھرد کا، برآمدہ

غمیں (ف)، غمگین، آزرده (پلیٹس)

غش (ع)، کھوٹ

شست و شور (ف)، دھونا

شط (ع)، دریا

شلاش: شوخ

قتال (ع)، فتنہ انگیز

فرد (ف)، کم رتبہ

فضیحت (ع)، بدنامی

فندق (ع)، بیر کی برابر ایک سرخ پھل

مجازاً سرانگشتِ حنائی

صداع (ع)، درد سر

صرفہ (ف)، خست

صوب (ع)، دشوارِ سمحت

طرف ہونا (ا)، مقابل ہونا

طعمہ (ع)، رزق، لقمہ

طناء (ع)، لالچی

طولِ امل (ع)، درازیِ امید

قابیل (سرمانی) حضرت آدم کے بیٹے کا نام جس نے اپنی

بہن ایلحا کے حسد میں بائبل کو مار ڈالا۔

قلیاں (ف)، حقہ

قفار (ع)، پیچھے

قمر فہ (ف)، شکار گاہ (اسٹین گاز)

قور (ع)، خدم و حشم

قوس (ع)، آسمان کی نویں برج کا نام، جس کی شکل

کمان جیسی ہے۔

عاریت (ع)، مستعار

عبیر (ع)، ایک خوشبودار سفوف

عباسی: گل عباسی (ایک پھول)

تہ (ت ۹) بڑے استاد، بہت گہرے

ہیں گین باز ایک کھلاڑی بڑے ہی تہ

آساں نہیں ہے مارنا کچھ ان کی گوٹ کا

— انشا

کبادہ (ف) نرم کمان

کٹھالی (ہ) چاندی، سونا گلانے کی پیالی

(پنجاب میں کٹھالی کہتے ہیں۔ آصفیہ ص ۴۴)

کٹی (ہ) دھار وار، نیچہ

کڈھب (ہ) بے ڈھب، بے طور

پامالی عاشق کو منظور رکھے جانا

پھر چال کڈھب چلنا، بھڑکنا بھی

— میر

کرند (ہ) دھارتیز کرنے کا پتھر

یہ بارہ میری کاٹ کی دی کس نے اس قدر

جو تم رگڑ رہے ہو سردی کرند پر

— انشا

کر (ف) بہرا

کسبی (ع۔ ف) پیشہ ور، ہنرور

کسوت (ع) لباس

کسمسانا (ہ) بل کھانا، انگڑائی لینا

کلنا (ہ) ٹیسیں مارنا، درد ہونا

کم بغل (ف) مفلس

کماچی (ہ) بریٹ

کوس (ہ) آستیں کا کف

کوکنار (ف) پوست، خشک شاش کا دودا

کولی (ہ) آغوش

لے لوں اسے کولی میں اگر میں تو مجب کیا

بے مرہم ابھی زخم مرے دل کا بھرائے

— جرات

گات (ہ) بدن، چھائی

جس نے باندھے ہوئے گاتی تجھے دیکھا پھر کا

دل رہا شے تھی، مری جان! تری گات نہ تھی

— آتش

گچ (ف) چونا

گردیل (ہ) رونی کا گدا

گردہ (ف) نقاش کا خاکا

گرد بانہنا (ا) شرط کرنا

گل خورشید (ف) سورج کھی

گل تکیہ (ا) رخسار کے نیچے رکھنے کا تکیہ

کیا نیند آئے ہو جو یہی رات بھر خیال

گل تکیہ کے عوض کوئی محل سا گال ہو

— ناسخ

گل اندود کرنا (ا) لپسا جانا

گہارہ، گوہارہ (ہ) نجوم کا حمد

گہنا (س) جگر ہن) پکڑنا

اب جی کے ڈرے اس کو بیاں تو نہ چھوڑیو

ہیں مرد دے کہ باہنہ کو جس کی گہا گہا

— بیاں

لال : بمعنی گنگ

زباں لال کہاں اور مدح تاجِ خدیں
گرا ہے خاک پہ کیا محلِ افسرِ طاؤس

— موئن

لاگ (ہ) نفرت

لائی (ف) درد، تلچھٹ

لانگنا (ہ) عبور کرنا، اوپر سے گزرنا

لٹا، لٹ جانا (ہ) کمزور، دبلا ہو جانا

شبِ میر سے ملے ہم، اک دہم رہ گیا ہے

اس کے خیال میں ہے، اب تو گیا بہت لٹ

— میر

لٹ پی (ہ) ٹیڑھی بانگی، بے قرینہ

لچھن جھڑنا (ہ) رونق نہ رہنا

لرزج (ع) چمکتا ہوا

لولی (ف) رقاصہ، لولی فلک، دینس

لونی (ہ) شور

محرمات (ع) ایک قسم کا کپڑا : فارسی والے
بالتشدید بروزن مقدمات استعمال

کرتے ہیں : آصفیہ ۲/۲۵۰

محرف (ع) ٹیڑھا

محبوس (ع) مقید

محضرت (ف) حکم نامہ، عرضداشت

محنوش : کٹا پھٹا، جلا ہوا

مخطط (ع) خط نکلا ہوا

مدعی (ع) دشمن، مخالف

مدرکہ (ع) عقل

مزمن (ع) پرانا مرض

مسکانا (ہ) پھاڑنا

مشبک (ع) جالی دار۔ سوراخ رکھنے والا

دکھ کے تیشوں سے مشبک ہے مراد لے عشق!

چھیڑنے کو تو بحثِ حسانہ زنبور گیا

— قائم

مصدر (ع) منبع، صادر ہونے کی جگہ

معاذ (ع) جاے بازگشت، عقبی

مفتاح (ع) کنجی

مقرنس۔ بلند عمارت

ممیز (ع) نیک و بد میں تمیز کرنے والا

منفک (ع) جدا

منہنال (ہ) سرینے

ماناد (ف) مانند

مبنت (ع) منقش، ابھرے ہوئے نقش رکھنے والا

مبصر (ع) بینا

مبذل (ع) حقیر، بے قدر

مشم (ع) تہمت لگایا گیا

متصل (ع) متواتر

منعقد (ع) پردے ہوئے

مہوس (ع) کییاگر

مہلت (ع) بمعنی اجازت

ناجی (ع) نجات پانے والا

نافرماں (ف) ایک پھول

”گلی است کہ انرا زباں بقفا گویند“

۱۔۱

نالش (ف) گریہ دزاری

نادِ علی : ایک دعا جو کندہ کرا کے بچوں کے گلے میں

ڈالتے ہیں۔ فضلی کہتے ہیں :

نازل اوس حق ہوئی ہے نادِ علی

حل ہر مشکل ہیگی یا دِ علی
کر بل کتھا/۳

ناورد (ف) جنگ و جدل

نافع (ع) فائدہ مند

نا تمام (ف) خام

نہر نادرہ (ع) ختم ہونا

نبات (ع) مصری

نپٹ (ہ) بالکل، نہایت

نخست (ف) اول

ندان (ہ) آخر کار

نحوۃ بالشد (ع) پناہ مانگتے ہیں ہم خدا سے

نسر طائر : اڑتے ہوئے پرند کا ہم شکل

ستاروں کا ایک جھرمٹ

نفیج = نفخ (ع) اپھارا، پیٹ پھولنا

نکتور (ہ) نخر

نوجہ : نوجوان

نہرنی (ہ) ناخن گیر

دام (ف) قرض

داشر (ف) کشادگی، شگفتگی

ہابیل : دیکھیے قابیل

ہاموں (ع) میدان۔ جنگل

ہدف (ع) نشانہ

ہرزہ گردی (ف) آوارہ گردی

ہرزہ درائی (ف) بہودہ گوئی

ہنر کرنا (ا) کرتب دکھانا

ہیزم (ف) جلانے کی ٹکڑی

یک دست (ف) ایک دلو کا نام

یکہ یازہ (ف) شہسوار

SRI PRATAP COLLEGE
LIBRARY

Subject P. G. (i)

No. 47

SRI PRATAP COLLEGE LIBRARY
SRINAGAR. (Kashmir)

DATE LOANED

Class No. 891.481. Book No. M 91 D

Acc. No. 25920

A fine of .10 Paise will be charged for each day the
book is kept over-time.

--	--	--

Class No. 891.481. Book No. M 97 D.

Author _____

Title _____

Acc. No. 25920

Date of Issue

Issued To

Roll No.

Class

SRI
PRATAP COLLEGE
LIBRARY
SRINAGAR.

Members of College
Teaching Staff can borrow
ten books at a time and
can retain these for one
month.

Any student of the college
can borrow one book at a
time and this can retain for
14 days.

Books in any way injured
or lost shall be paid
for or replaced by
the borrower.

مرتبہ: نور نقوی

پہ: ڈاکٹر محمد حسن

نوشت سوانح

تبیہ: حفیظ عباسی

ڈاکٹر محمد حسن

نور نقوی

ہلی

نہ، دہلی